شہید ذوالفقار علی بھٹو کی کتاب جو پھانسی کی کوٹھڑی میں لکھی گئی!

جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء اور سیاسی حالات کا چونکا دینے والا تجزیہ اور انکشافات!!!

منصور حیدر راجہ

اگر مجھے

قتل

کیا گیا ...!

ذوالفقار علی بھٹو شہید

اگر مجھے قتل کیا گیا ۔!

کلاسیک دی مال لاہور

فہرست

پیش لفظ

بھٹو کی کتاب "اگر مجھے قتل کیا گیا ......" کا اردو ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ اس ترجمے سے پہلے قارئین کرام میری چند ضروری معروضات کو ضرور پڑھ لیں ۔

ایک عرصے سے اس کتاب کا شہرہ رہا ہے ۔ یہ کتاب بھٹو مرحوم نے جیل کی اس کوٹھڑی میں لکھی جو ان لوگوں کے لئے مخصوص کی ہوتی ہے جنہیں موت کی سزا دی گئی ہو راولپنڈی جیل میں موت کی وہ کوٹھڑی جہاں شہید بھٹو نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے اور یہ کتاب کاغذوں کو گھٹنوں پر رکھ کر مکمل کی کہ انہیں وہاں لکھنے پڑھنے کی سہولتیں حاصل نہیں تھیں ۔ مسمار کی جاچکی ہے لیکن یہ موت کی کوٹھڑی لازوال ہوچکی ہے ۔ مٹی اور اینٹوں سے بنی ہوئی وہ کوٹھڑی تو مارشل لاء کے حکمران نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں مسمار کروادی ۔ لیکن اس کوٹھڑی میں لکھی گئی یہ کتاب موت کی اس کوٹھڑی کو ہمیشہ زندہ رکھے گی ۔

اردو اور غیر ملکی زبانوں میں جیل میں لکھی جانے والی کتابوں کی تعداد خاصی ہے اور ان میں سے بعض کو دائمی اہمیت اور شہرت بھی حاصل ہوئی ہے ۔ جیسات کے حوالے سے بھٹو مرحوم کی یہ کتاب ان زندہ رہنے والی کتابوں میں ایک بیش بہا اضافہ ہے ۔

ایک عرصے تک اس کتاب کو دبایا گیا ۔ پاکستان میں یہ کتاب جنرل ضیاالحق کے حکم سے ممنوع قرار دی گئی ۔ اسے شائع کرنا جرم تھا ۔ اسے فوٹو سٹیٹ اور دستی نقل کی صورت میں رکھنا پڑھنا اور تقسیم کرنا ایسا جرم تھا جس کی سزا کوڑے اور جیل کی کوٹھڑی ہوسکتی تھی ۔ ایک دو ایسے پریس جہاں اسے شائع کرنے کی کوشش کی گئی وہاں چھاپے پڑے ۔ ان کے مالکوں کو گرفتار کرکے تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور پریس بھی ضبط کر لئے گئے ۔

جنرل ضیا کے مارشل لا کے دور میں مرحوم بھٹو کی زندگی میں مرحوم بھٹو کی کردار کشی اور سپریم کورٹ میں ان کی اپیل کی سماعت کو متاثر کرنے کے لئے فوجی ٹولے نے یہ منصوبہ بنایا کہ فوجی حکومت کی طرف سے ان کے اور ان کی حکومت کے خلاف وائٹ پیپر شایع کئے جائیں ۔ یہ ایک گھناؤنی چال تھی ۔ جان لیوا دشمنی پر ہی مبنی نہیں تھی بلکہ اس کے ذریعے سپریم کورٹ کے

جچوں پاکستان کے عوام اور عالمی رائے عامہ کو بھی گمراہ کرنا مقصود تھا ۔ بھٹو مرحوم نے مارشل لاء حکومت کی طرف سے شائع ، جاری اور تقسیم کئے جانے والے دو وائٹ پیپرز کا جواب اس کتاب میں دیا ہے ۔ اس کے بعد تین جلدیں مزید شایع ہوئیں ۔ جن کا جواب بھٹو مرحوم نہ دے سکے کیونکہ ان کی زندگی کی ڈوری پھانسی کے پھندے کے ذریعے کاٹ دی گئی تھی ۔

بھٹو مرحوم نے مارشل لاء حکومت کی طرف سے مرتب کردہ ان وائٹ پیپرز کی ان دو جلدوں کا جواب سپریم کورٹ میں پیش کرنے کے لئے لکھا تھا ۔ سپریم کورٹ نے اس اہم دستاویز کو کوئی اہمیت نہ دی ۔ ایسا کیوں ہوا یہ ایک الگ موضوع ہے اور اس کے مضمرات بھی اب ڈھکے چھپے نہیں رہے ۔ بہرحال مارشل لاء حکومت کی پوری مشینری حرکت میں آگئی کہ بھٹو مرحوم کے اس جواب کو دبایا اور نیست و نابود کر دیا جائے اپنی جگہ یہ طرز عمل کتنا گھناؤنا ہے اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ۔ قدم قدم پر اسلام کا نام لینے والے اور قرآنی آیات پڑھنے والے جنرل ضیاالحق کو یہ سیدھا سادہ انسانی اخلاقی ، مذہبی اور قانونی اصول یاد نہ رہا کہ ملزم کو جواب دینے کا ہر طرح کا حق حاصل ہوتا ہے اور اسے اس حق سے محروم کرنے والا دین و دنیا دونوں لحاظ سے خود بہت بڑا مجرم اور گناہگار ہوتا ہے ۔

تمام تر پابندیوں کے باوجود بھٹو مرحوم کی اس آخری تحریر کے حصول کے لئے پاکستانی عوام جدوجہد کرتے اور متجسس رہے ۔ فوٹو سٹیٹ کاپیوں کی صورت میں یہ خفیہ طور پر پڑھتی جاتی رہی ۔ یہ فوٹو سٹیٹ کاپیاں نامکمل اور ناقص تھیں دوسری طرف پڑوسی ملک بھارت میں اس کتاب کو موقع پرستوں اور تاجروں نے اپنے انداز میں استعمال کیا ۔ اس اہم ترین تحریر کے ناقص اور نامکمل اردو ترجمے ہوئے انہیں بڑے ناقص انداز میں شائع کیا گیا ۔ انگریزی میں بھی اسے بہت سے ناشروں نے ادھورا ہی شائع کر کے پڑھنے والوں کے تجسس اور ذوق کا مالی استحصال کیا ۔

اس ترجمے کی صورت میں پہلی بار بھٹو مرحوم کی اورجنل تحریر کا مکمل اور پورا اردو ترجمہ پیش کیا جارہا ہے ۔ یہ ترجمہ مستند کتاب سے کیا گیا ہے جو بھٹو مرحوم کی ہی اپنی تحریر تھی اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا ۔

جب بھٹو مرحوم نے یہ تحریر راولپنڈی جیل کی موت کی کوٹھڑی میں لکھی اور اب جب اس کا پہلا ترجمہ آپ تک پہنچ رہا ہے تو وقت کے پلوں کے نیچے سے بہت سے پانی تیزی سے بہہ چکا ہے ۔

جنرل ضیاالحق اپنے خوفناک انجام سے دوچار ہوچکا ہے ۔ ملک میں جمہوریت کی حکمرانی ہے اور بھٹو مرحوم کی صاحبزادی محترمہ بے نظیر بھٹو کے ہاتھوں میں ملک کی قیادت آچکی ہے ۔

یہ ایک علیحدہ موضوع ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کو پاکستان کی قیادت 1988 میں ملی تو اس وقت کا پاکستان اس وقت 1970 کے پاکستان سے بھی زیادہ شکستہ اور کمزور حالت میں ہے جب جناب بھٹو نے ملک کی قیادت سنبھالی تھی ۔ بہرحال ایک عظیم چیلنج ہے ۔ جس کا سامنا محترمہ بے نظیر بھٹو کرنا پڑ رہا ہے ۔

بھٹو مرحوم کی اس آخری طویل اور مکمل تحریر کا ترجمہ بذات خود ایک کربناک تجربے کی حیثیت رکھتا ہے ۔ قارئین بھی جب بھٹو مرحوم کی اس تحریر کو پڑھیں گے تو بہت درد کرب اور بے چینی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکیں گے ۔

"اگر مجھے قتل کیا گیا ۔۔۔۔" ایک عہد تاریک کا آئینہ ہے ۔ جس میں ایک دور اپنی تمام تر بھیانک شبیہوں کے ساتھ نظر آتا ہے ۔ ہم تصور کر سکتے ہیں کہ بھٹو مرحوم یہ کتاب لکھتے ہوئے کس کرب سے گزر رہے ہوں گے ۔ لکھنے پڑھنے کی سہولتوں کے فقدان کے باوجود انہوں نے یہ کتاب جس انداز میں لکھی ہے ۔ یہ اپنی جگہ بڑا اہم کارنامہ ہے ۔ بھٹو مرحوم اپنے ہی الفاظ کے مطابق ہمیشہ سے ایک شاعر اور انقلابی تھے یہ کتاب اس کا طرز اسلوب ، اس کی نثر ثابت کرتے ہیں کہ بھٹو واقعی ایک شاعر اور انقلابی ہے ۔ اس کتاب میں شعریت اور انقلاب کا ایک ایسا امتزاج ملتا ہے جس کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں ۔ طرز اسلوب ۔ کسی مصنف کی اصل پہچان اور روح ہوتا ہے ۔ اس میں انفرادیت حاصل کرنا ۔ سب سے بڑی کامیابی سمجھی جاتی ہے ۔ بھٹو مرحوم اس کتاب کی نثر اور طرز اسلوب کے حوالے سے اس کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں ۔

یہ کتاب پاکستان کی تاریخ کے نازک ترین دور کا تجزیہ ہے ۔ اس سازش کا قصہ ہے جس نے ایک جمہوری حکومت کا تختہ الٹ دیا ۔ اس میں ہمیں بہت سے چہرے دکھائی دیتے ہیں وہ چہرے جو اب بساط ہستی سے غائب ہو چکے ہیں اور اب بھی موجود ہیں ۔ اس کتاب میں ایسے ایسے انکشافات ہوئے ہیں ۔ جن کا مطالعہ لرزا دیتا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کو ضیا الحق کے دور میں اس لئے بڑی سختی سے دبایا گیا کہ بھٹو مرحوم نے جو انکشافات کئے تھے اس کا جواب نہیں دیا جا سکتا تھا ۔

اس کتاب میں بھٹو کی نابغیت پوری شان سے جھلکتی ہے ۔ ان علم تجربہ بے پناہ حافظہ اور بات کہنے کا اسلوب پورے عروج پر ملتا ہے ایک قانون دان اور عظیم عوامی سیاست دان کی حیثیت سے بھی یہ کتاب ان کا روشن پہلو ہمارے سامنے لاتی ہے ۔ یہ کتاب ان کی بے پناہ ذہانت اور ذکاوت ، ملک عوام کے ساتھ دردمندی کا ظاہر کرتی ہے ۔ حالات اور آنے والے دنوں کا جس انداز سے وہ تجزیہ کرتے ہیں ۔ اس پر میں اس لئے کچھ نہیں کہوں گا کہ 1978 میں لکھی جانے

والی اس کتاب نے آج 1989 تک بھٹو کے تجزیئے اور بصیرت پر صداقت کی کئی مہریں مثبت کر دی ہیں ۔ بھٹو مرحوم نے معروضیت کو پیش نظر رکھا ہے ۔ اپنی حکومت کی خامیاں بڑی دلیری سے پیش کی ہیں۔ خود احتسابی کا اظہار بے باکی سے ملتا ہے اور پاکستان کے مستقبل کے حوالے سے وہ ایک عظیم رہنما ہی نہیں بلکہ ایک سچے محب وطن پاکستانی کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں ۔ یہ کتاب سچے واقعات اور کرداروں کا دلچسپ لرزہ خیز اظہار کرتی ہے ۔ جب بھٹو عوامی اور فلسفیانہ دانش کے امتزاج سے طنز کرتے ہیں تو ان کی تحریر کا حسن نکھر کر موثر ہو کر سامنے آتا ہے ۔ بھٹو کی طنز ۔ بڑی طاقتور ہے۔ کیونکہ یہ طنز حقائق پر مشتمل ہوتی ہے ۔

اس کتاب کا مطالعہ ایک بڑے تجربے کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس کا ترجمہ کرتے وقت میں نے پوری کوشش کی ہے کہ بھٹو کا طرز اسلوب بھی میں جس حد تک ممکن ہو سکے اردو میں منتقل کر دیا جائے ۔ اس کے علاوہ بعض ایسے امور جو بعد میں سامنے آئے ان کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے ۔ تاکہ قاری اس کتاب کے آئنے میں پوری تصویر دیکھ سکے ۔

اس میں مجھے کس حد تک کامیابی ہوئی ہے اس کا فیصلہ پڑھنے والے ہی کر سکیں گے!!

22 – اپریل 1989

لاہور ۔

ستار طاہر

(۱)

قرطاس ابیض یا سفید جھوٹ

فوجی ٹولے کو اقتدار میں آئے ایک برس اور بیس دن ہو چکے ہیں (۵ جولائی ۱۹۷۷ سے ۲۵ جولائی ۱۹۷۸ تک جو قرطاس ابیض کے جاری کئے جانے کی تاریخ ہے) اقتدار میں ظلم و تشدد کی تین سو پچاسی راتوں کے بعد نتیجے کے طور پر ایک ہزار چوالیس صفحات پر مشتمل یہ دستاویز سامنے لائی گئی ہے ۔ جس کے ساتھ تین سو بیالیس ضمیمہ جات شامل ہیں ۔ قرطاس ابیض کا جسم چار سو صفحات پر مشتمل ہے باقی تمام صفحات ان ضمیمہ جات پر صرف کئے گئے ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ ریاستی / حکومتی دستاویزات ہیں اصل جسم اَور متن انہی ضمیمہ جات کے ایک بد نما خاکے پر مشتمل ہے تعصب اور عناد پر مشتمل آراء دے کر اپنی مرضی سے استخراجی نتائج نکالے گئے ہیں ۔

قرطاسِ ابیض کے مطابق ۵ جولائی ۷۷ کو حکومت کی تبدیلی کے فوری بعد چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر نے ایک انکوائری کمیٹی کا تقرر کیا تاکہ مارچ میں ہونے والے انتخابات کا گہرا جائزہ لے ۔ کمیٹی مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تھی ۔

(۱) بریگیڈیئر میر عبدالنعیم ۔۔ اتفاق دیکھیے کہ انہی کے بارے میں انٹیلی جینس بیورو کے سابق ڈائریکٹر راؤ عبد الرشید نے اپنے ایک بیان حلفی میں بتایا ہے ، جو سپریم کورٹ میں پیش کیا تھا ۔ ان سے اسی بریگیڈیر نعیم نے پوچھا تھا ۔

"کیا تمہارے خیال میں فوج یہ برداشت کر سکے گی کہ مسٹر بھٹو دوبارہ اقتدار میں آجائیں ۔

مسٹر رشید نے خاموشی اختیار کی تو بریگیڈیر نعیم نے خود ہی اپنے سوال کا جواب یوں دیا ۔

"یقیناً ، فوج اسے نہیں چاہتی"

الوداعی طور پر اس نے راؤ رشید کو یہ مشورہ دیا پلیز فوج کے ساتھ تعاون کیجے یقیناً بریگیڈیر نعیم کو علم تھا کہ اس طرف سے ان کی روٹی کو مکھن لگ سکتا ہے ۔

(1) مسٹر عبدالعزیز خاں ، سیکرٹری پولیس فاؤنڈیشن ۔
(2) مسٹر ایس ہمایوں خان او ایس ڈی الیکشن کمیشن ۔
(3) لیفٹیننٹ کرنل محمد اسلم راجہ ۔

اس کمیٹی کو چارج دیتے ہوئے یہ ذمے داری طے کی گئی تھی کہ انتخابات کے درمیان جو بدعنوانیاں ہوئی ہیں ان کا جائزہ لے ۔ قرطاس ابیض اس کمیٹی کو یہ خراج تحسین پیش کرتا ہے کہ کمیٹی نے "ایک عمدہ اور نفیس کام مختصر سے وقت میں کر دکھایا"۔

قرطاس ابیض میں اگرچہ کمیٹی کے ارکان کے نام دیئے گئے ہیں ۔ لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کا سربراہ کون تھا ۔

قرطاس ابیض میں بیان کیا گیا ہے "بنیادی طور پر قرطاس ابیض کا ان دستاویزات پر انحصار کیا گیا ہے جو مسٹر زیڈ اے بھٹو ، مسٹر رفیع رضا ، پیپلز پارٹی کے انتخابات کے کلی انچارج سردار محمد حیات تمن سابق وزیر اعظم کے سیاسی مشیر وزیر اعظم سیکرٹریٹ کے افسران انٹیلی جنس ایگزیکٹوز ، صوبائی وزرائے اعلی/چیف سیکرٹریوں کے دستخطوں سے یا ان کی طرف سے جاری کی گئی تھیں ۔

(پیرا (II) تعارف)

قرطاس ابیض کے مطابق "یہی ان کی بنیادی کہانی ہے دستاویزات اور فوٹو سٹیٹ خود ہی اپنا اظہار کرتی ہیں ۔ محض چند وضاحتوں کی ہی ضرورت محسوس ہوتی ہے"۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو حکومت پر طاقت سے قبضہ کرنے سے پہلے ہی چیف آف آرمی سٹاف نے فوجی افسروں پر مشتمل ٹیمیں ہر صوبے میں تشکیل دی تھیں کہ وہ مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات کے بارے میں تحقیقات کریں اس کی اطلاع کم از کم مجھے ایک وزیر اعلیٰ نے خود دی تھی ۔

ایسی ہی اطلاعات مجھے دوسرے ذرائع سے بھی ملی تھیں مثلاً وفاقی سیکرٹریٹ کے ایک ایڈیشنل سیکرٹری نے مجھے مطلع کیا کہ ایک صحافی مسٹر آئی ، ایچ برنی ، جو کبھی انگریزی ہفت روزہ "آؤٹ لک" کے ایڈیٹر تھے کی خدمات جنرل ہیڈ کوارٹرز نے حاصل کی ہیں کہ انتخابات کے امور میں تحقیق کریں قومی اسمبلی کے متعدد ارکان نے مجھ سے شکایت کی کہ فوجی افسران سے انتخابات کے بارے میں ہر طرح کے سوال کر رہے ہیں جیسے وہ کوئی خاص قسم کی انکوائری کر رہے

ہوں ۔ بعض امیدواروں صوبائی حکومت کے ایک وزیر اعلیٰ نے مجھے اطلاع دی کہ ایسی انکوائریاں کئی مقامات پر بڑے ہشیائے ہوئے انداز میں کی جارہی ہیں ۔

ان اطلاعات کے حوالے سے جو مجھے مختلف اطراف سے مل رہی تھیں میں نے یہ سوال اقتدار اعلی کی میٹنگوں میں اٹھایا ۔ جن میں کچھ وفاقی وزراء چیف آف آرمی سٹاف کورپس کمانڈرز نے شرکت کی تھی ۔ کورپس کمانڈرز صاف دکھائی دینے والی بے چینی کے ساتھ خاموش رہے چیف آف آرمی سٹاف نے بڑبڑاتے ہوئے کچھ مبہم اور پوری طرح نہ سنائی دینے والے الفاظ میں ایسی اطلاعات کی تردید کی جو مجھے ملی تھیں ۔ اس کا حوالہ میں نے اپنے بیان حلفی میں دیا جو سپریم کورٹ میں بیگم نصرت بھٹو کی آئینی درخواست کے ساتھ منسلک ہے جس میں مارشل لا کے نفاذ کو چیلنج کیا گیا ہے ۔

یہاں یہ نکتہ پیدا ہوتا ہے ۔

(الف) "کیا فوج نے انتخابات کے بارے میں جو ابتدائی انکوائریز کیں ان کا آغاز مارچ ۱۹۷۷ کے فوراً بعد ہوا تھا ؟

(ب) کیا اس انکوائری کمیٹی کا تقرر ۵ جولائی ۱۹۷۷ کی تبدیلی کے فوری بعد ہوا تھا؟

(ج) کیا کمیٹی نے ایک عمدہ کام واقعی مختصر عرصے میں مکمل کیا"؟

کیا "واقعی یہ قرطاس ابیض دستاویزات پر مشتمل ہے جو حکومت کے ریکارڈز سے حاصل کی گئی جن کے بارے میں قرطاس ابیض کا دعوی ہے کہ یہ اپنا اظہار خود کرتی ہیں اویہ کہ یہ ان کی بنیادی کہانی ہے اور کہ صرف چند وضاحتوں کی ضرورت ہی محسوس ہوتی ہے ۔ اگر ایسا ہے تو پھر ..... قرطاس ابیض کو چکا چوند کر دینے والی پبلسٹی کے ساتھ عوام کی آنکھوں میں جھونکنے کے لئے ۳۸۵ دنوں کا طویل عرصہ ، ۲۹ جولائی ۱۹۷۸ تک انتظار کیوں کیا گیا؟ جس کا عربی ترجمہ بھی کرایا گیا ۔ ۲۴ جولائی ۱۹۷۸ کی رات کو ریڈیو ٹیلی ویژن پر قرطاس ابیض کا ڈھنڈورا اس طرح پیٹا گیا یہ داستان پاکستان کے ہر گھرانے میں پوری سرعت کے ساتھ پہنچ جائے ۔

وقت کا یہ مسئلہ مشکوک اور سازشیانہ ہے ۔ میں پھر پوچھتا ہوں کہ آخر اب کیوں ؟ جبکہ سارا مواد مہینوں پہلے دسترس اور فراہمی میں تھا تو اب کیوں ؟ جبکہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو فوج کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹنے کی کوئی وضاحت موجود تھی نہ ہی اس سلسلے میں کوئی جواز پیش کیا گیا کہ مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات میں دھاندلی کی گئی تھی اس کے برعکس مختلف النوع وجوہات کو پہلے سامنے لایا گیا تھا ۔

وزیر اعظم کی تعریف و ثنا کی گئی ۔ جنرل ضیاالحق نے خود اپنی پہلی پریس کانفرنس ۱۴

جولائی ۱۹۷۷ کو کہا کہ میں ایک جرنیل اور بہادر لڑاکا ایک عظیم سیاست دان ہوں "اگر میں ایک ایسا آدمی ہوں جو تاریخ کا گہرا شعور رکھتا ہے اس نے مجھے ایک محب وطن ایک بہادر انسان قرار دیا اور کہا کہ اس کے دل میں میرے لئے بڑا احترام اور وقار ہے ۔

چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر نے واضح اور پر زور الفاظ میں بیان کیا کہ وزیر اعظم نے مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات میں کوئی دھاندلی نہیں کی اس نے کہا
وہ ایسے تمام الزامات کو بے معنی قرار دیتے ہیں کہ تمام حلقوں میں دھاندلی ہوئی تھی ۔ انہوں نے کہا کہ فوج کے پاس ثبوت موجود ہے کہ مسٹر بھٹو اس دھاندلی کے ذمے دار نہیں تھے ۔ اس کے علاوہ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ پی پی پی کی فتح دھاندلی کی وجہ سے ہوئی ۔ اگر دھاندلی نہ بھی ہوتی تو بھی پارٹی جیت جاتی ۔ اگر کوئی دھاندلی ہوئی تھی تو اس نے کہا تھا یہ انفرادی سطح پر کی گئی تھی ۔

(پاکستان ٹائمز ۱۹۷۷ ۔ ۷ ۔ ۱۴)

آپریشن فیر پلے کا مقصد اور نصب العین یہ تھا کہ دونوں فریقین کی محاذ آرائی ختم کی جائے

اور نوے دنوں کے اندر عام انتخابات کا انعقاد کسی قسم کے الزامات یا غلط کاموں کے بغیر کیا جائے (کیونکہ یہ ذمے داری انتخاب میں حصہ لینے والے ، اور ووٹ دینے والے کی تھی ، مسلح افواج کی نہیں) نیوز ویک بی بی سی اور یو پی آئی کو انٹرویوز دینے کے بعد یہ رپورٹ کیا گیا کہ جنرل ضیاالحق نے کہا تھا کہ میں نے بطور وزیر اعظم پوری منصفانہ کوشش کی تھی کہ حزب اختلاف کے ساتھ معاہدہ ہو جائے اور حقیقت یہ ہے کہ مسٹر بھٹو جس حد تک رضامند ہو گئے تھے اس سے زیادہ کسی سیاست دان سے رضامندی ممکن نہیں جنرل ضیاالحق نے یہ بھی کہا کہ میرا واحد مقصد آزاد اور منصفانہ انتخابات کا انعقاد ہے جو اس برس اکتوبر میں ہوں گے ۔ میں پختہ یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنے اس پروگرام سے سرگردانی نہیں کروں گا ۔ سرکاری انتظامیہ کے وہ افراد جو کسی طرح بھی اپنے مستقبل کے بارے میں پریشان ہیں میں یہاں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ انہیں کسی انتقام کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا ۔

اس سے یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ پی پی پی اور پی این اے کے مذاکرات اور مفاہمت میں جو ڈیڈ لاک پیدا ہوا ۔ وہی فوج کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹنے کی وجہ بھی بتائی گئی ۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ معاہدہ ہونے والا تھا ۔ پی این اے کی طرف سے اٹھائے جانے والے معمولی نکات اگلے دن طے ہونے والے تھے یعنی ۔۔۔ حکومت کا طاقت سے تختہ الٹنے کا دن ۔ ۵

جولائی ۱۹۷۷ بالآخر بات کہاں ختم کی گئی -- یہ کہ پی پی پی پر الزام لگایا گیا کہ اس نے تاخیری حربے اختیار کئے - جب کہ سچائی یہ ہے کہ دو ماہ سے کم عرصے ہی میں حکومت نے انتہائی الجھے ہوئے مسائل کو طے کر لیا جس میں نئے انتخابات کرانے کے لئے نئی مشینری کا اہتمام نظربندوں کی رہائی اور دوسرے اہم انتظامی مسائل ، پالیسی سے متعلق سوالات میں آئینی امور بھی شامل تھے - یہ مسائل چیف آف دی آرمی سٹاف کی طرف سے بلوچستان اور ٹیپ ٹرائل کے بارے میں نارضامندی کے باوجود حل کئے گئے -

اس کے برعکس اس واضح تضاد کو دیکھئے کہ ایک برس سے زائد عرصہ گزر چکا ہے اور پی این اے ابھی تک چیف مارشل لا کے موجودہ سیٹ اپ میں شرکت کے لئے رضامند نہیں ہوئی -

جوں جوں وقت گزرتا گیا غیر قانونی طور پر اقتدار پر قبضے کے لئے نئے نئے جواز دریافت کئے جانے لگے - جن میں کچھ یوں ہیں

(i) خانہ جنگی کا خطرہ

(ii) اسلامی قوانین کا نفاذ

(iii) معیشت کی بحالی

(iv) مثبت نتائج کی یقین دہانی کی ضرورت وغیرہ

لیکن آخر اب کیوں ؟

میں ایک بار پھر یہ بات دہراؤں گا کہ آخر اب ۲۴/ ۲۵ جولائی ۱۹۷۸ کو یہ دستاویز کیوں جاری کی گئی ہے ؟ یہی مواد تو جنوری ۱۹۷۸ کے اوائل میں بھی شائع کیا جاسکتا تھا - اس وقت مواد زیادہ بر محل اور مستند سمجھا جاتا لیکن بعد میں اس وقت کیوں ؟ جیسا کہ متذکرہ بالا امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کا فوج کے ذریعے تختہ الٹنے کا یہ جواز ہی نہیں بنتا تھا کہ مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات میں دھاندلی ہوئی تھی اور پھر بطور خاص ....

(ا) جبکہ مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات دیگر واقعات کی بنا پر خارج ہو چکے تھے -

(ب) جبکہ فوجی ٹولے نے ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ کو جو انتخابات کرائے تھے وہ بھی منسوخ ہو چکے تھے -

(ج) جبکہ پوری دنیا کے مطالبات کے باوجود فوجی ٹولے نے نئے انتخابات کے انعقاد کے لئے کسی تاریخ کے اعلان سے انکار کر دیا تھا -

(د) جبکہ فوجی ٹولہ بنیادی جمہوری راہ سے انحراف کر کے ملحقہ عوام دشمن پالیسیوں کی طرف

گامزن ہے ۔

(ر) جبکہ فوجی ٹولہ انتخابات کو صرف یہ اہمیت اہمیت دیتا ہے کہ اس کے ذریعے مثبت نتائج حاصل کئے جائیں ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس موقع پر یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات کی نام نہاد دھاندلی پر اتنا اصرار کیوں کیا جارہا ہے خود اپنے زخم کا علاج کیوں نہیں کر رہا ؟ اس کا عمل اس کا گناہ اگر میں نے کوئی گناہ کیا ہے تو اس کے مقابلے میں زیادہ بڑا گناہ ہے ۔ آخر جنرل اپنے آپ کو انتخابات سے بری الزمہ قرار دے رہا ہے وہ انتخابات کیوں نہیں کراتا ؟ کیا اس نے مارشل لا نافذ کر کے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ وہ ایک بہتر انسان ہے ؟ آئین معطل کر کے ، پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو توڑ کر ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ کے عام انتخابات منسوخ کر کے اور انتخابات کے لئے کوئی تاریخ دینے سے انکار کر کے عوام کے ساتھ اس نے جو ٹھوس وعدے کئے تھے انہیں توڑ کر سیاسی نمائندوں پر کڑی اور مکمل پابندی عائد کر کے جن میں ٹریڈ یونین سرگرمیاں بھی شامل ہیں کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ کہ اس نے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور وہ بہتر انسان ہے ؟

اس نے الزام تو لگایا ہے لیکن اس کا کوئی حل پیش نہیں کیا ۔ جو 'حل' اس نے پیش

قرطاس ابیض کا موضوع ہے ۔ دی کنڈیکٹ آن جنرل الیکشنز ان مارچ ۱۹۷۷ لیکن اس کا اصل مقصد زہریلے انداز میں مجھے ڈسنا ہے ۔ اس صورت میں جبکہ اس کا موضوع انتخابات ہیں یہ بھی دیکھئے کہ

(ا) اگر تمام نہیں تو بیشتر دستاویزات ، خواہ سچی ہیں یا جعلی ۳۴۲ ضمیموں کی صورت میں مارچ کے انتخابات سے تعلق رکھتی ہیں اور آغاز لاڑکانہ پلان کے تحت کیا گیا ہے جو لندن پلان کے الٹ تازی اختراع ہے ۔

(ب) اس بنا پر ہمایوں خان جو الیکشن کمیشن میں افسر بکار خاص ہیں کو اس انکوائری کمیٹی کے چار ارکان میں شامل کیا گیا ۔ اس کمیٹی کے چیئرمین کے نام کو حذف کیا گیا ہے ۔ دراصل یہ تین افراد پر مشتمل کمیٹی تھی کیونکہ خود قرطاس ابیض کے بیان کے مطابق اس کے چوتھے رکن مسٹر عبدالعزیز خان سیکریٹری پولیس فاؤنڈیشن زیادہ عرصے تک اس کمیٹی کے ساتھ عملی صورت میں شامل نہیں رہے"۔

(ج) چونکہ قرطاس ابیض کا موضوع انتخابات ہیں اس لئے الیکشن کمیشن کے لئے یہ ضروری تھا کہ واضح اور بر تر صورت میں اس انکوائری میں شریک کیا جاتا ۔

(د) قرطاس ابیض کا باب دوئم الیکشن کمیشن کے چارٹر اور آئینی فرائض و امور اور چیف

الیکشن کمشنر کی ذمے داریوں کا احاطہ کرتا ہے ۔

(ر) الیکشن کمیشن کے سیکرٹری مسٹر اے ۔ زیڈ فاروقی کے بیانات بھی متعدد مقامات پر ملتے ہیں ۔ حُسن اتفاق سے مسٹر اے زیڈ فاروقی مسٹر این اے فاروقی کے خالہ زاد ہیں جن کی بیوی مسعود محمود کی بیوی کی بہن ہے ۔ یہ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسٹر مسعود محمود میرے خلاف مقدمہ قتل میں بنیادی وعدہ معاف گواہ کی حیثیت رکھتے ہیں میری اطلاعات کے مطابق این اے فاروقی نے مارشل لا حکام اور مسعود محمود کے درمیان اس کے وعدہ معاف گواہ بننے سے پہلے درمیانی آدمی کا کردار انجام دیا یہ تعلقات بہت زیادہ گہرے ہیں ۔

(س) پریس کو دئے گئے بیانات میرے نام لکھے گئے خطوط ، میرے وزراء اور افسروں کے ساتھ ملاقاتوں الیکشن کمیشن کو خصوصی اختیارات دیئے جانے کے فیصلے ، مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات کے بعد شکایتیں درخواستیں جو الیکشن کمیشن نے فائل کیں الیکٹرول رول کو لامحدود کرنے کے بارے میں واقعات کا بیان سیکرٹری آف الیکشن کمیشن کے ساتھ بات چیت کا الزام وہ حوالے ہیں جو براہ راست چیف الیکشن کمشنر سے تعلق رکھتے ہیں جو قرطاس ابیض میں پھیلے ہوئے ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ ابیض کا اختتام الیکشن کمشنر کے الفاظ سے ہی ہوتا ہے ۔

تاہم یہ خاصی حیران کن حقیق ہے کہ مسٹر سجاد احمد جان کے اپنے مشاہدات یا بیانات جو اس انکوائری کمیٹی یا کسی بھی دوسری ایجنسی کے سامنے ، جو اس قرطاس ابیض کو تیار کر رہی تھی براہ راست نہیں اس دستاویز میں غائب ہیں اہم نوعیت کے وہ بیانات جو مسٹر سجاد احمد جان سے منسوب کئے گئے ہیں وہ مسٹر اے زیڈ فاروقی کے منہ سے نکلتے ہیں جو الیکشن کمیشن کے سیکرٹری ہیں مسٹر اے زیڈ بیگ ایک احمدی لاہوری ہونے کے ناطے سے میری اور میری حکومت کی اس وقت سے مخالفت کر رہے ہیں جب پاکستان کی قومی اسمبلی نے ستمبر ۱۹۷۴ میں احمدیوں کے بارے میں اپنا فیصلہ دیا تھا ۔

(۲)

جھوٹ کا طومار

قرطاس ابیض کے مرتبین واضح طور پر کسی دوسرے محرک کے زیر اثر نظر آتے ہیں جو کہ انتخابات میں دھاندلی کے الزام کے علاوہ ہے ،اس کا ثبوت مندرجہ ذیل امور سے ملتا ہے ۔

(ا) قرطاس ابیض میں میرے سینیئر وکیل صفائی اور سابق اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار کے انتخابات میں دھاندلی کے الزام پر ایک پورا اور جداگانہ باب موجود ہے ۔ یہ نواں باب ہے جس کا عنوان ہے "یحییٰ بختیار کا کیس" جو صفحہ ۳۴۱ سے شروع اور ۳۸۱ پر ختم ہوتا ہے ۔ وزراء کی ایک بڑی فوج ، جو وفاقی اور صوبائی وزراء پر مشتمل ہے ، قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے تمام ارکان اور سینٹ ، جو لگ بھگ ایک ہزار افراد بنتے ہیں ، ان سب کو چھوڑ کر ، صرف اس ایک فرد کے لئے خصوصی طور پر چالیس صفحات پر مشتمل ایک باب وقف کیا گیا ہے جو سپریم کورٹ میں میرے مقدمے میں میرا پرنسپل ڈیفینس کونسل ہے ۔ اگر یہ واقعات کے لمبے بازو کا پھیلاؤ نہیں ہے تو پھر یہ پھیلاؤ کیا ہے؟

(ب) اس دستاویز میں بڑی غیر شائستگی سے کردار کشی کی کوششیں کی گئی ہیں ، جن کا معمولی سا تعلق بھی انتخابات اور ان میں ہونیوالی دھاندلیوں سے نہیں ہے ۔ یہ عناصر دانستہ اس دستاویز میں شامل کئے گئے ہیں ۔ اور یہ اس غیر متنازعہ اور عالمی سطح پر شہرت یافتہ میرے خلاف نفرت و عناد کی مہم کا حصہ ہیں ۔ اس کی ایک مثال صفحات ۷۹ اور ۸۰ پر ملتی ہے جس میں میرے مشیروں میں سے ایک مشیر کے بیٹے کی تقرری کا ذکر کیا گیا ہے ۔ اس تقرری کا کوئی بھی تعلق انتخابات سے نہیں ہے ۔

(ج) قرطاس ابیض کے صفحہ ۲۵ پر مرقوم ہے ۔ "ایک ریکارڈ کی ہوئی ٹی وی تقریر میں اس نے اللہ کی قسم کھا کر بھی یہ کہا کہ اس کا انتخابات کی بے قاعدگیوں میں کوئی ہاتھ نہیں ۔ حالانکہ اس کے نتیجے میں چار ماہ تک قومی سطح پر احتجاج کیا گیا ۔ خاصی انسانی جانوں اور املاک کا نقصان ہوا اور مارشل لا نافذ کیا گیا ۔ دھاندلیوں کے لئے تیار کردہ ماسٹر بلیو

پرنٹ کا اوریجنل مسودہ دریافت کیا گیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس نے خدا کی جھوٹی قسم کھائی ۔ خدا کے نام کے تقدس کو سیاست کی پالیسی پر قربان کر دیا ۔

میں اب بھی اپنے بیان پر قائم ہوں ۔ میں نے انتخابات میں دھاندلی نہیں کروائی ۔ میں ان افراد کا ذمہ دار نہیں ہوں جنہوں نے اپنی انفرادی حیثیت میں انتخابات میں بد عنوانیاں کیں ۔ الیکشن کمیشن ، الیکشن ٹربیونلز اور انتخابات کے قوانین جن میں عدالت ہائے عالیہ کے دائرہ اختیار میں شامل رٹ درخواستیں شامل ہیں ۔ ایسے تمام مقدمات میں اس کا جواب تلافی اور انصاف فراہم کرتی ہیں ۔ یہ پوزیشن پاکستان میں طے شدہ ہے اور برصغیر اور دوسرے تمام ممالک جہاں جمہوری انتخابات کرائے جاتے ہیں وہاں یہی عمل رائج ہے ۔ میں نے تو الیکشن کمیشن کو غیر معمولی اختیارات دیئے تاکہ وہ افراد کو ڈس کوالیفائی کر سکیں ۔ میں نے قانون میں شق رکھوائی کہ الیکشن پٹیشن کو چھ ماہ کے اندر اندر لازمی طور پر نمٹا دیا جائے ۔

قرطاس ابیض کے صفحہ نمبر ۲۵۹ پر یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ جملہ شکایات کی تعداد ۵۷ تھی ۔ یہ اچھی طرح جانتے ہوئے کہ شکست خوردہ امیدوار ایسے کھلے مواقع جیسے سرسری ڈس کوالیفکیشن سے کتنا غیر ضروری فائدہ اٹھاتے ہیں اس سے قطع نظر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کی یہ شکایت یا درخواست جائز تھی ۔ ان میں بیشتر درخواستوں کو کوئی بھی مجاز ٹربیونل مسترد کر دیتا ۔

کچھ عرصے کے بعد میں نے یہ خصوصی اختیارات اس لئے واپس لے لئے کہ بے معنی مبالغہ آمیز اور فرضی شکائتیں درج کرائی جا رہی تھیں ۔ الیکشن کمیشن کو جو اختیارات دئے گئے تھے انہیں ہائی کورٹ میں اس بنا پر چیلنج کر دیا گیا کہ یہ اختیارات آئینی شقوں کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے ۔ جن میں یہ کہا گیا ہے کہ کسی بھی انتخابات کا سوال ایک ایسے ٹربیونل کے سامنے ہی الیکشن پٹیشن سے اٹھایا جا سکتا ہے جو آئین کے تحت قائم کیا گیا ہو ۔ اس کے علاوہ چیف الیکشن کمشنر نے ایک شکایت تو پی این اے کے امیدواروں کے خلاف پی پی پی کے امیدواروں نے پیش کی تھی ، قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس سے بھی اہم نکتہ یہ ہے کہ پی این اے اس فیاضانہ دعوت کے باوجود مذاکرات پر باہمی تبادلے کے لئے تیار نہ تھی ۔

مزید برآں الیکشن کمیشن کو دیئے جانے والے خصوصی اختیارات کو واپس لینے کی ایک اضافی وجہ یہ بھی تھی کہ انتخابات کے بعد ان اختیارات سے شاکی افراد نے عدالت ہائے عالیہ میں رٹ پٹیشن دائر کر دی تھیں ۔ جن میں ان غیر معمولی سماعت کے اختیارات کو چیلنج کیا گیا تھا ۔

اس صورتِ حال کی وضاحت وفاقی وزیر قانون ایس ایم مسعود نے قومی اسمبلی میں کی تھی ۔ الیکشن کمیشن کو جو اختیارات دئے گئے تھے ان کی واپسی کا ذکر کرتے ہوئے دوسری چیزوں کے علاوہ وفاقی وزیر قانون نے کہا تھا:

"سر ، جیسے کہ آپ جانتے ہیں یہ ایک یک طرفہ پروسیجر تھا جو کہ چیف الیکشن کمشنر یا الیشکن ٹریبونل کے سامنے ہو رہا تھا ۔ اس میں دوسرے فریق کو نمائندگی نہیں مل رہی تھی ۔ حتٰی کہ ریٹرنڈ امیدوار کو بھی یہ موقع فراہم نہیں کیا گیا تاکہ وہ اپنا نقطۂ نظر اپنے کیس میں پیش کرسے اور اس قابل ہو سکے کہ جو بے قاعدگیاں ہوئی ہیں وہ اس نے نہیں کی تھیں ۔
(قرطاسِ ابیض صفحہ ۴۰۱)

قرطاسِ ابیض کے صفحہ ۲۵ پر میری تقریر کا حوالہ اور تبصرہ تین وجوہات کی بنا پر دیا گیا ہے :

(ا) جنرل ضیاالحق نے آج تک عوام سے جتنے وعدے کئے وہ ایک ایک کر کے سب توڑ دیئے حالانکہ یہ وعدے اس نے قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کر کے کئے تھے ۔ اس کے دوران عوام میں جو شدید ردعمل پیدا ہوا اسے کم کرنے اور دبانے کے لئے میرا حوالہ دیا گیا ۔

(ب) لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے جواب میں کہ میں "ایک برائے نام مسلمان ہوں" میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اگرچہ میں نے پاکستان کے عوام کے ساتھ آج تک جو وعدہ کیا ہے اس کی وعدہ خلافی نہیں کی لیکن چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر نے جو تقریر ۲۹ جون ۱۹۷۸ء کو کی ، اس کے بعد یہ بالکل فراموش کر دیا کہ اس نے بھی کوئی وعدہ کیا تھا ۔

(ج) قرطاسِ ابیض میں میرے خلاف کئی بے بنیاد بہتان الیکشن کمیشن کے احمدی سیکرٹری مسٹر اے ۔ زیڈ ۔ فاروقی نے لگائے ہیں ۔ تاکہ پڑھنے والوں کے ذہنوں میں میرے خلاف تعصب اور عناد پیدا کیا جائے ۔ اس سلسلے میں ایک پُر فریب بہتان کی مثال قرطاسِ ابیض کے صفحہ ۱۵۰ پر دیکھی جا سکتی ہے ۔ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس زمانے کے چیف الیکشن کمشنر نے اسے میرے ساتھ ہونے والی ٹیلی فون پر بات چیت سے آگاہ کیا ۔ جس میں میں نے الیکشن کمیشن کی تشہیری مہم کے محرکات و اسباب پر اپنے غصے اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا ۔ یہ پیراگراف یوں ہے:

"ایک اور واقعہ جو مجھے یاد آ رہا ہے وہ الیشکن کمیشن کی پبلسٹی سے تعلق رکھتا ہے جو الیشکن کمیشن آزادانہ کر رہا تھا اور عوام کو تحریک دے رہا تھا کہ وہ اپنے ووٹ صحیح طریقے سے کاسٹ کریں ۔ لگ بھگ فروری کے وسط میں مسٹر سجاد احمد جان نے مجھے مطلع کیا

کہ وزیر اعظم کو ہماری یہ آزادانہ تشہیری مہم ناپسند ہے ۔ مسٹر جان نے کہا کہ وہ اپنے تشہیری پروگرام کو معطل کرنے کے لئے تیار نہیں لیکن اس کا لہجہ نرم کر دیا جائے ۔ اس سلسلے میں جو کارروائی کی گئی اسکا ملاحظہ کمیشن کی نوٹنگ (ضمیمہ ۲۳۴) سے کیا جا سکتا ہے ۔

بہرحال ، اس نرم مزاج کی پبلسٹی سے بھی مسٹر بھٹو خفا ہوئے ۔ ۲۶ فروری ۱۹۷۷ء کو مسٹر سجاد احمد جان نے مجھے لاہور سے فون کیا کہ تمام پبلیسٹی روک دی جائے ۔ اسی روز ۲۶ فروری کو مجھے میرے پبلک ریلیشنز افسر نے بھی مطلع کیا کہ اسے مسٹر سجاد احمد جان نے لاہور سے ٹیلی فون پر بھی ہدایات صادر کی ہیں ۔ ٹیلی فون پر اپنی گفتگو میں مسٹر جان نے مجھے بتایا کہ وزیر اعظم متعدد بار ٹیلی فون پر ہماری پبلسٹی کے بارے میں شکایت کر چکے ہیں ۔ ہر لمحے وہ ان سے خفگی اور ناراضگی سے بات کرتے اور کہتے ہیں "کیا آپ اپنی پبلسٹی سے ہمیں تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں ۔ تم مسلسل قائد اعظم اور علامہ اقبال کے حوالے دے رہے ہو"۔

یہ ایک سفید بے بنیاد اور انتہائی گھٹیا خود تراشیدہ جھوٹ ہے ۔ دراصل یہ ایک سازش ہے جس کے تحت پاکستانی عوام کے ذہنوں میں میرے لئے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔ ذرا اندازہ کیجئے میں نے ایسے ریمارک چیف الیکشن کمشنر کو کہے اور عام ٹیلی فون پر ایسے وقت میں دئیے تھے جب انتخابات کی مہم اپنے عروج پر تھی ۔ اور اس کے رد عمل میں وہ بھی یہ گفتگو کھلے اور عام ٹیلی فون پر اپنے سیکرٹری کو بتا رہے ہیں ۔ مسٹر سجاد احمد جان زندہ ہیں اور پاکستان میں دستیاب ہیں ۔ اگر میں نے ایسے ہی گھناؤنے سیاسی ریمارکس کھلے ٹیلی فون پر دئے تھے تو حکومت نے اسے کیوں طلب نہ کیا ۔

اور پھر سیاسیات کے کس اصول کے تحت قائد اعظم اور علامہ اقبال کے حوالے پر مشتمل پبلسٹی ہمیں تباہ و برباد کر سکتی تھی؟ قیاس کو جتنا مرضی پھیلا کر دیکھیں ہمیں اس سے کیا نقصان پہنچ سکتا تھا؟ مبالغہ آرائی اور جھوٹ کی انتہا کر دی گئی ہے ۔ یہ کسی قسم کے گھٹیا بہتان کی آخری اور انتہائی مثال ہے ۔ میری حکومت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے پورے وقار اور شایان شان انداز سے قائد اعظم اور علامہ اقبال کے صد سالہ یوم پیدائش کا اہتمام کیا ۔ پاکستان کا ایک منتخب اور عوام میں مقبول رہنما ہمیشہ اپنے ملک کے بانیوں اور زعماء کا بھرپور احترام کرے گا ۔ صرف حکومت کا تختہ الٹنے والے غاصب اور غیر ملکوں کے ایجنٹ ہی ان عظیم سیاسی رہنماؤں کی مقبولیت سے حسد کر سکتے ہیں ۔

مزید برآں قرطاس ابیض کے صفحہ ۲۲۳ پر یہ بات درج ہے کہ میرے جیسے تجربے والا شخص ایسی غیر ذمے داری سے ٹیلی فون پر گفتگو نہیں کر سکتا ۔ یوں لکھا گیا ہے۔۔۔

''مسٹر بھٹو نے تمام قانونی / غیر قانونی سفارشات ، جو اس نوٹ میں پیش کی گئی تھیں ، رضامندی کا اظہار کر کے مسٹر رفیع رضا کو ان ریمارکس کے ساتھ بھجوا دیں ۔

''یہ بہت ضروری اور اہم ہیں ۔ آپ تمام متعلقہ افراد سے رابطہ قائم کریں اور ایک واضح ہدایات خفیہ ٹیلی فونوں پر دیں''۔

یہ حوالہ واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ اگر میں اپنے وزراء کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ وہ ٹیلی فون کے بارے میں محتاط رہیں خود اس کے برعکس خود عمل نہیں کر سکتا ۔ میں نے اس دنیا میں سب کچھ دیکھا ہے کہ عام ٹیلی فون پر خود کشی کرنے والے الفاظ کہے جاتے ہیں ۔

مجھے یہ بتانے اور یاد دلانے کی قطعی ضرورت نہیں کہ عام کھلے ٹیلی فون پر بات کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی عوامی جلسے سے خطاب کر رہا ہو ۔

لاہور میں مقدمہ قتل ہو یا یہ قرطاس ابیض ، ٹیلی فون نے میرے لئے موت کے فرشتے کا کردار انجام دیا ہے ۔ استغاثہ نے میرے خلاف جو بنیادی اور قابل اعتماد گواہ پیش کیا ہے وہ یہی ٹیلی فون ہے ۔ اگر کوئی جعلی دستاویز پیش نہیں کی جا سکی اگر کوئی اپنے مطلب کا گواہ نہیں مل سکا کہ جو سراسر جھوٹ بول سکے تو پھر یہ ترکیب اختیار کر لی گئی''۔ اسی نے مجھے ٹیلی فون پر بتایا تھا کہ میں ایٹم بم گرادوں گا''۔

میں نے جو ریمارک مسٹر رفیع رضا کو خوش مزاجی سے ''مولوی'' پر دیا تھا ، اس سے کوئی ملّاہی شخصی طور پر مشتعل ہو سکتا ہے ۔ قرطاس ابیض کے صفحہ ۱۱۴ پر یوں بیان کیا گیا ہے:

''مسٹر رفیع نے اسے ان ریمارکس کے ساتھ مسٹر رفیع رضا کو بھجوا دیا ''یہ ہمارے ایک بھلائی چاہنے والے کی کوشش ہے ۔ ہم اس پر کسی دوسرے مسئلے کا کہاں تک انحصار کر سکتے ہیں'' ۔

لیکن اسے پڑھنے کے بعد انہوں نے اپنی اس رائے پر فوری نظر ثانی کرتے ہوئے مسٹر رفیع رضا کے نام نوٹ میں ترمیم کر کے یوں اضافہ کیا: ''میں نے متن پڑھا ہے ، یہ کسی ملّا کا لکھا ہوا ہے ۔ اس سے زیادہ میں کچھ کہنا نہیں چاہتا'' ۔ انہوں نے لفظ ملّا کے نیچے دوبار لکیریں کھینچیں ۔ جیسے کہ ضمیمہ ۱۱۷ میں ہے ، یہ شاید مسٹر اکرام اعظم کی ان کوششوں کا خاتمہ تھا جو حکمران جماعت کو راہِ راست پر لانا چاہتی تھیں''۔

جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں قرطاس ابیض ۳۴۲ ایسی دستاویزات پر مشتمل ہے جو

حکومت کے ریکارڈ اور فائلوں سے یکطرفہ تصویر کو پیش کرنے کے لئے چنی گئی ہیں ۔ صریحاً یہ اس ارادے کے ساتھ پیش کی گئی ہیں کہ یہ دستاویزات میرے خلاف جھوٹے الزامات ثابت کریں اور ان کو غلط اور باطل انداز میں پیش کیا گیا ہے ۔ مجھے مطعون کرنے کے لئے ان خصوصی دستاویزات کا انتخاب کیا گیا لیکن یہ انتہائی غیر اخلاقی کوشش بھی بے کار گئی کیونکہ یہ دستاویزات ایک دوسرے کے تضادات کو پیش کرتی ہیں ۔

یہ دستاویزات تقاضا کرتی ہیں کہ انہیں دوسری دستاویزات کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے ۔ اس کے باوجود یہ دستاویزات عیاں کرتی ہیں کہ لہجے کو دبایا کچلا اور تباہ کیا گیا ہے ۔ اس کی ایک مثال یوں ہے کہ میں نے تمام متعلقہ محکموں کو ایسے ڈائریکٹو جاری کئے جن میں ہدایت دی گئی تھی کہ انتخابات میں مکمل غیر جانبداری کو ملحوظ رکھا جائے ۔ میں نے یہ انتباہ بھی کیا تھا کہ بدعنوانی کو کسی طرح برداشت نہیں کیا جائے گا ۔ لیکن ان دستاویزات میں سے ایک دستاویز بھی یہاں پیش نہیں کی گئی ۔ وہ تمام دستاویزات جو میری حکومت کے حق میں جاتی ہیں انہیں جلادیا گیا ۔

ان ضمیموں کے ذریعے جو گمراہ کن تشریح پیش کی گئے ہے ۔ اسے آسانی سے سمجھنا کسی بھی قاری کے بس میں نہیں ۔ قرطاس ابیض کے مصنفین نے اپنی من مانی تشریح و تعبیر کی ہے ۔ جو ان دستاویزات سے مطابقت نہیں رکھتی ۔ جو خلاصہ بنتا ہے اس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ پڑھنے والوں کے دلوں میں میرے لئے عناد پیدا کیا جائے ۔ جیسا کہ قرطاس ابیض میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ دستاویزات خود بولتی ہیں تو اگر ایسا ہوتا تو پھر ان منتخب دستاویزات کی گمراہ کن جھوٹی اور بے بنیاد تشریح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی ۔ اور نہ ہی مسخ شدہ خلاصے پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ۔ اگر کوئی ضرورت پڑتی تو صرف اتنی کہ ان دستاویزات کو ہی پورے طور پر پڑھ لیا جاتا ۔ لیکن ایسا دانستہ نہیں کیا گیا ۔ یہ دہری مشقت اس لئے کی گئی کہ ان معذور اور نامکمل ضمیموں پر نقاب ڈالا جاسکے ۔ قانون کی زبان میں اسے یوں کہا جائے گا کہ نیلی پنسل کا استعمال کیا گیا ۔ اور انصاف کی زبان میں یوں کہا جائے گا کہ غیر قانونی مشکوک حرکت کی گئی ۔

خانہ جنگی کا سایہ

قرطاسِ ابیض کا آغاز ہی سفید جھوٹ سے ہوتا ہے ۔ پہلے ہی پیراگراف میں کہا گیا ہے:
"مسٹر زیڈ اے بھٹو کو صدر پاکستان اور پہلے سویلین چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کے عہدے پر ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو فائز کیا گیا ۔ اور ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو وزیر اعظم کے عہدے سے ہٹا دیا گیا ۔ دونوں وقوع نصف شب کے وقت ہوئے ۔ ایک جنگ کے نتیجے میں اور دوسرا خانہ جنگی کے سائے میں ۔ ان دونوں کے درمیان انہوں نے ملک کو جو "مضبوط" حکومت دی اس سے ان کے انتہائی مداح اور ہمدرد بھی اتفاق نہیں کر سکے"۔

فوج نے شاید حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے اپنا فائر ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کی نصف شب کیا ہو جو ٹامی گن کوپ دتیاں کی سازشی فطرت کے تحت تھا لیکن میں نے منتخب سویلین صدر پاکستان کی حیثیت سے حلف ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ کو لگ بھگ ساڑھے گیارہ بجے دن کی روشنی میں ایوانِ صدر راولپنڈی میں اٹھایا تھا ۔ اس حکومت کے ڈی فیکٹو وزیر اعظم غلام اسحاق نے اس تقریب میں کیبنٹ سیکرٹری کی حیثیت سے شرکت کی تھی ۔ اس شام میں نے صدر پاکستان کی حیثیت سے قوم سے خطاب کیا تھا ۔

مارچ ۱۹۶۹ء کے مارشل لاء کی وجہ سے ملک اب بھی مارشل لاء کے تحت تھا ۔ اسی لئے میرے لئے یہ مجبوری بن گئی کہ میں چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کے اضافی چارج کو بھی سنبھالوں ۔ میں اس خلاء میں جو یحییٰ خان کے کوپ دی دیتاں میں قدم نہیں رکھا تھا بلکہ اس وقت موجود اور رائج قانون کے تحت قدم اٹھایا تھا ۔ اس رُول کے تحت جو سپریم کورٹ نے دو سو کیس میں دیا تھا ۔ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر ہی اس وقت واحد قانون کا محافظ تھا ۔

چونکہ میں خود مارشل لاء کا مخالف تھا اس لئے بطور صدر پاکستان اپنا عہدہ سنبھالنے کے چار ماہ کے اندر اندر عبوری آئین نافذ کیا اور ملک سے مارشل لاء اٹھا لیا ۔ اس کی مستند وجہ یہ تھی کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ مارشل لاء کوئی لا نہیں ہوتا ۔ اور آئین کو فی الفور بحال کیا جائے ۔ ہمارا ملک کیا آج خانہ جنگی کے قریب ہے یا اس وقت ۵ جولائی ۱۹۷۷ء خانہ جنگی کے سائے میں تھا اس کا فیصلہ تاریخ کرے گی ۔

اپنی عوام دشمنی اور اس کے اثرات کے نتیجے میں موجودہ حکومت نے طبقاتی کشمکش کو ایسے مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ واپسی ممکن نہیں ۔ اگر قرطاسِ ابیض کو معلوم نہیں کہ کس طرح بسم اللہ کیا

جاتا ہے اور ایک کافرانہ نوٹ سے شروع ہوتا ہے تو پھر یہ بت پرستی میں منتقلی میں ناکام ہے ۔ اسی کا آغاز ہی جھوٹ سے ہوا ہے اور یہ جھوٹ ساری دستاویز میں کارفرما ہے ۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ مذموم جھوٹ سے آغاز کریں اور اسے تابناک صداقت پر ختم کر سکیں ۔

ایک اور جھوٹی ، غیر ایماندارانہ اور گمراہ کن چال یہ چلی گئی ہے کہ تمام اطراف سے جمع کئے جانے والی جھوٹی باتوں کو اپنے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا یہ یقین کر سکے کہ یہ سب نظریات اور آرا میری ہیں ۔ خوش قسمتی سے ایسے کافی اور مناسب تضادات اس غیر اخلاقی طرز عمل کو نمایاں کرنے کے لئے ہر سطح پر آ گئے ہیں ۔ جن سے یہ تاثر زائل ہو جاتا ہے ۔ حتیٰ کہ وہ آراء و نظریات جنہیں میں نے یکسر رد کر دیا تھا اس میں تبدیلی کر کے میرے کھاتے ڈال دیا گیا ہے ۔ ہماری زرخیز وادی سندھ کے سرکاری اور غیر سرکاری افراد کے ذہنوں میں جو بھی خیال پیدا ہوتا ہے میں نہ اس کا خالق ہوں اور نہ ہی اس کا ذمے دار ہوں ۔ خود قرطاس ابیض یہ ثبوت پیش کرتا ہے کہ میں نے اپنے ہی سرکاری افسروں کی سفارشات کو یکسر رد کر دیا اور ان سے اتفاق نہیں کیا اور سیاسی تجاوز اور سفارشات کو ناپسند کیا ۔

چونکہ اس ضخیم جلد کو جھوٹ اور مسخ شدہ حقائق سے مزید ضخیم اور فربہ کیا گیا ہے ۔ اس لئے اس کی غلط نمائندگی اور ترجمانی کے جواب میں کچھ مثالیں پیش کرنے کی ضرورت ہے ۔

صفحہ ١٦ پر شق (M) میں بیان کیا گیا ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد انتخابات کے انعقاد کا اعلان ایسے وقت میں کیا جائے جبکہ اعلان اور انتخابات کے انعقاد کے مابین ممکن حد تک کم سے کم وقفہ ہو ۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ ہماری جمہوریت ابھی طفولیت کے عالم میں ہے ۔ اور کوئی بھی نہیں چاہے گا کہ درمیانی وقفہ دے کر ملک میں آگ لگا دی جائے“ ۔

میں نے اس تجویز کے ساتھ اتفاق نہیں کیا تھا ۔ حالانکہ حکمران جماعت اسے قبول کر کے سب کچھ حاصل کر سکتی تھی ۔ اس کے برعکس میں نے وزارت خارجہ کو ہدایت دی کہ مجھے اطلاع دی جائے کہ بھارت میں انتخابات کے لئے کتنا وقت دیا گیا ہے ۔ ضمیمہ ١٠ ۔ ٢٠ A جو قرطاس ابیض میں دیا گیا ہے اس میں وزارتِ خارجہ کا جواب شامل ہے ۔ اس ضمیمے میں جو عملی حصہ ہے اس کا متن درج ہے: ”انتخابات کے اعلان اور ان کے انعقاد کے مابین اوسط وقفہ تخمیناً چار سے بارہ ہفتوں کا ہے“ ۔

اگر بھارت جیسا بڑا ملک اپنے عام انتخابات چار سے بارہ ہفتوں کے اندر مکمل کر سکتا ہے تو میری حکومت نے مارچ ١٩٧٧ء کے انتخابات کے لئے آٹھ ہفتوں کا جو وقفہ دیا اس پر اعتراض ،

نہیں کیا جا سکتا۔ حجم اور آبادی کے اعتبار سے ہمارا ملک بھارت کے صوبہ اتر پردیش کے برابر ہے ۔ اگر چار ہفتوں کے اندر اندر بھارت جیسے طویل و عریض ملک میں منصفانہ انتخابات کے لئے وقفہ دیا جا سکتا ہے تو پاکستان میں انتخابات کے لئے آٹھ ہفتوں کے وقت پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا ۔ آٹھ ہفتوں کی یہ انتخابی مہم اتنی آزادانہ منصفانہ تھی کہ جیسے جہنم کے سب دروازے کھل گئے ہیں ۔

"جب مجھے یہ مشورہ دیا گیا کہ میں ٹیکس نادہندگان اور زرعی اصلاحات کے نفاذ میں نرمی برتوں تو میں نے ریکارڈ میں یہ کہا تھا ۔ "وزیر خزانہ سے زبانی بات کریں لیکن نادہندگان کو بچ نکلنے کی اجازت نہ دی جائے" ۔ قرطاس ابیض کے صفحہ ۱۸ پر یہ حوالہ ظاہر کرتا ہے کہ میں نے نرمی سے اس تجویز کو رد کر دیا تھا ۔

اور پھر صفحہ ۲۰ پر دیکھیں جہاں بتایا گیا ہے کہ جب میرے سپیشل سیکرٹری نے اطلاعات کے مشیر کے ساتھ اس نکتے پر اتفاق کیا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے حزب اختلاف کے رہنماؤں کو ریڈیو اور ٹی وی پر آنے کا موقع نہ دیا جائے" ۔ تو خود قرطاس ابیض تسلیم کرتا ہے کہ: "بہر حال مسٹر بھٹو نے فیاضی کا ثبوت دیتے ہوئے اس سے اختلاف کیا اور کہا "ہمیں ان رہنماؤں کو کچھ وقت ضرور دینا چاہئے ۔ معقول حد تک وقت" ۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ میرے سپیشل سیکرٹری کو یہ تجویز مسلم لیگ کے امیدواروں نے پیش کی تھی ۔ وہی مسلم لیگ جو اب اس فوجی ٹولے کی حلیف بن گئی ہے ۔ وہ کافی عرصے تک یہ ترغیب اس وقت تک دیتے رہے جب تک میں نے اسے مسترد نہیں کر دیا ۔ میری جماعت باغ سے سات نشستوں سے زیادہ سیٹیں دینے کے لئے آمادہ نہ تھی ۔ جبکہ یہ تیس نشستیں مانگتے تھے ۔ اور بعد میں ۱۵ نشستوں پر آ گئے ۔ ۱۹۵۴ء میں جب دستور ساز اسمبلی کو توڑا گیا تھا اس دن سے اس خود غرض جماعت نے آج تک ہر اصول کو دو ٹکڑوں میں پھاڑ دیا ہے ۔

فوج میں ایک میجر جنرل کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے ہوئے جہاں تک اس کا تعلق ہے میں اس سے متعلق مختلف حوالوں کے بارے میں کوئی تفصیلی رائے نہیں دوں گا کہ اس نے انتخابات میں کیا کردار ادا کیا ۔ وہ ایک قابل افسر اور ایک بہادر سپاہی ہیں ۔ چونکہ ہر شخص کو ایک دن خدا کے سامنے جواب دہ ہونا ہے اس لئے یہ میرا اخلاقی فرض ہے کہ میں اس کے ایسے تمام امور سے علیحدہ رہوں جو انتخابی مہم میں اس کی وابستگی کے بارے میں سوال پیدا کرتے ہیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ میں قرطاس ابیض کی نشاندہی کروں گا جہاں ایسے حوالے ملتے ہیں جن سے میں اخلاقی طور پر تمام ٹھوس اعتراضات کو قبول کرتا تھا ۔

قرطاسِ ابیض صفحہ ۲۲۲ پر بیان کرتا ہے "سابق وزیر اعظم کے سیکرٹری میجر جنرل محمد امتیاز علی ان نکات کی تلاش میں تھے ۔ اس سے ملحقہ حصہ صفحہ ۲۲۳ پر یوں بیان کرتا ہے ۔

"ایک بار مسٹر رفیع رضا نے اچھی نیت سے اس تجویز کو رد کر دیا۔ وزیر اعظم سے گفتگو کر کے انہوں نے ایسا کیا ۔ یعنی خود نا قابل قبول سمجھ کر نہیں"۔

یہ بات قطعی واضح ہے کہ رفیع رضا نے اس تجویز کو ناقابل قبول قرار دیا تھا ۔ اور میں نے اس سے اتفاق کیا تھا ۔ اس سے ثابت ہوا کہ کیا میں ایک وحشی ڈکٹیٹر تھا یا ایک جمہوری ٹیم کا رہنما تھا ۔

مزید بر آں اس تجویز میں جو سوال اٹھتا ہے اس کا خالق میجر جنرل امتیاز علی نہیں تھا ۔ سیالکوٹ سے تعلق رکھنے والے ایک ایم این اے کے ذہن کا بچہ تھا ۔ میرے ملٹری سیکرٹری نے یہ تجیز صرف میرے سامنے پیش کی تھی ۔ جس کے نتیجے میں میں نے اسے متعلقہ وزیر کے پاس بھجوا دیا ۔ میں نے اسے ناقابل قبول قرار دیا ۔ اب چائے کی پیالی کے طوفان کی طرح اس بات سے طوفان اٹھانے کی کوشش کی گئی ۔ یہ تھا اس حکومت کا طرز عمل ۔ کہ پاکستان کے اردگرد جو طوفان جمع ہو رہا ہے اس سے آنکھیں بند کر کے یہ حکومت اپنی تمام توجہ تتلیوں کے گننے پر مرکوز کئے ہوئے ہے ۔

قرطاسِ ابیض کے صفحہ ۱۷ پر بیان کیا گیا ہے کہ میرے سپیشل سیکرٹری راؤ عبدالرشید نے مجھے بتایا کہ گورنر بلوچستان ، خان آف قلات پر انتخابات کے انعقاد کے سلسلے میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا" ۔ خاص طور پر ایسے حالات میں جبکہ صوبے پر گورنر راج نافذ ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ خان آف قلات گورنر بلوچستان کی حیثیت سے ۷ جولائی ۱۹۷۷ء تک اس عہدے پر فائز رہے ۔ جس سے یہ بات ظاہر ہے کہ میں نے اس ریمارک پر قطعاً کوئی توجہ نہ دی ۔

اسی صفحے پر بتایا گیا ہے کہ میرے سپیشل سیکرٹری نے یہ تجویز پیش کی کہ ملک غوث بخش رئیسانی کو سفیر بنادوں ۔ میں نے یہ مشورہ قبول نہ کیا ۔

قرطاسِ ابیض کے چار پانچ صفحے میرے سپیشل سیکرٹری کے بارے میں وقف کئے گئے ہیں کہ وہ بلوچستان میں فوج کی موجودگی اور سول سروسز میں فوجی افسروں کی تعیناتی کے امور میں دخیل تھا ۔ راؤ عبدالرشید کے ایک جامع نوٹ مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۷۶ء جو سابقہ اور حالیہ اہم واقعات کے تجزیئے پر مشتمل تھا ، اس کے حوالے سے میں بے تکلفی سے قرطاسِ ابیض کے اس پورے متن کو درج کرنا چاہتا ہوں جو صفحات ۷۲ تا ۷۵ پر مشتمل ہے ۔

دی سول ملٹری پرابلم

راؤ عبدالرشید خان نے ۱۳ جولائی ۱۹۷۶ء کو ایک جامع نوٹ سابقہ وزیراعظم کو بھیجا جو بلوچستان میں امن و امان کے مسئلے کے حوالے سے فوج کی موجودگی کے بارے میں تھا ۔ اس کا متن ضمیمہ 69/B میں دیکھا جا سکتا ہے ۔ اس نوٹ کے مندرجات کا خلاصہ درج ذیل ہے ۔

سپیشل سیکرٹری نے رپورٹ دی کہ عام صورتِ حال ابتر ہو رہی ہے ۔ دو ماہ پیشتر اس کے اپنے بیان کے مطابق اس نے دورہ کیا تھا جبکہ قانونی سطح پر کئی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں اور امن و امان خراب ہو رہا ہے ۔ بموں کے دھماکوں میں اضافہ ہوا ہے ۔ سپیشل سیکرٹری کا بیان ہے:

"میں نے مجموعی طور پر سرکاری ملازموں میں پست ہمتی اور انتہائی عدم تحفظ کا احساس پایا ہے ۔ کیونکہ تمام سطحوں پر فوجی افسروں کی لہر آ رہی ہے ۔ جس سے مقامی افسوروں کی ترقی رک گئی ہے اور وہ اس پر ناراض اور ناخوش ہیں ۔ جس کی وجہ سے میں فوج اور سول کے نازک تعلقات کے مسئلے تک پہنچا ہوں اس لئے میں اپنے مشاہدات کو پوری دیانتداری سے پیش کرنے کے لئے معذرت خواہوں"۔

بلوچستان جیسے پسماندہ صوبے میں ، جس میں سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کا عمل کئی بار برپا کیا گیا ہے ۔ سرکاری ملازموں کی کارکردگی ، عہدے کے وقار اور ذمے داری کا معیار ، عمومی سطح پر پست ہے ۔ رشوت کی عام شکایات ہیں ۔ ترقیاتی عمل کے ساتھ غلط ہتھکنڈے اختیار کر کے اسے روک دیا گیا ہے ۔ اگر امن و امان قائم کرنے میں قانون شکنی ہوتی ہے تو قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کی کارکردگی معیاری نہیں ہے ۔ اور وہ صورتِ حال سے نمٹنے میں ناکام رہتی ہیں ۔ انتہائی "بدتر" اور "گھناؤنے" انداز میں فوج کو آخری سہارے کی صورت میں لایا گیا ہے ۔ فوجی کارروائی اور مداخلت سے یہ جواز تو بنتا ہے کہ یہ عمل فوری اور فیصلہ کن ہو ۔ لیکن اس کی موجودگی کی طوالت ، جس سے اندرونی امور سے نمٹا جا سکے ، اس کی بہرحال اپنی حدود ہیں ۔ وقت کی طوالت کے ساتھ اس کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور فوج اپنے پاؤں جمانے کی کوشش کرتی ہے ۔ بلوچستان میں بھی ایسی صورت رُونما ہو رہی ہے ۔ فوج کی صوبے میں بے جا موجودگی اور قیام مختلف شعبوں میں منفی اثرات پیدا کر چکی ہے ۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ اگر کسی شخص کا کام کوئی دوسرا شخص کرنے لگے تو وہ اپنی انگلی بھی ہلانے کی زحمت گوارا نہیں کرتا ۔ بلوچستان کی سول انتظامیہ بھی اس مرحلے تک پہنچ

چکی ہے کہ وہ اب ہر کام کے لئے فوج کی طرف دیکھتے ہیں اور حتیٰ کہ وہ فرائض جن کی تکمیل کے لئے کسی بیرونی اعانت کی ضرورت نہیں اس میں بھی ان کی طرف دیکھتے ہیں ۔ حالانکہ یہ کام خود ان کے اپنے کرنے کے ہیں ۔ ایسے حالات میں سول امور میں فوج کا دائرہ عمل بڑھتا جا رہا ہے اور اس سے سول امور اور انتظامی طریق کار کا متاثر ہونا بھی ناگزیر ہے"۔

سپیشل سیکرٹری نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ بدقسمتی سے اس ملک میں فوج کی یہ روایت رہی ہے کہ وہ سول انتظامیہ میں ملوث ہو جاتی ہے ۔ طاقت کا اپنا ہی ذائقہ ہوتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فوجی افسر بالخصوص درمیانے درجے کے عہدیدار اپنی طاقت اور اختیارات کا عملی اظہار گرفتاریوں ، تلاشیوں اور پوچھ گچھ سے کرتے ہیں ۔ جس سے انہیں اپنے اختیارات کا احساس ہوتا ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ سیاست دانوں اور سرکاری افسروں کے بارے میں ان کے ذہنوں میں اہانت آمیز خیالات جڑ پکڑنے لگتے ہیں ، اور عمومی طور پر فوجی حلقوں میں یہ تاثر پھیلنے لگتا ہے کہ سول انتظامیہ اور سیاست سے تعلق رکھنے والا ہر شخص نااہل اور بدعنوان ہے اور صرف فوج ہی اچھے کام انجام دے سکتی ہے۔ یہی وہ طرز احساس تھا جس نے پہلے مارشل لاء کو جنم دیا تھا ۔

اس کے بعد راؤ رشید نے بڑے اصرار سے یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ جمہوری سیٹ اپ میں فوج میں نہ صرف انتہائی اونچے درجے سے بلکہ نچلے درجے تک ، جبکہ سول امور ملوث ہوں ، یہ ہونا چاہیئے کہ اس پر سول حکومت کا پورا کنٹرول ہو۔ ماسوائے کہ مارشل لاء لگے ۔ جس میں فوج سول حکومت کی مدد کے لئے آتی ہے ۔ فوج کو کسی صورت بھی ایک قانون نافذ کرنے والی آزاد اور خود مختار ایجنسی کی حیثیت حاصل نہیں ہونی چاہیئے ۔ جبکہ بلوچستان میں محسوس ہوتا ہے کہ فوج آزادانہ اور خود مختارانہ سطح پر اپنی قوت اور اختیارات کا مظاہرہ کر رہی ہے ۔ چونکہ یہ پیشہ ور ہیں اس لئے عوامی یا سیاسی کسی قسم کے رد عمل کی پرواہ کئے بغیر یہ اپنے انداز میں کارروائی کرتے ہیں ۔ فوج نے جو سخت رویہ اختیار کیا ہے اس کی وجہ سے لوگوں میں فوج کی پسندیدگی کم ہو رہی ہے ۔

اسی موضوع پر مزید بحث کرتے ہوئے اور اسی حوالے سے سپیشل سیکرٹری نے اس نظریے کو یوں آگے بڑھایا:

"تمام حالات و واقعات کے مشاہدے کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فوج نے بلوچستان میں

فوقیت حاصل کر لی ہے اور ترقیاتی شعبے کو بھی زیر نگین کر لیا ہے ، اور تمام پالیسیاں فوج ہی بنا رہی ہے ۔ یہ ایک انتہا پسندانہ نقطۂ نظر ہو سکتا ہے لیکن بلوچستان میں فوج کے طویل قیام کے منفی اثرات ظاہر ہونے لگے ہیں"۔

مندرجہ بالا تجزیے پر انحصار کرتے ہوئے راؤ اے رشید خان نے متعدد سفارشات پیش کیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

(ا) سرکاری انتظامیہ کو اس کے پیروں پر کھڑا کیا جائے اور اسے اپنی اصلی سرگرمیاں بحال کرنے اور اپنا رول ادا کرنے کے لئے تیار کیا جائے۔

(ب) فوج سے گرفتاریوں ، گھریلو تلاشیوں اور شہریوں کو فوجی نگرانی میں مختصر سے وقت کے لئے بھی رکھنے کے اختیارات واپس لے لئے جائیں ۔ فوج کو صرف مستقل نوعیت کی ذمے داریوں کے لئے ہی استعمال میں لایا جائے ۔

(ج) انتظامیہ کا مرکز کور پس ہیڈ کوارٹرز سے واپس سول سیکر ٹریٹ میں منتقل کیا جائے ۔ کمشنروں اور ڈپٹی کمشنروں کے دفاتر بھی مقامی فوجی کمانڈروں کے کیمپوں سے منتقل کئے جائیں ۔ اگر رابطے اور تعاون کے لئے میٹنگوں اور مذاکرات کی ضرورت پڑے تو یہ سول دفاتر میں منعقد ہوں ۔

(د) فوج کا انخلاء ، جو بتدریج ہو ، مزید واقعات کا سبب بن سکتا ہے لیکن یہ خطرہ مول لینا چاہئے ۔

(ر) فوج کو غیر متحرک اور منجمد فرائض پر مامور کرنا ، اندرونی اور بیرونی دونوں سطحوں پر ہونا چاہئے ۔ اگر صورتِ حال مزید خراب ہو یا کوئی علاقہ ہاتھ سے نکل رہا ہو تو فوج ہمیشہ وہاں موجود ہوگی کہ سرکاری انتظامیہ کی امداد کے لئے آسکے ۔

(س) جونیئر افسروں میں یہ تاثر کہ تمام امراض کا حل فوج ہے ۔ جیسے ایک کاری ضرب مشرقی پاکستان کے المیہ میں لگی تھی ، پھر سے جڑیں پکڑ رہا ہے ۔ یہ تاثر بڑا متعدی ہے اور یہ ایک صوبے تک ہی محدود نہیں رہ سکتا ۔ اس متعدی تاثر کو پھیلنے کی اجازت نہ دی جائے ۔

مسٹر بھٹو نے سپیشل سیکرٹری کی متعدد تجاویز کو خط کشیدہ کیا ۔ لیکن ان پر اپنی کوئی خاص رائے نہیں دی ، البتہ انہوں نے ان دونوں نوٹ کو یکجا کر کے جو سپیشل سیکرٹری راؤ اے رشید نے انہیں بھجوائے تھے ، اس ہدایت کے ساتھ پیرزادہ کو بھجوا دیئے ۔ "پلیز یہ دونوں نوٹ دیکھئے ، اپنی رائے لکھئے اور جب میں آپ کی رائے دیکھ چکوں تو اس پر بات کیجئے" ۔ مسٹر

بھٹو کے دستخطوں کے ساتھ ۲۴ اگست ۱۹۷۶ء کی تاریخ ثبت ہے ۔

راؤ رشید کی مناسب تجاویز اور سفارشات کے باوجود ، جو سرکاری امور اور فوج کے کردار سے متعلق تھیں ۔ یہ معاملہ ریکارڈ میں ہے کہ مسٹر بھٹو نے فوج کی بلوچستان سے واپسی کی بتدریج پالیسی اختیار نہیں کی جبکہ دوسری طرف قومی سطح پر انتخابات کے بعد گڑبڑ ہوئی تو انہوں نے ملک کے کئی شہروں کراچی ، حیدر آباد ، لاہور پر محدود مارشل لاء نافذ کر دیا ۔ اور فوج کو ایک بار پھر باہر بلایا گیا کہ سول حکومت کی مدد کرے ۔ یہ وہ علاقے تھے جو بلوچستان کے علاوہ تھے ۔

سپیشل سیکرٹری نے سول ملٹری انتظامیہ کی پیچیدگیوں کے بارے میں اپنے نکات چیف سیکرٹری بلوچستان کے سامنے اٹھائے ۔ جنہوں نے اپنے جواب (ضمیمہ ۱۷) مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۶ء فوجی افسروں کو جو برتری حاصل ہوئی ہے وہ سول افسروں کی ناقص کارکردگی کے سبب ہے جو ترقیاتی امور میں ظاہر ہوئیں اس کے علاوہ اس ناقص کارکردگی کا ایک سبب سرکاری افسروں کی سکریننگ سے خالی ہونی والی اسامیوں کی وجہ سے بھی ہے اور ایسی سکریننگ جو بلوچستان میں یا باہر ہوئی ہے"۔ مزید بر آں انہوں نے یہ نکتہ بھی پیش کیا:

کچھ اور فوجی افسر جو کہ پول کے ارکان نہیں ہیں انہیں بھی بلوچستان کے لئے منتخب کیا گیا اور انہیں پولیس اور انتظامیہ وغیرہ کے شعبوں میں کھپایا گیا ۔ جو تربیت کے بعد بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکیں گے ۔ اگرچہ ان فوجی افسروں کی اکثریت کا تعلق بلوچستان سے ہی ہے لیکن وہ سرکاری افسر جنہیں گذشتہ برسوں میں ترقی ملی اب انہیں اپنی ترقی کی راہ میں روکاوٹ تصور کرتے ہیں ۔ تاہم ضروت اس امر کی ہے کہ انتظامیہ اور ترقیاتی شعبوں کے درمیان تعاون اور ربط مضبوط و مستحکم ہو جائے تاکہ حکومت کی پالیسیوں کو نافذ کیا جا سکے ۔ سول حکومت اپنے انتظامی اختیارات اپنی مکمل صوابدید پر تمام شعبوں پر استعمال کرتی ہے ۔ ماسوائے ان علاقوں کے جہاں فوجی آپریشنز کئے جاتے ہوں ۔ اس کے علاوہ ایک صوبائی کوآرڈینشن کمیٹی موجود ہے جو وقتاً فوقتاً انتظامی امور کے بارے میں امور طے کرنے کے لئے اپنی میٹنگ کرتی ہے یہ کمیٹی جس کی نمائندگی فوج کے کورپس کمانڈرز فوجی امور سے متعلق کرتے ہیں اور چیف سیکرٹری اور دوسرے سرکاری افسر اس میں سرکاری امور کے بارے میں نمائندگی کرتے ہیں ۔

موجودہ حکومت نے خود اپنی تباہی کے سامان کئے ہیں ۔ قرطاس ابیض میں یہ معاملہ ایک عذر لنگ کی حیثیت رکھتا ہے کہ فوجی جرنیلوں کو طاقت اور اختیارات کی ہوس نہیں اور وہ سول

امور میں مداخلت نہیں کرتے ۔ راؤ عبدالرشید کے مشاہدات ان سفارشات کے باوجود ، قرطاس ابیض یہ خود شہادت دیتا ہے کہ یہ حقیقت ریکارڈ پر موجود ہے کہ مسٹر بھٹو نے بلوچستان سے فوج کے انخلاء کی بتدریج پالیسی نہیں اپنائی یہ توز خم پر نمک چھڑکنے والی بات ہے کہ الزام بھی لگایا جائے اور اس کی تردید بھی وہیں موجود ہو ۔ ایک سے زائد بار میں نے فوجوں کی واپسی کے منصوبے پر اصرار کیا لیکن ہر بار مجھ سے یہ درخواست کی گئی کہ ابھی کچھ مہینوں کے لئے مزید التواکیا جائے ۔ یہ حقیقت ہے ۔ یہ مستند اور تاریخی ریکارڈ ہے ۔ اس جھوٹی کہانی کی تردید کرتا ہے جو اس حکومت نے گھڑی ہے ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت جبکہ اس ٹولے کو ایک برس سے زائد عرصہ ہو گیا اور انہیں پاکستان پر اقتدار اور اختیار حاصل ہے کیا بلوچستان سے فوج واپس بلالی گئی ؟ صرف میں ہی نہیں بلکہ بلوچستان کے عوام بھی اس سوال کا ایک دیانت دارانہ جواب چاہتے ہیں تاہم سول سروسز میں فوجی افسروں کی کھپت اور مداخلت اور اس کے سول سروسز اور انتظامیہ پر اثرات کا مسئلہ جداگانہ ہے یہ پالیسی فوجی حکومت نے انتظامی کارروائی کے طور پر اختیار کی ہے موجودہ صورت حال یہ غمازی کرتی ہے کہ دو برسوں میں سول سروس بطور سول سروس ختم ہو جائے گی اور یہ سکے کا دوسرا رخ بن کر رہ جائے گی ۔

مارشل لاء کی حکومتوں کی یہ سریع پالیسی ہوا کرتی ہے جس کی قیمت ملکی استحکام اور اتحاد کو ادا کرنی پڑتی ہے ۔ کسی قسم کی معاشی اجارہ داری کبھی برداشت نہیں کی جا سکتی اور سیاسی اجارہ داری تو اس سے بھی کم برداشت کی جا سکتی ہے ۔ اس لئے مکمل اجارہ داری ایک مکمل انقلاب کی طرف لے جاتی ہے مسٹر وقار احمد اسٹیبلشمنٹ کیبنٹ سیکرٹری کے بارے میں سراسر غلط بنا پر مختلف حلقوں میں یہ تصور کر لیا گیا کہ وہ میری حکومت کا سب سے طاقتور بیوروکریٹ تھا ۔ سرکاری افسروں کی سکریننگ کے بارے میں میں نے جو ایک نوٹ لکھا اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ میری حکومت میں اسٹیبلشمنٹ سیکرٹری کو کس حد تک طاقت و اختیار حاصل تھا ۔

"درخواست پر مسٹر بھٹو کی رائے سے جہاں ان امور کے متعلق مکمل انصاف اور جائز طرز عمل کا اظہار ہوتا ہے وہاں اس میں ایک انفرادیت بھی ہے انہوں نے لکھا ہے ؟ بے شک ، اسے چھوڑ دیا جائے ۔ اسٹیبلشمنٹ سیکرٹری پر چھوڑ دیا جائے ۔ میں منہ کے بل سیدھا گر جاؤں گا ۔ اس نے اہم سیاسی تقاضوں کا مطلق خیال نہیں رکھا ۔ وہ کیا چاہتا ہے ؟ ایک سیاسی ڈیڈ لاک ، یا سیاسی تناؤ ۔ صرف ایک یا دو یا تین افراد کے لئے ؟" (صفحہ ۷۷)

اتفاق سے یہ درخواست تکلیف میں مبتلاایک خاتون کی طرف سے تھی ۔ اس نے مجھ سے اس بنا پر ملاقات کا وقت مانگا تھا کہ وہ کمبائنڈ ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں ۱۹۶۳ میں اس وقت میری نرس تھی جب میرا اپینڈکس کا آپریشن ہوا تھا ۔ چونکہ میرے پاس وقت نہیں تھا اس لئے میں نے اپنے سیکرٹری کو ہدایت کی "پلیز اسے فوراً ملیں اور اس کی مدد کرنے کی کوشش کریں دوسری صورت میں میں اسے ملوں گا ۔ چونکہ اس نے میری بڑی دیکھ بھال کی تھی" (صفحہ ۷۷) مناسب جانچ پڑتال اور تصدیق کے بعد اس کی درخواست کو کہ اس کے شوہر کی سکریننگ نہ کی جائے ۔ سیکرٹریٹ کی سفارش پر قبول کری گئی ۔ اگر میری حکومت نے سکریننگ کی تھی تو موجودہ حکومت یوں چیختی ہے جیسے قتل کرایا گیا ہو ۔ اگر میری حکومت سکریننگ نہیں کرتی تو بھی موجودہ حکومت کا ردعمل یہی ہوتا ۔

ہر شخص جانتا ہے کہ ممتاز علی بھٹو میرا خون کا رشتہ دار اور کزن ہے ۔ اسے کراچی سنٹرل جیل میں ڈالا گیا ہے ، جب ہم دونوں کو رات کی تاریکی میں لاڑکانہ سے ۱۷ ستمبر ۱۹۷۷ کو پکڑا گیا سب جانتے ہیں کہ وہ میرے بہت قریب ہے اس کے باوجود میں نے لاڑکانہ کی حدود تبدیل کرنے کے بارے میں اس کے مشورے کو رد کر دیا تھا ۔ میں نے بیگم نصرت بھٹو کے مشورے کو اس لئے قبول نہیں کیا تھا کہ دونوں متعلقہ افراد میرے وفادار تھے بلکہ اس لئے کہ میں نے اس کی اس رائے سے اتفاق کیا تھا کہ وہ پاکستان کے غریب عوام کے انتہائی ہمدرد دوست اور محنتی ہیں قرطاس ابیض کے صفحہ ۴۹ پر یہ بات درج ہے میرے امتحان کی ایک ہی کسوٹی تھی کہ کون ہے جو محنتی ہے اور پاکستان کے غریب عوام کا دوست ہے ۔ غریبوں کا دوست میرا دوست اور بھائی ہے ۔ اور عوام کا دشمن میرا جانی دشمن ہے ۔ یہ میرا واحد اور ناقابل تبدیل معیار ہے ۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ انفرادی اہمیت کا حامل ہے ۔

ایوب خان کے سنہری دور میں ایک ممتاز شخصیت کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ پاکستان میں وراثتی بادشاہت قائم کر دی جائے اور ایوب خان کو پہلا بادشاہ بنا دیا جائے ایوب خان نے اس تجویز کو بڑی سنجیدگی سے لیا اس نے نواب آف کالاباغ اور مجھ پر مشتمل ایک دو رکنی سپریم کونسل بنائی تاکہ اس تجویز کا جائزہ لیا جائے ۔ ہم نے ایک ماہ کے بعد اس تجویز کو اس کے بیوپرنٹ کے ساتھ واپس بھجوا دیا ۔ اور یہ سفارش کی کہ وہ اس تجویز کو فراموش کر دیں ۔ ایوب خان نے اس پر اپنی رائے دی اور اس نے کہا تھا یہ اتنی بھی بے کار اور فضول نہیں ہے ۔

(۳)

وار فیئر ۔۔۔ انتخابی دھاندلی اور فراڈ

انتخابات کے موضوع پر وقت اور اس کے فوائد کے بارے میں قرطاس ابیض میں کہا گیا ہے کہ میں انتخابات کو ایک طرح سے حزب اختلاف کے خلاف ایک جنگ سمجھتا تھا کرو یا مر جاؤ منصوبہ (DOORDIEPLAN) کے زیر عنوان صفحہ ۱۱ پر بیان کیا گیا ہے ۔

"یہ مسٹر بھٹو کے اپنے روائتی انتظامی سٹائل کے عین مطابق تھا کہ ہونے والے انتخابات کے بارے میں وہ سوچتے تھے کہ یہ حزب اختلاف کے خلاف ایک جنگ ہے ان کا حوالہ یوں ہے" بہت جلد ایک تفصیلی جنگی منصوبہ پیش کیا جائے گا جس میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا جائے گا ۔ ہمیں ایک ایسی سربلند مہم اپنے دشمن کے خلاف شروع کرنی ہے جس کا آغاز ہمارے طاقتور نکات سے ہو اور ہمارے مخالفوں کے کمزور پہلوؤں پر حملہ سے کیا جائے ۔ جنگی اصطلاحات ان کی تقریروں میں بار بار دہرائی گئیں اور جنگی قسم کی کارروائیوں کے منصوبے مسٹر بھٹو اور ان کے معتمدوں نے تیار کئے"

قومی اسمبلی میں اپنی، جنوری ۱۹۷۷ کی تقریر میں میں نے کہا تھا ۔ "میں جانتا ہوں کہ سیاست دان بھی انتخابات سے اسی طرح پہلو تہی کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے جنرل لڑنے سے لیکن نکتہ یہ ہے کہ سیاسی لڑائیاں لڑی جانی چاہئیں ۔ سیاسی انتخابات وقت کے شیڈول کے مطابق لڑے جانے چاہئیں جبکہ لڑائیوں کے وقت کا کوئی شیڈول نہیں ہوتا ہے"۔

میری تقریر کا یہ حصہ قرطاس ابیض کے تعارف میں صفحہ (III) پر دکھائی دیتا ہے اس سے میرے بارے میں عناد اور تعصب اور رسوائی پیدا کرنے کا مقصد پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ حالانکہ کوئی انتہائی یک طرفہ ذہن رکھنے والا ہی تقریر کے اس حصے سے کوئی غلط مطلب اخذ کر سکتا ہے ایسی اصطلاحات "کرو یا مر جاؤ اور "کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے" عزم ارادے اور تیاری کے اظہار کے لئے استعمال کی جاتی ہیں ۔

حال ہی میں ایک صوبے کے مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نے بیان دیا ہے کہ خوراک کی پیداوار

کے لئے "وارفئنگ" کی پالیسی بنائی جائے گیا اس کا یہ مفہوم ہے کہ ایک جنرل جس نے اپنا فوجی پیشہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو ایک سیاسی کیریر کے لئے ترک کر دیا جنگ کی کھجلی کر رہا ہے ؟

ساری دنیا میں سیاسی رہنما ایسی اصطلاحات تقریروں اور بیانوں میں سیاسی عمل کو متحرک اور تیز تر کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں ۔ قابل قدر سیاست دان جو اپنی حیثیت رکھتے ہوں ، وہ جرنیلوں کی اصطلاحات استعمال کرنے سے بھی خوفزدہ نہیں ہوتے جبکہ اس کا الٹ کم از کم پاکستان میں ایک سچ کی طرح ہے ہمارے ملک میں سول حکومت کے زمانے میں جنرل جمہوریت کی تعریف کرتے ہیں اور قوی منشور کے ساتھ وفاداری اور وابستگی کا اعلان کرتے رہے ہیں ۔ وہ سول حکومتوں کے ساتھ اپنی گہری وفاداری کا اظہار کرتے ہیں ۔ اور اپنی حکومتوں اور ان کی سیاست کی مدح سرائی کرتے ہیں موجودہ فوجی حکومت کو میں نے جو فوجی اصطلاحات انتخابات کے زمانے میں استعمال کی ہیں اور جنگ اور انتخابات کے مابین جو حد فاصل قائم کی اس سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے ۔

نو برس کی عمر میں ، میں نے ۱۹۳۷ کے انتخابات سے ایک سبق سیکھا اور وہ یہ تھا کہ کوئی دقیقہ فرگذاشت نہ کیا جائے اور زیادہ خود اعتمادی کا اظہار نہ کیا جائے ۔ اس سے بہرحال یہ کسی طور ثابت نہیں ہوتا کہ بدعنوانی یا دھاندلی کی جگہ لے سکتی ہے اس کے برعکس جامع اور مکمل تیاری کا مفہوم اور مقصد یہ ہے کہ فراڈ اور دھاندلی پر غور نہیں کیا گیا بالکل اسی طرح جیسے فوج کے اپنے ضابطے اور اصول ہوتے ہیں اسی طرح انتخابات کے ہوتے ہیں ایک اچھا جرنیل اپنی فوج کو مکمل تیاری اور منصوبہ بندی کے تحت فتح سے ہمکنار کرتا ہے ایک جنرل جو ناقص تیاری ، مبالغہ آمیز اعتماد اور کسی منصوبے کے بغیر اپنی فوج کو جنگ میں جھونک دیتا ہے اسے اپنے نوے ہزار فوجی قیدی بنانے پڑتے ہیں ۔

فوج کے حکمران ٹولے نے یہ قیاس کر لیا ہے کہ انتخابات کے بارے میں وہ جتنا زیادہ تیاریوں کا اعادہ کریں گے الزام میں اتنا ہی زیادہ مجھے گھناؤنا بنا کر پیش کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے ۔ اور مجھ پر انتخابات میں دھاندلی کا الزام ثابت کر سکیں گے یہ منصوبہ جس کسی ایجنسی اور فرد نے تیار کیا ہے انتہائی گھٹیا اور کمینے پن سے مملو ہے وہ لوگ یہ نظرانداز کر جاتے ہیں کہ اگر میں نے انتخابات میں دھاندلی کرنی ہوتی تو مثالی منصوبے نہ بناتا میٹریل کے انبار نہ لگواتا اور انخابات کی تیاری کے لئے تیز رفتار میٹنگوں کا اہتمام نہ کرتا اگر میرے ذہن میں دھاندلی ہوتی تو اس کے لئے ایک دو میٹنگیں اور دو ایک زبانی احکام کافی تھے ۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ چارٹ سکیمیں اور پلان ایک دوسرے کے اوپر ایک انبار کی صورت اختیار کر چکے تھے کنٹرول روم قائم

کئے گئے مواصلات کا نیٹ ورک قائم کیا گیا یہ سب چیزیں اس نتیجے تک پہنچاتی ہیں کہ میری حکومت اور میری پارٹی جنگ "لڑانے" کی تیاری کر رہی تھی انتخابات میں دھاندلی کرنے کی نہیں ۔ میں یہ بات دہراؤں گا کہ اگر میں انتخابات میں دھاندلی کرانا چاہتا تھا تو مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں ایسی میٹنگوں پر اپنا قیمتی وقت ضائع کرتا جو صبح تک چلتی تھیں ۔ ایسے اندازے کئے گئے اور ایسی ہدایات جاری کی گئی جو ان متوقع اُمور کے متعلق تھیں جو حزب اختلاف اٹھا سکتی تھی سخت قسم کے انتخابی دوروں کا پروگرام بنا اور ان پر عمل کیا گیا ۔ صوبائی سیل تیار کئے گئے اور پارٹی کو نئے سرے سے منظم کیا گیا ۔ کوئی بھی کوشش ایسی نہ تھی جو نہ کی گئی ہو اور جو توانائی میری رہنمائی کو حاصل تھی اسے بروئے کار لایا گیا تاکہ صاف ستھرا مقابلہ ہو اور منصفانہ انتخابات ہوسکیں ۔

میرے بارے میں آمرانہ اقدام کرنے کے الزامات تیار کئے گئے ہیں لیکن میں موت کی اس کوٹھڑی میں اس قابل نہیں ہوں کہ ہر نکتے کو پھاڑ اور توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر سکوں تاہم اگر میں ایک آزاد آدمی ہوتا اور تمام سرکاری ریکارڈز تک میری رسائی ہوتی تو بھی یہ اپنے وقار کے منافی سمجھتا ۔ من گھڑت کہانیوں اور فینٹسی کے ہر حصے کی تردید کرتا بہتر وجوہات کے تحت میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے الزامات کو حقارت کے ساتھ نظرانداز کر دینا چاہیے ۔ مثلاً میں نے کبھی سپر سیلون استعمال نہیں کیا ایک صفحے کے بعد دوسرا صفحہ ایسے ہی الزامات کے لئے وقف کر دیا گیا ہے ۔ اور اس کا اینٹی کلائمکس قرطاس ابیض اس وقت ہوتا ہے جب قرطاس ابیض میں بتایا جاتا ہے کہ میں نے سپر سیلون کو اس لئے استعمال نہیں کیا میں حزب اختلاف کے دباؤ سے خوفزدہ ہو گیا تھا ۔ میرے ہم وطن یقیناً مجھ سے یہ توقع نہیں رکھتے کہ میں ایسے مضحکہ خیز امور کی وضاحتیں کروں ۔

جہاں تک سرکاری افسروں کو ہراساں کرنے کا تعلق ہے تو مجھے ایک مثال پیش کرنے دیں جس سے ثابت ہو گا کہ قانون کی خلاف ورزی نہیں کی گئی تھی ۔ قرطاس ابیض کے صفحہ ۸۷ اور ۸۸ پر کراچی کے ایک بڑے جلوس کا ذکر کیا گیا ہے ۔ عوام کا ایک سمندر تھا جو کراچی ایرپورٹ پر میرے استقبال کے لئے جمع تھا کہ میں ملک کی قیادت کرنے والا تھا ۔ چیف آف آرمی سٹاف بھی اس ہجوم میں پہچانا جا رہا تھا کیونکہ وہ وردی میں تھا ۔ عوام کے ہجوم کی وجہ سے میں چیف آف سٹاف سے ہاتھ نہیں ملا سکتا تھا ۔ اس نے بڑے پرجوش انداز میں اپنی آج کی جانی پہچانی مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف ہاتھ لہرایا ۔ کیا وہ جلوس میں شامل تھا ؟ اس کے بارے میں دونوں طرح کے دلائل دیئے جاسکتے ہیں ۔ اس جواب کا انحصار اس پر ہو گا کہ کس کے ہاتھ میں لاٹھی ہے یہ قرطاس ابیض کی اخلاقیات ہے ۔

۱۹۷۰ میں میرے انتخابات کی مہم انہی اصولوں پر منظم کی گئی تھی ۔ المرتضیٰ میں مہمانوں کا کمرہ کنٹرول روم بنایا گیا تھا ۔ ایسے ہی منصوبے ، چارٹس اور سیلز اور اندازے اور تخمینے اس وقت تیار کئے گئے تھے ۔ اور اسی طرح کے انتخابی دورے تیار کئے گئے اور ان پر عمل کیا گیا تھا ۔ اور انہی رفیع رضاؤں ، پیرزادوں اور کھروں کو خاص فرائض سونپے گئے تھے ۔ کیونکہ ہم ان انتخابات میں پوری تیاری کے بعد شامل ہوئے تھے ۔ ہم یحییٰ خان سے تصادم اور دھاندلی کو چکنا چور کرنے کے قابل تھے ۔ کیونکہ ہم نے انتخابات کی لڑائی اپنے مکمل جنگی منصوبوں اور کرو یا مرجاؤ کی روح کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کیا تھا اور ہم بحرانوں سازشوں اور سانٹھ گانٹھ میں قاتلانہ حملے کی مدافعت کے لئے پوری صلاحیت رکھتے تھے ۔

تمام دشواریوں کے باوجود ہم ۱۹۷۰ کے انتخابات میں فاتح ٹھہرے یہی روح ہم نے ۱۹۷۷ کے انتخابات میں بھی زندہ رکھی ۱۹۷۰ میں بھی میں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا میں ملک کے ہر گوشے اور کونے میں گیا ۔ میں خاکروبوں کی جھگیوں میں گیا ۔ میں کچی آبادیوں کے جھونپڑوں میں گیا میں نے ہر جگہ اپنے قدموں کے نشانات چھوڑے میری آواز ہر گھر تک پہنچی میں ایک گاؤں میں تین بار گیا اس کے باوجود میرے ذہن میں شکوک تھے کیونکہ ایک پیر کا پشتینی اثرورسوخ اس گاؤں میں موجود تھا ۔ میں وہاں چوتھی بار گیا ۔ اس موقع پر گاؤں والوں کی موجودگی میں گاؤں کے نمبردار نے مجھے کہا ۔ "سائیں آپ ہمیں شرمندہ کیوں کرتے ہیں آپ کے علاوہ اور کون ہے جو ہمارے ووٹ لینے کا استحقاق رکھتا ہے"۔ میں وہاں اکیلا شخص نہیں تھا جس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ہوں ۔

یہاں وہ ایک گاؤں تھا جو صدیوں بعد اپنے پیر کو پہلی بار ترک کر رہا تھا ۔ ایک گنہگار سیاست دان کے لئے ؟ نہیں ، ایک ایسے شخص کے لئے جسے موت کی سزا سنائی گئی ہے ؟ نہیں جب ہماری جیپ جا رہی تھی تو میں جئے بھٹو کے نعرے اس وقت تک سنتا رہا جب تک کہ ان نعروں کی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی ۔ شاید میں نے اپنے آپ کو اس ملک کے ناداروں کے دلوں کی گہرائی تک اتار لیا تھا ۔ اور دوسروں کے لئے یہ ایک انوکھا مظہر تھا ۔ یہ ایک گلاسڑا کلیشے ہوگا کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں ہر گھر میں بولا جانے والا ایک لفظ ہوں ۔ ہر چھت جو ٹپکتی ہے اس کے نیچے میں بولا جاتا ہوں ۔ میں اس ملک کے پسینے اور دکھ سے تعلق رکھتا ہوں میں عوام کے ساتھ ایک ابدی رشتہ رکھتا ہوں جسے فوجیں کبھی توڑ نہیں سکتی ہیں ۔

ڈس کوالی فیکیشن ٹریبونلز

سر فرانسس بیکن نے اپنے مشہور مضامین میں سے ایک میں پوچھا ہے صداقت کیا ہے ؟ "میں اب یہ پوچھنا چاہوں گا" دھاندلی کیا ہے ؟" ڈکشنری کی تعریف واضح ہے ۔ دھاندلی کرنا ۔ "فراڈ کرنا یا اس کا اہتمام ہے"۔ اس روشنی میں مَیں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ انتخابات کے نام پر حکومت کا تختہ الٹنا قرآن پاک کی قسم کھاکر یہ وعدہ کرنا کہ انتخابات نوے دنوں میں ہوں گے انہیں منسوخ کر دینا اور پھر چند دنوں کے وقفے کے بعد اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ساری دنیا کے سامنے یہ اقرار اور اعلان کہ انتخابات منعقد کرائے جائیں گے ۔ کیا انتہائی درجے کا فراڈ نہیں ہے ؟ کیا یہ فراڈ نہیں کہ عوام کو ان کے آئین سے محروم کیا جائے ؟ کیا یہ فراڈ کا اہتمام نہیں کیا گیا کے کہ انتخابات صرف اس وقت ہوں گے جب مثبت نتائج حاصل ہو سکیں گے ؟ جیسے کہ جنرل ضیا الحق نے قوم کے نام اپنی تقریر میں ۲۵ جون ۱۹۷۸ کو کہا ہے ۔ اور سٹیج کی تیاریوں کو ظاہر کرنے کے لئے محض ایک الیکشن سیل قائم کیا گیا ہے ۔ جس کی حثیت تیاری کے عمل کے ایک سیل سے زیادہ نہیں ہے ۔ یہ فوجی حکومت اپنی منافقت دوغلے پن اور فراڈ کی وجہ سے سب سے بڑی دھاندلی کی مرتکب ہوئی ہے ۔

میرے اس نکتے کی طنزیہ وضاحت وہ گفتگو کرتی ہے جو دو فوجی ڈکٹیٹروں کے مابین ہوئی ۔ ان میں سے ایک کا تعلق ایشیا سے تھا اور دوسرے کا افریقہ سے ، فیلڈ مارشل عزیز لو اودہ نے جنرل سکسوہ سے پوچھا "بڑے بھائی کہو کیا آپ نے انتخابات میں دھاندلی کی ہے"؟ جس کے جواب میں جنرل نے جواب دیا ۔ ہاں بے شک ، ورنہ مَیں عوام کو کیسے بچا سکتا تھا!

فیلڈ مارشل اودہ :۔ ہاں میں نے احمقوں سے انتخابات کا وعدہ کیا تھا ۔ میں قسم کھاتا ہوں میں پھر قسم کھاتا ہوں کوئی بھی اس کا فرق نہیں جانتا یہ محفوظ اور صاف ترین دھاندلی ہے"

جنرل سکسوہ :۔ ہاں آپ جو کہتے ہیں اس میں صداقت ہے ۔ لیکن ذاتی طور پر میں ان احمقوں پر ایسی سختی سے بیٹھ گیا ہوں کہ وہ اپنے منہ ہی نہیں کھول سکتے ۔ اس طرح مجھے ان کی رضا مندی حاصل ہو گئی ہے ۔ آپ جانتے ہیں کہ انتخابات ایک انجام کا ذریعہ ہوتے ہیں اور دھاندلی ایک ذریعہ کا ذریعہ ہے"

(یہ گفتگو اس کانفرنس میں ریکارڈ کی گئی جو عوام پر کنٹرول کرنے کی غرض سے منعقد ہوئی تھی)

میرے بارے میں یہ فرض کر لیا گیا کہ میں نے یہ ہدایات دی تھیں کہ پی این اے اور این ڈی پی کے سربراہوں کو کسی قیمت پر انتخابات میں کامیاب نہ ہونے دیا جائے کیا یہ حیران کن بات نہیں کے وہ دونوں دو دو حلقوں میں بڑی اکثریت کے ساتھ جیت گئے ۔ مزید بر آں چیف سیکرٹریوں کے بیانات میں اس پر اصرار کیا گیا ہے کہ صرف ان میں بلکہ کس نے بھی ایسی ہدایات جاری نہیں کیں انتخابات میں کوئی دھاندلی اور فراڈ کے کسی بھی طریقے سے نہ کروایا جائے ۔ میں نے اس وقت جو کہا تھا وہ ایک بار پھر دہراتا ہوں ۔ مَیں کوئی ایسا کام ایک دن میں ہوتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتا ۔ جس کے لئے مجھے آنے والے پانچ برسوں میں معذرت کرنی پڑے ۔ حتی کہ قرطاس ابیض کا یہ لنگڑا حملہ کہ انتخابات میں افسر شاہی کو استعمال کیا گیا ۔ ایسا کوئی اشارہ فراہم نہیں کرتا کہ دھاندلی ہوئی تھی ۔ میں پھر اس طرف آتا ہوں کہ حکومت پر قبضہ کرنے والی فوجی طاقت نے انتخابات کا بہانہ بنا کر حکومت کا تختہ الٹا اور وعدہ کیا کہ انتخابات ہوں گے اور اب تک انتخابات کیوں نہیں کرا سکی ؟

گھنٹی کی یہ صدا جو سُنی جارہی ہے ۔ اس میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ انتخابات اس وقت ہی کرائے جاسکیں گے کہ جب اکثریتی جماعت محدود ہو جائے گی یا خاموشی میں اس کا دم گھونٹ دیا جائے گا ۔ یہ ڈس کوالی فیکیشن ٹریبونلز بھی دھاندلی کی ہی ایک شکل ہیں ڈس کوالیفیکشن کے یہ ظالمانہ فیصلہ ، جن میں قانونی طور پر صفائی پیش کرنے کا موقع ہی نہیں دیا جاتا دراصل ایک حربہ ہیں جن کے تحت اپنے مخالفین اور مدمقابل افراد کو اس دن کے لئے اپنے راستے سے ہٹانا ہے ۔ جب اپنی مرضی کے مثبت نتائج پر مشتمل انتخابات کرائے جاسکیں گے جب پاکستان پیپلز پارٹی کے تمام امیدوار نا اہل قرار دیئے جاسکیں گے تو کیا اس وقت ہی فوجی حکومت یہ سوچے گی کہ اب مثبت نتائج حاصل کئے جاسکتے ہیں ۔ اب تک ایک سو سے زائد کو تو نا اہل قرار دیا جاچکا ہے ۔

انتخابات کی تازہ تیاریوں کو جداگانہ طرز انتخابات پر استوار کرنا فراڈ کے چہرے کا ایک اور رُخ ہے ۔ آئین کے تحت الیکٹرول رولز کی سال کے بعد ہی نظر ثانی کی جاسکتی ہے ۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں میں اضافہ آئینی طریق کار کے بغیر نہیں کیا جاسکتا ہے ۔ مزید بر آں محفوظ انتخابات کے بجائے جداگانہ انتخابات کو اپنانا آئین کی روح کے منافی اور بر عکس ہے ۔ لیکن فوجی حکومت تو آئین کو دفن کرچکی ہے ذرا اندازہ کیجئے ؟ کہ فوجی حکومت نے اپنی حکومت کو آئین سے بر تر قرار دیدیا جبکہ حکومت پر جبری قبضہ صرف اور صرف اس وعدے کے ساتھ کیا گیا کہ نوے دنوں کے اندر اندر انتخابات کرائے جائیں گے ۔ خدا کے سامنے حاضر و ناظر ہو کر اعلان کیا

گیا ہے کہ عوام کو آئین کے تحت ان کی مرضی کے انتخابات کا سیاسی اختیار دیا جائے گا ۔ وہ لوگ جواب اپنے آپ کو صرف خدا کے سامنے جوابدہ ہوئے کا دعوی کر کے عوام کے حقوق سلب کر بیٹھے ہیں ان کا یہ عمل بد ترین دھاندلی اور فراڈ ہے ۔! اس فریب کاری اور اس کے کا ایک پہلو یہ دعوی بھی ہے کہ سرکاری افسروں اور انتظامیہ کے ملوث ہونے سے دھاندلی ہوئی ہے ۔ کیا سرکاری افسروں کو کسی طرح انتخابات سے الگ تھلگ رکھا جاسکتا ہے ؟ افسروں اور انتظامیہ پر ایک بھاری ذمے داری ہوتی ہے ۔ انہیں یہ ضمانت دینی پڑتی ہے کہ نظم و نسق اور امن و امان برقرار رکھا جائے گا ۔ کسی قسم کی دھاندلیاں نہیں ہوں گی ۔ اور لوگ ووٹ طے شدہ طریقے کے تحت ڈال رہے ہیں ۔ پولنگ سٹیشنوں پر عورتوں کو ہراساں نہیں کیا جارہا ۔ امیدوار انتخابی قوانین کی پابندی کر رہے ہیں بیلٹ باکسوں کے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں کی جا رہی

سرکاری افسروں اور انتظامیہ کے فرائض کی یہ فہرست ہے انتخابات سرکاری افسروں اور انتظامیہ بغیر کسی طور منعقد نہیں ہوسکتے ۔ اس روشنی میں اچھے ارادے کے ساتھ یہ سوچا جاسکتا ہے کہ کچھ افسروں کو کمیٹیوں میں شامل کر دیا جائے ۔ لیکن بعد میں مزید غور و فکر کے بعد اس تجویز پر عمل نہیں کیا گیا ۔ قرطاس ابیض کے صفحہ ٦ پر رفیع رضا کا حوالہ ہے کہ جس نے غیر سرکاری کے الفاظ پر اعتراض کیا تھا۔ ٹامی گن ڈکٹیٹر شپ کے سٹائل میں موجودہ فوجی حکومت جو بات جاہے اپنے انداز میں ڈھال سکتی ہے اور بہت کچھ کو کچھ بھی نہیں میں بدل سکتی ہے ۔

قرطاس ابیض کے صفحہ ٦١ پر افسروں کے حوالے سے مجھ پر جو جملہ کیا گیا ہے ۔ اس میں بیان ہوتا ہے ۔

"مسٹر زیڈ اے بھٹو ۱۹۷۴ سے ہی جب وہ انتخابات کے لئے ڈھانچہ اور فریم ورک بنا رہے تھے ۔ اپنے ذہن میں انتظامی سروسز کے لئے خاص کردار کا نقشہ بنا چکے تھے ۔ حتی کہ اس زمانے میں جب وہ مرحوم صدر ایوب خان کی حکومت میں ایک وزیر اور کنونشن مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل تھے ، وہ اس آئیڈیا کے حوالے سے جانے جاتے تھے کہ سینئر ضلعی سرکاری افسروں کو پارٹی کے ارکان بنالیا جانا چاہیئے" ۔

میرے ان ریمارکس کو جو گورنمنٹ ہاؤس ڈھاکہ میں ایک خاص اور خفیہ میٹنگ میں کہے گئے تھے غلط انداز میں استحصالی طریقے سے اب پیش کیا جارہا ہے ۔ اس اجلاس کی صدارت صدر ایوب خان نے کی تھی شرکا کی تعداد آٹھ سے دس وزیروں اور سرکاری افسروں ، جن میں دو صوبوں کے گورنر اور اس وقت کے وفاقی سیکرٹری قانون مسٹر جسٹس مولوی مشتاق حسین سے زیادہ نہیں تھی ۔

یہ بالکل غلط ہے کہ میں نے کسی ایسی تجویز یا خیال کی حمایت کی تھی ۔ میں نے صرف ایشیا میں رائج طرز حکومت کی قوتوں اور خامیوں کا تجزیہ کیا تھا اور دوسرے نظاموں کی اہمیت سے موازنہ کیا جو عوام کی امنگوں کی تکمیل کرتی اور ملکوں کو استحکام بخشتی ہیں ۔ یہ ایشیائی سرزمینوں کا ایک سیاسی سروے تھا ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ پاکستان میں رائج نظام کی میں نے بڑی گھمبیر تصویر پیش کی تھی ۔ اور میں نے اسے ورثے میں ملنے والی خامیوں کی نشاندہی کی تھی ۔ میں نے بیورو کریسی یا اس کے بڑے بھاتی مسلح افواج کے بارے میں کسی قسم کی کوئی خاص تجویز پیش نہیں کی تھی ۔ ایسی کوئی بھی کوشش بے کار ہوتی ۔ اس میں شریک بہت سے افراد یا تو فوت ہو چکے ہیں یا پھر بنگلہ دیش میں ہیں ۔ صرف سابق وفاقی سیکرٹری قانون موجودہ چیف الیکشن کمشنر اور میں ہی زندہ ہیں جو ایک شہر میں دو کہانیاں سناتے ہیں ۔

جہاں تک انتخابات کا تعلق ہے ۔ وجہ نزاع صوبہ پنجاب تھا پی این اے نے بلوچستان میں انتخابات کا بائیکاٹ کیا ۔ جبکہ اس کے لیڈروں نے اپنے مضبوط ٹھکانے کراچی اور صوبہ سرحد میں کامیابی حاصل کی ۔ فوجی اصطلاح کو استعمال کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ۱۹۷۷ کے انتخابات میں پنجاب پانی پت بن چکا تھا ۔ وہ جو پانی پت کی جنگ جیت جاتا انتخابات میں فتح حاصل کر لیتا قومی اسمبلی کی کل ۲۱۷ سیٹوں میں ۱۲۱ نشستیں پنجاب کی ہیں ۔ صوبائی اسمبلیاں کی بلوچستان میں چالیس اور صوبہ سرحد اسی ، صوبہ پنجاب میں دو سو چالیس اور سندھ میں سو نشتیں ہیں ۔ تین اسمبلیوں کی کل نشستونکی تعداد پنجاب اسمبلی کی نشستوں کی کل تعداد سے بیس نشتیں کم ہے ۔ یہی صورت حال وفاقی اسمبلی کی ہے ۔ اس لئے اگر دھاندلی کی ضرورت تھی تو اس کا ضرورت مالاگنڈ یا مری بگتی صحرائی پہاڑی علاقوں میں نہیں بلکہ پنجاب کے میدانوں میں دن کی پوری روشنی میں ضروت تھی پنجاب کی آبادی کل آبادی کا چھیاسٹھ فیصد ہے ۔ پنجاب سب سے اہم صوبہ تھا اگر پنجاب میں دھاندلی ثابت نہیں کی جاسکتی تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ دھاندلی سرے سے ہوئی ہی نہیں جیسا کہ خود قرطاس ابیض میں بیان کیا گیا ہے پنجاب میں پاکستان پیپلز پارٹی نے بڑی آسانی سے اکثریت سے کامیابی حاصل کی ۔ پولنگ کے دن کے بارے میں قرطاس ابیض میں جو ۳۴ صفحات رکھے گئے ہیں ان میں سے صرف چار پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اگر کوئی دھاندلی کی بھی گئی ہے تو قرطاس ابیض اس کے شواہد پیش کرنے اور مجھے اور میری حکومت کو گھناؤنا ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ۔ ان چار صفحات میں متضاد غیر متعلقہ معلومات فراہم کی گئی ہیں ۔ انکوائری کمیٹی نے جو دو سو بیانات جمع کئے ۔ ان میں سے دو افسروں کے بیانات انتہائی معلوماتی اور اہم نوعیت کے حامل ہیں اور ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے ایسا کوئی مرکزی منصوبہ یا ہدایت نامہ تیار نہیں کیا تھا جو

عالمی سطح پر دھاندلی کرنے کے لئے تھا ۔

ان میں سے ایک بیان سابق ڈپٹی کمشنر لائل پور مسٹر نوید آصف کا ہے جو قرطاس ابیض کے صفحہ ۳۱۹ پر ہے مزید بر آں صفحہ A ۹۱۴ پر بیان کرتا ہے ۔ اپنی بہترین صلاحیت اور یاد داشت کو کھنگالنے کے بعد میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ کسی بھی موقع پر کمشنرز ڈی سی کی میٹنگوں میں اس ہدایت کا ذکر نہیں آیا کہ ایسی ہدایت دی گئی ہو کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے امیدواروں یا ان کے حامیوں کی قانونی خلاف ورزیوں کو نظر انداز کر دیا جائے مجھے قطعاً یاد نہیں آتا کہ مجھے کوئی ایسی ہدایت انتخابی مہم کے دوران یا انتخابات کے دن دی گئی ہو ۔

صفحہ A ۹۱۹ پر اس کا بیان ہے مجھے غیر مستند بیلٹ پیپر انتخابات میں کسی بھی حلقہ انتخاب میں استعمال کرنے کے لئے فراہم نہیں کئے گئے ۔ اس سلسلے میں کسی بھی امیدوار کی طرف سے کوئی تحریری شکایت بھی موصول نہیں ہوئی ۔ مجھے اس قسم کی بھی کوئی شکایت کسی حلقہ انتخابات یا کسی الیکشن ایجنٹ کی طرف سے زبانی یا تحریری نہیں ملی کہ کسی الیکشن بیگ کے ساتھ کسی قسم کی کوئی گڑبڑ کی گئی ہے ۔

دوسرا سرکاری افسر مسٹر محمد اصغر خاں ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس ہے یہ بات ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ مسٹر اصغر خاں میرے مقدمہ قتل میں ایک گواہ بھی ہے ۔ راؤ عبدالرشید ایک سابقہ آئی جی پولیس نے سپریم کورٹ کے سامنے جو بیان حلفی پیش کیا ہے اس میں اصغر خان کے بطور ایک پولیس افسر اس کے رویے کے بارے میں انتہائی ناخوشگوار رپورٹ دی ہے ۔ جو مسٹر اصغر خاں کے خلاف اس کے آمرانہ اور افسرانہ رویہ کے خلاف شکایتوں کی تحقیقات کے نتیجے میں تھی ۔

اصغر خاں نے اپنے بیان میں انتخابات کے دن کسی قسم کی غیر قانونی اور غلط حرکات کا ذکر نہیں کیا ۔ اس کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ۔ اور جو کچھ کہا ہے اس کی نفی صوبے کے چیف سیکرٹری نے کر دی ہے ۔ جس کے بارے میں قرطاس ابیض نے لکھا ہے کہ وہ دھاندلی کے کھل جا سم سم" کی چابی رکھنے والا بیورو کریٹ ہے ۔

صوبہ پنجاب کا چیف سیکرٹری ایک ریٹائرڈ بریگیڈئر تھا ۔ وہ میری ۱۹۷۲ کی سکیم کے تحت ملازمت میں نہیں آئے تھے ۔ ۱۹٦۵ کی جنگ میں وہ شدید زخمی ہوا تھا ۔ اور اگر میں غلطی نہیں کرتا تو اس کا تعلق مشہور پروبین "ہارس" سے تھا ۔ جو آرمرڈ کوریس کی آنکھ کا تارا سمجھا جاتا ہے ۔ بریگیڈیر کو اس کے حوصلے اور قابلیت کے صلے کے طور پر معقول وجوہات پر سول

سروس میں لے لیا گیا ۔ جب ڈاکٹر ہنری کسنجر ۱۹۷۱ کے موسم گرما میں اپنے چین کے خفیہ مشن پر پاکستان آیا تو اس کام کے لئے بریگیڈئر کا انتخاب ہوا ہر کام ٹھیک طریقے سے ہو رہا ہے ۔ میں اسے نہیں جانتا تھا تاہم جب میں پاکستان کا صدر بنا تو اس کے ایک ماہ بعد اس کے فرائض کے سلسلے میں اس سے آشنا ہوا ۔

جولائی ۱۹۷۷ میں مارشل لا کے نفاذ کے فوری بعد اسے سویڈن میں سفیر نامزد کیا گیا ۔ اس نے وزارت خارجہ میں ملازمت کے لئے ایک درخواست فروری ۱۹۷۷ میں اپنی بیوی کی المناک حالات میں واقع ہونے والی موت کے بعد کی تھی چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نے اپنے پروبین سے تعلق رکھنے والے اپنے ایک بھائی کی درخواست فوراً منظور کر لی لیکن اچانک پُراسرار انداز میں یہ تقرری برگیڈیر کی تسلیم شدہ قابلیت اور تجربے کے باوجود منسوخ کر دی گئی شاید اس کا جواب قرطاس ابیض کے حصے ''پنجاب کا منظر نامہ'' میں فراہم کیا گیا ہے جس کا میں کسی منصوبے کے بغیر حوالہ دینا چاہتا ہوں ۔

پنجاب کا منظر نامہ

پنجاب میں جو کہ مرکزی میدان کارزار تھا گورنر کے خط سے قطع نظر ایسے کئی شواہد ملتے ہیں جو براہ راست افسروں کی دلچسپی اور مداخلت کی نشاندہی کرتے ہیں ۔

چیف مارشل لاء کی انکوائری کمیٹی کا ایک اہم گواہ بریگیڈیر ریٹائرڈ مظفر ملک تھا جو انتخابات کے وقت پنجاب میں بطور چیف سیکرٹری خدمات انجام دے رہا تھا ۔ اس سے پہلے وہ مرکز میں وزارت داخلہ کے سیکرٹری کے عہدے پر رہ چکا تھا ۔ قومی سلامتی اور انٹیلی جینس کے پس منظر میں اس کی یہ شہرت تھی کہ وہ ایک مضبوط ایڈ منسٹریٹر ہے جس کی وفاداری مستحکم ہے ۔

اپنے مختصر اور دو ٹوک بیان میں جو اس نے انکوائری کمیٹی کے سامنے ۲۲ جنوری ۱۹۷۸ کو دیا ۔ بریگیڈیر ملک نے مندرجہ ذیل نکات پیش کئے (ضمیمہ ۲۷۷) انتخابات میں پارٹی کے اندر ہم آہنگی اور تعاون کے لئے سیاسی مشینری کو بروئے کار لاتے ہوئے متعدد وزراء کو اضلاع/ ڈویژنوں کا انچارج بنایا گیا ۔ گورنر کو بہاولپور ڈویژن کا ذمے دار بنایا گیا جبکہ وزیر اعلیٰ نے بذات خود ملتان ڈویژن کی دیکھ بھال کی ذمے داری لی اسی طرح دوسرے وزراء کو دو یا تین اضلاع میں جہاں ان کا اثر و رسوخ تھا ۔ ذمے داری سونپی گئی مزید برآں وزیر اعظم نے پنجاب کے تمام بنیادی علاقوں کے دورے کئے ایسے شہروں/ قصبوں کا انتخاب متعلقہ سیاسی اہمیت اور علاقائی

سیاسی معاونوں کی سفارشات پر کیا گیا تھا ۔ "ایک حقیقی تصویر تک پہنچنے کے لئے کہ پیپلز پارٹی کتنی نشستیں جیت سکتی ہے ۔ کچھ اجلاس وزیر اعظم کی سطح پر اور اسی طرح وزیر اعلیٰ کی سطح پر بھی ہوئے ۔ وزیر اعظم کے اجلاس کیبنٹ کی صورت میں تھے جس میں صوبوں نے بھی سیاسی اور انتظامی دونوں سطحوں پر شرکت کی ۔ وزیر اعلیٰ کی میٹنگوں میں میں بھی شریک ہوا میرے علاوہ سیکرٹری داخلہ ، کمشنرز ، ڈی آئی جی حضرات اور وزیر اعلیٰ کے سٹاف کے چند ارکان نے بھی شرکت کی ۔

صوبائی سطح کی میٹنگوں میں ڈویژنل افسروں سے استفسار کیا گیا کہ وہ محدود نشستوں کی کامیابی کے بارے میں اپنے اندازے بتائیں ان ہی میں بعض وہ نام نہاد نشتیں بھی تھیں ۔ جہاں سے حکمران پارٹی کی اہم شخصیتیں اور پی این اے کے اہم افراد انتخاب لڑ رہے تھے ۔ اس انتظامی تخمینہ کا بنیادی آئیڈیا یہ تھا کہ انتظامی اندازے کا موازنہ سیاسی اندازے کے ساتھ کیا جا سکے ۔

ابتدائی مرحلے میں انتظامیہ نے یہ اندازہ دیا کہ حکمران پارٹی اسّی نشتیں حاصل کرے گی وفاقی سطح کی ایک میٹنگ جس میں مَیں نے شرکت کی وزیر اعظم کو ستر نشتیں کی رپورٹ دی گئی ۔ ایسی میٹنگوں میں اور ان کے بعد کسی بھی مرحلے پر اس قسم کی کوئی ہدایت کمشنروں کو نہیں دی گئی کہ پولنگ میں حکمران پارٹی کی حمایت کریں ۔ یہ میرا یقین راسخ ہے کہ پنجاب کے مختلف حلقوں میں جو دھاندلی ہوئی اس کے ذمے دار انفرادی امیدوار تھے ۔ جنہوں نے مختلف قسم کے ہتھکنڈے اختیار کئے ۔ اس میں ان کی مدد ان مقامی سرکاری افسروں نے کی جن کی تعیناتی انہوں نے سیاسی ذرائع کے ذریعے کروائی تھی ۔

اس سے یہ عیاں ہے کہ بریگیڈیر ملک نے اعلیٰ ترین سطح تک انتخابات میں مداخلت کی نفی کی ہے ۔ ماسوائے یہ کہ اندازے کے مقاصد سامنے تھے جہاں تک انفرادی طور پر امیدواروں کی دھاندلی کا تعلق ہے تو اس کا الزام افسروں پر لگایا گیا ہے جو کہ ان بیانات کے بالکل برعکس ہے جو متعدد ڈویژنل اور ضلعی سرکاری افسروں نے لئے اور جن کی تفصیل اگلے باب میں موجود ہے ۔ جنہوں نے کہا ہے کہ انہیں براہ راست سابق چیف سیکرٹری سے ہدایات ملی تھیں ۔ (صفحہ ۲۴۹ ۔ ۲۵۰)

قرطاسِ ابیض کے صفحہ ۲۸۷ پر بیان کیا گیا ہے انہی شہادتوں کے دوران بریگیڈیر مظفر ملک نے تسلیم کیا کہ اس وقت کے وزیر اعلیٰ نواب صادق حسین قریشی نے بذات خود لاڑکانہ پلان دکھایا تھا اس نے لاہور میں کنٹرول روم کی موجودگی بھی تسلیم کی جہاں بڑی ذہانت سے کام ہو رہا تھا ۔ اسی طرح وزیر اعلیٰ کا ایک اپنا الیکشن سیل تھا ۔ اسی طرح کے سیل اور کنٹرول روم کوئٹہ اور پشاور

میں بھی تھے ۔

یہ آرگنائزیشن ہے دھاندلی نہیں وہ سرکاری افسر جو مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات میں کنگ پن کی حیثیت رکھتا ہے ایک سابق فوجی افسر ہے اور ممتاز پروبین ہارس کا ایک ساتھی افسر ہے ۔ وہ بھی بہرحال یہی کہہ رہا ہے کہ ہم نے پنجاب کے انتخابات میں دھاندلی نہیں کی تھی فریب ان کی طرف سے ہوا ہماری طرف سے نہیں ۔

(۴)

الیکشن کمیشن

قرطاس ابیض میں فراواں مقدار میں ایسے حوالے موجود ہیں، جن سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ میں نے چیف الیکشن کمشنر کو اپنی کٹھ پتلی اور الیکشن کمیشن کو اپنی باندی بنانے کی کوشش کی ۔ اس موقع پر میں چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو اس پریشانی سے بچاتے ہوئے، آئینی حکومت کے دور میں الیکشن کمیشن کے سٹیٹس اور ٹامی گن مارشل لا دور میں اس کی حیثیت سے موازنہ کرنے والی بیلنس شیٹ پیش نہیں کر روں گا ۔

اس وقت کے چیف الیکشن کمشنر مسٹر جسٹس سجاد احمد جان کی حیثیت کے بارے میں قرطاس ابیض میں بہت زور دیا گیا ہے ۔ یقیناً میں یہ نشاندہی کر چکا ہوں کہ اس دستاویز کو خاص مقاصد کی تکمیل کے لئے اپنی مرضی کے مطابق کاٹ چھانٹ کر تیار کیا گیا ہے ۔ یہ قطعی طور پر واضح نہیں ہیں ہو تاکہ موجودہ حکمران ٹولہ چیف الیکشن کمشنر کو ایک مومن سمجھتا ہے ۔ یا میری کابینہ انتخابی دھاندلیوں میں ایک ایک حصے دار اور شریک ۔ چیف الیکشن کمشنر کے کردار کے متعلق قرطاس ابیض تضادات ملتے ہیں ۔

بات آگے بڑھانے سے پہلے مجھے اجازت دیجئے کہ میں تیزی سے اپنی حیثیت کی وضاحت کر سکوں، قرطاس ابیض کے صفحہ ۳۷ پر سیکرٹری الیکشن کمیشن مسٹر اے زید فاروقی نے ''سنی سنائی'' باتوں پر میرے خلاف معمول کے عمل سے گریز کرتے ہوئے قرطاس ابیض کے مرتبین کو ''یہ رپورٹ دیتے ہوئے بتایا کہ ۷ مئی ۱۹۷۵ کو کابینہ کا ایک اجلاس ہوا ۔ جس میں وہ خود بطور سیکرٹری الیکشن کمیشن شریک تھے ۔ مستقبل میں چیف الیکشن کمشنر کے عہدے کے بارے میں مختلف اصطلاحات اور امور کے بعد بات کرتے ہوئے وزیراعظم نے کہا ۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس بدقماش ''کو ایسی خوشگوار سہولتیں حاصل ہیں تو اس کے جانشین کو یہ سہولتیں کیوں نہ دی جائیں ۔ (قرطاس ابیض صفحہ ۳۸)

مجھے بالکل یاد نہیں آ رہا کہ میں نے اس اجلاس یا کابینہ کے کسی دوسرے اجلاس میں مسٹر جسٹس سجاد احمد جان کو ''بد قماش'' کہا ہو ۔ میں یقیناً محتاط ہونے کا پابند تھا ۔ وہ چیف الیکشن کمشنر تھے ۔ جنہیں میں اپنی شیطانی سکیموں کے لئے ہموار کرنا چاہتا تھا ۔ پھر اس کے ساتھ انھوں نے ''سیزر کی بیوی'' کی تاجپوشی بطور ''ملکہ ترنم'' کی تھی ۔ جبکہ مارک انتونی اپنے آپ کو سیزر کا تاج پہنانے میں تین بار ناکام ہوا تھا ۔

اپنے انتہائی صلاحیتیں رکھنے والے لیفٹننٹ مسٹر حفیظ پیرزادہ کے ساتھ تمام تر دوستانہ مراسم کے ، یہ بات یاد رکھنے والی ہے کہ اس وقت کے چیف الیکن کمشنر نے ایک صاف ضمیر کے ساتھ بڑی حقارت اور اہانت سے حزب اختلافات کے ان شدید مطالبات کو رد کر دیا تھا ۔ جن میں ان کے مستعفی ہونے کا مطالبہ بھی تھا ۔ اگر وہ واقعی میرے خلاف دھاندلی کے الزام پر ناراض اور کشیدہ تھے تو انہیں حزب اختلاف کے مطالبے کو خوش آمدید کہتے ہوئے اپنے عہدے سے احتجاجاً استعفیٰ دے کر یہ مطالبہ مان لینا چاہیے تھا ۔ چونکہ دھاندلی نہیں ہوئی تھی اور وہ بد قماش نہیں تھے ۔ اس لئے وہ حزب اختلاف کے احتجاج کے دباؤ میں نہیں آئے ۔ اور انہوں نے حزب اختلاف کے ''ہیرو'' کی حیثیت سے استعفیٰ دینے سے انکار کر دیا ۔ اس کے برعکس ۱۲ مارچ ۱۹۷۷ کو ایک پریس کانفرنس میں انہوں نے حزب اختلاف کے اس مطالبے کہ وہ استعفیٰ دے دیں ''سیاسی بلیک میل'' کا نام دیا ۔ یہی بات قرطاس ابیض صفحہ ۲۸ پر بیان کرتا ہے ۔

''مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات کے بعد احتجاجات کا جو سلسلہ شروع ہوا، اس میں حزب اختلاف کے ایک حصے نے یہ مطالبہ بھی کر دیا کہ چیف الیکشن کمشنر مستعفی ہو جائیں ۔ چیف الیکشن کمشنر کا رد عمل یہ تھا کہ اس احتجاج کو نظرانداز کر دیا جائے ۔ ۱۲ مارچ ۱۹۷۷ کو ایک پریس کانفرنس میں انہوں نے سیاسی بلیک قرار دے کر اپنے عہدے سے استعفیٰ دینے کے مطالبے کو رد کر دیا چونکہ اس کی وضاحت کی سیاسی دباؤ کے تحت اس لیے استعفیٰ جوڈیشنل مس کنڈیکٹ'' میں بے پناہ اضافے کا سبب بنے گا ۔ لیکن احتجاجات کا سلسلہ سرد نہ ہوا اور تین ماہ کے اندر اندر، چیف الیکشن کمشنر ، طبی علاج کے لئے رخصت لے کر سرکاری خرچے پر بیرون ملک چلے گئے'' ۔

جب میں نے جنوری ۱۹۷۷ء میں چیف الیکشن کمشنر کو تین سال کے لئے مزید توسیع ملازمت دی تھی تو میں نے اپنے اس فیصلے کے عواقب و اطراف کا پورا جائزہ لیا تھا ۔ اس وقت میں بد تر حالات و بحران کے سینگوں پر تھا ۔ لیکن جانتا تھا کہ ان کا حزب اختلاف کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے ۔ میں جانتا تھا کہ گجرات سے تعلق رکھنے والے ایک سیاست دان کے ساتھ اس

کے گہرے مراسم ہیں ۔ میں جانتا تھا کہ وہ ایک بہادر جنگجو کی طرح اپنی دلاوری کے حوالے حزب اختلاف کو یقین دلا رہے ہیں کہ وہ ان کی طرف سے "آزاد" رہیں گے ۔ انہوں نے حزب اختلاف کو متعدد بار یقین دلایا تھا کہ جونہی انہوں نے حکومت کی مداخلت کی بو سونگھی وہ اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیں گے ۔ وائٹ پیپر کے صفحہ ۳۷ پر الیکشن کمشن کے سکرٹری مسٹر اے زیڈ فاروق کے ضمنی بیان سے یہی بات سامنے آتی ہے ۔ جس میں اس نے بیان کیا ہے :

"مسٹر سجاد احمد جان اکثر شدید دباؤ میں رہتے تھے اور اکثر یہ سوچتے تھے کہ وہ مستعفی ہو جائیں" ۔

ان حالات میں قومی اسمبلی میں ۷ جنوری ۱۹۷۷ کو عام انتخابات کا اعلان کرتے ہوئے، اگر میں ان کے عہدۂ ملازمت میں توسیع نہ کرتا تو بھی اسی طرح کا شور مچایا جاتا ۔ جس طرح کا اب چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نے ، اپنے "آبائی قصبے" کے نئے الیکشن کمشنر کی تقرری پر ہوا ہے ۔ میں انتہائی سخت تنقید کی زد میں آجاتا ۔ میں شیطان اور گہرے نیلے سمندر کے درمیان پھنسا ہوا تھا ۔ اسی لئے الیکشن کمیشن کے ادارے پر عوام کے اعتماد کو پختہ کرنے کے لئے کہ یہ ایک آزاد ادارہ ہے، میں نے ان کی ملازمت میں توسیع کر دی ۔

بہرحال جیسے کہ توقع تھی، میں تنقید کے نشانے پر آگیا ۔ یہ تنقید حزب اختلاف کی طرف سے نہیں تھی بلکہ میرے ہمدردوں اور حامیوں کی طرف سے تھی ۔ مخالف سیاسی جماعتوں نے اس توسیع کو خوش آمدید کہا ۔ اور تنقید جسے موجودہ حکومت تلاش کر سکی ہے ۔ وہ کراچی کے اردو رسالے "الفتح" کی ہے ۔ اور تنقید کے حصول کے لئے برابر حکومت نے مزید بڑی محنت سے اپنے ذرائع استعمال کئے ۔ اور یہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئی کہ کراچی کے جریدے "اکانومسٹ" نے "الفتح" کو اپنے شمارے مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۷۷ء کو دوبارہ شائع کیا ۔ قرطاس ابیض کے صفحہ ۲۷ پر دریافت بیان کی گئی ہے ۔ بہرحال، گذشتہ آٹھ ماہ میں اس جریدے الفتح پر جو کچھ گزری اور اس کے ساتھ جو کچھ کیا گیا، اس سے مجھے موجودہ دائیں بازو کی حکومت نے بائیں بازو کے جریدے کے حوالے سے خراج پیش کیا ہے ۔ اگر اس وقت کے چیف الیکشن کمشنر، حزب اختلاف کے محبوب کے عہدے کی مدت میں توسیع نہ کی جاتی تو موجودہ حکومت کو بے شمار تنقیدی اور مخالفانہ مضامین اور بیانات دستیاب ہو جاتے جن کے حوالے سے قرطاس ابیض میں اس بے انصافی کے خلاف واویلا کیا جاتا ۔

اگر چیف الیکشن کمشنر میری کٹھ پتلی ہوتے تو پھر وہ ۱۲ مارچ ۱۹۷۷ کو اپنی پریس

کانفرنس میں یہ نہ کہتے کہ کمیشن نے ایک "فول پروف" مشینری فراہم کی تھی ۔ لیکن "اگر غنڈے ، ڈاکو ، فسادی اس مشینری کو توڑنا چاہتے تھے تو کمیشن کیا کر سکتا تھا ؟ یہ الفاظ جو قرطاس ابیض کے صفحہ ۴۲ پر درج ہیں ۔ کسی ایسے شخص کے نہیں ہو سکتے جو بے بس مجبور اور کٹھ پتلی ہو ۔ فسادی لوگ دونوں طرف تھے ۵ جولائی ۱۹۷۷ کے موجودہ سیٹ اپ کے بعد ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے تو نظر آتا ہے اب غنڈے ، بدمعاش ڈاکو اور فسادی دوسری طرف دکھائی دے رہے ہیں حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد اس میں سے بعض پھسل کر اس حکومت کی صفوں میں چلے گئے ہیں ۔ اس وقت کے چیف الیکشن کمیشنر نے جب یہ ریمارک دیا تھا تو یقیناً ان کے ذہن میں مشین گنوں والے سیاست دان ، ایک پیسوں کا تاجر وزیر اعلیٰ اور ایک نیلی دا ڑھی موجود تھی ۔ تباہی اور مصیبت کے اپنے ہی چہرے ہوتے ہیں ۔

دونوں اطراف کے ان غنڈوں ، ڈاکوؤں اور بدمعاشوں نے خواہ کتنا ہی نقصان پہنچایا تھا تاہم یہ کسی طرح جائز نہ تھا کہ ڈراکولا کی فوجی حکومت الٹنے والی طاقت کو دعوت دی جاتی ۔ یہ نقصان اتنا معمولی تھا کہ اپنی ایک اور پریس کانفرنس منعقدہ ٦ اپریل ۱۹۷۷ میں چیف الیکشن کمشنر نے وعدہ کیا کہ یہ سب کاٹھ کباڑ چھ ماہ میں صاف کر دیا جائے گا" اس بات کا اظہار قرطاس ابیض کے صفحہ ۲۵۹ پر ہوا ہے ۔

اگر میری حکومت نے کسی قسم کی مداخلت کی ہوتی تو چیف الیکشن کمشنر اتنی بات سے پہلے درمیان یا بعد میں پی پی سی کے ایک نمائندے سے یہ وعدہ نہ کرتے کہ انتظامیہ کی مداخلت کے پہلے اشارے پر ہی استعفیٰ دیدیں گے" ان کا یہ انٹرویو ڈان نے ٦ اپریل ۱۹۷۷ کو شائع کیا تھا ۔ (صفحہ ۲۵۸)

میری حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد ۲۸ نومبر ۱۹۷۷ کو وطن واپسی پر مسٹر جسٹس سجاد احمد خان نے پریس انٹرویو میں سخت الفاظ استعمال کئے ۔ لیکن انہوں نے مجھ پر دھاندلی کا الزام نہیں لگایا ۔ ان کے پریشان اعصاب کے پیش نظر ان کے سخت الفاظ کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے ۔ اہم حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مجھ پر سرکاری مداخلت یا دباؤ کا الزام عائد نہیں کیا ۔ میں جیل میں مقدمہ قتل کے سلسلے میں تھا ۔ موجودہ حکومت ہر اس شخص کو شاباش دے رہی تھی جو مجھ پر حملہ کرتا تھا ۔ سابق چیف الیکشن کمشنر محض ایک شخص نہ تھا ۔ مسٹر سجاد احمد خان نے جو پریس کانفرنس کی اور جو قرطاس ابیض کے صفحہ ۳۳۱ صفحہ ۳۲۱ میں درج ہے ۔ اس سے نظر آتا ہے کہ انہوں نے الزام لگانے والی انگلی امیدواروں کی طرف اٹھائی ہے ۔ اس پریس انٹرویو کا اہم حصہ یوں ہے ۔

بیرون ملک سے اپنے علاج کے بعد واپسی پر انہوں نے اے ۔ پی پی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا نقص ان گراؤنڈ رولز میں نہیں تھا جو الیکشن کمیشن نے تیار کئے تھے اور کوئی رقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا کہ انتخابات منصفانہ اور آزادانہ ہوں ۔ اسی انتخابی طریقے کی ناکامی کا بڑا سبب حکمران پارٹی کے وہ امیدوار تھے جنہوں نے اپنی حیثیت سے اور پارٹی میشن سے ناجائز فائدہ اٹھایا ۔ اور انتخابات کے انچارج سرکاری افسروں کو دبانے میں کامیاب ہو گئے ۔ یوں انہوں نے بیلٹ پیپر کے تقدس کو مجروع کیا ۔

انہوں نے کہا ۔

میں کسی تضاد کے خوف کے بغیر یہ بیان دیتاں ہوں کہ کسی بھی وقت خواہ میں صدر اور وزیر اعظم تھا یا اس کے بعد جبکہ میں جیل میں پھانسی کی کوٹھڑی میں ہوں سابق الیکشن کمشنر جسٹس سجاد احمد خان نے ذوالفقار علی بھٹو یا اس کی حکومت پر یہ الزامات نہیں لگائے ۔

(ا) سرکاری مداخلت

(ب) سرکاری دباؤ

(ج) سرکاری دھاندلی

(د) سرکاری دھمکیاں وغیرہ

یہ عجیب بات ہے کہ سرکاری دھاندلی پر مبنی اس دستاویز کے مرتبین نے ان سے بیان لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی ۔ ان کے تمام بیانات سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں اور مسٹر اے ۔ زیڈ فاروقی کے ذریعے بیان و مرقوم ہوتے ہیں جبکہ حقائق کا یہ تقاضا کہ اسی وقت کے چیف الیکشن کمشنر کا بیان لیا جاتا اور ان سے پوچھ گچھ کی جاتی ۔ اگر وہ پاکستان میں واپسی کے بعد ۲۸ نومبر ۱۹۷۷ کو ایک پریس کانفرنس کر سکتے تھے تو وہ یکم نومبر ۱۹۷۷ کو قائم کی جانے والی انکوائری کمیٹی کے سامنے بھی پیش ہو سکتے تھے ۔ اگر انہوں نے ۹۰۰ گواہوں سے پوچھ گچھ کی اور ان کے بیانات لئے تو پھر سب سے پہلا بیان تو سابق چیف الیکشن کمشنر کا ہونا چاہیے تھا ۔ اگر پہلے درجے کے گواہ سے پوچھ گچھ نہیں ہوتی تو پھر وہ بڑے وعدہ صاف گواہ ہیں ۔ شاید ان کا بیان ریکارڈ کیا گیا تھا ۔ لیکن اگر ایسا ہوا تو پھر وہ غریہ جلد سے کیوں غائب ہے ! اور اگر بیان ریکارڈ نہیں کیا گیا تو پھر اس کی وجہ بیان کیوں نہیں کی گئی ؟

یہ بھی بڑی عجیب اور انوکھی بات ہے کہ مارشل لاء کے نفاذ کے ایک دن بعد ہی ٦ جولائی ۱۹۷۷ سیکرٹری الیکشن کمیشن کو اپنے فرائض جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ۔ جیسا کہ اس نے اپنے بیان میں خود بتایا جو قرطاس ابیض کے صفحہ ۳۴ پر پر موجود ہے ۔ مسٹر اے ۔ زیڈ فاروقی ایک انتہائی

مراعات یافتہ گواہ ہیں جنہوں نے جھوٹے اور کئی غیر اخلاقی طریقوں کے ساتھ مجھے اور میری حکومت کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے ۔

اس کے باوجود اس نے سابق چیف الیکشن کمشنر کی کہیں مذمت نہیں کی ۔ بلکہ اس کے برعکس ہر جگہ ممکن طریقے سے ان کا دفاع کیا اور ان کی مشکلات اور حدود کی وضاحت کی ہے ۔ اپنے سابق آقا کی صفائی پیش کرتے ہوئے سیکرٹری الیکشن کمیشن نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ بے چاری روح ۔۔ اکثر شدید باؤ میں رہتی تھی اور اکثر مستعفی ہو جانے کے بارے میں سوچا کرتی تھی قرطاس ابیض صفحہ ۱۵۰ اور ۱۵۱ پر مسٹر اے زیڈ فاروقی نے مسٹر جسٹس سجاد احمد جان کو بطور ایک بہادر اا ور محب وطن اور صاحب کردار کی حیثیت سے پیش کیا ہے ۔

یہ بھی دیکھئے کہ جہاں حکومت کا تختہ الٹنے کے ایک دن بعد صدارتی آرڈر نمبر ۴ کے ذریعے مسٹر فاروقی کو دوبارہ عہدے پر بحال کیا گیا ۔ وہاں مسٹر سجاد احمد جان کے چیف الیکشن کمشنر کو فی الفور اس عہدے سے سبکدوش کر دیا گیا یہ اطلاع قرطاس ابیض کے صفحہ ۲۸ پر فراہم کی گئی ہے ۔ فاروقی کی بحالی ایک پیٹرن کے تحت ہوئی لیکن ان کے باس کو جن کا وہ دفاع کرتے اور سراہتے ہیں جس طرح سے ناک آؤٹ کیا گیا اس کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے ؟ کیا سجاد احمد جان اس فوجی ٹولے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں یا ایک ایسا فرد ہیں جو دھاندلی کی سازش میں ملوث تھے ۔ بہر حال دونوں میں سے کوئی بات ہو ۲۵ جولائی ۱۹۷۸ کو جب قرطاس ابیض جاری کیا گیا جو بد عنوانی اور دھاندلی پر آخری لفظ ہے تو اس سے پہلے الیکشن کمشنر کی پوزیشن واضح کرنی ضروری تھی ۔ جبکہ قرطاس ابیض سابقہ الیکشن کمشنر کے سابقہ بیانات اور پریس کانفرنسوں پر بہت حد تک انحصار کرتا ہے اس میں الیکشن کمشنر کے سیکرٹری نے اس کے بارے میں باتیں کی ہیں اور ان کا نام لے کر باتیں منسوب کی ہیں اس میں خود اس شخص کی طرف سے کوئی مستند اعلان اور بیان شامل نہیں یہ وہ آدمی ہے جس کی سب سے زیادہ اہمیت بنتی ہے ۔

ڈارون کی کھوئی ہوئی کڑی ابھی تک دریافت نہیں ہو سکی سجاد احمد جان کے اپنے بیان اور شہادت کی عدم موجودگی نے صورت حالات کو بطور خاص پریشان کن بنا دیا ہے ۔ قرطاس ابیض کی ریلیز کے تین دن بعد سجاد احمد جان نے لاہور میں اے پی پی کے نمائندے کو جو بیان دیا اس سے صورت حال مزید بگڑ جاتی ہے ۔ ۲۸ جولائی ۱۹۷۸ کے اس ڈسپیچ میں بتایا گیا ہے کہ سابق الیکشن کمشنر اب سوئی گیس کے زہر کے اثرات سے بحال ہو چکے ہیں ۔ اگر یہ درست ہے تو پھر قرطاس ابیض کے مرتبین کا یہ فرض بنتا تھا کہ وہ اس بنیادی اہمیت کے حامل فرد کا بیان ریکارڈ

کرتے اس نامکمل دستاویز کے درمیان جو خلا باقی ہے اسے اس عرصہ میں پر کیا جاسکتا تھا ۔ اگر سابق جج اس وقت جبکہ "چڑیلوں" کا شکار ہو رہا تھا دستیاب نہیں تھا تو اس کی صحت کی بحالی کے بعد اس کا بیان ریکارڈ کیا جانا چاہیے تھا ۔ اس طرح اس دستاویز کی اہمیت میں اضافہ ہوتا۔ قرطاس ابیض کی ترسیل میں اس ضمیمے کے اضافے کی وجہ سے ایک دو ہفتوں کی تاخیر ہو سکتی تھی ۔ اب قاری اس گہرے اور خوفناک خلاء سے خود ہی نتائج اخذ کر سکتا ہے کہ اس دستاویز کی کیا حیثیت ہے ؟

موجودہ چیف

یہ اس فوجی ٹولے اور حکومت کی مکاری واضح ثبوت ہے کہ چیف الیکشن کمشنر کے آزاد اور خود مختار عہدے کو ایسے بنجرپن اور دھاندلی سے مسخ کیا گیا کہ چیف الیکشن کمشنر کا عہدہ اور لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کا عہدہ ایک کر دیا گیا ۔ لاہور ہائی کورٹ کا چیف جسٹس جسے اس وجہ سے شہرت حاصل ہوئی کہ میرے خون کا پیاسا ہے ۔ اس چیف الیکشن کمشنر کو میری ذات سے جو عناد ہے اسے اب بین الاقوامی سطح پر محسوس کیا جاسکتا ہے ۔ یہ ایک ایسی ٹھوس حقیقت ہے جس کی نفی نہیں کی جاسکتی ۔

اس شدید عناد کا پس منظر بھی ہے مولوی مشتاق حسین نے میری نظربندی کی درخواست کی سماعت ان کیمرہ لاہور جیل کیمپ کی دیواروں کے پیچھے سماعت کرنے مسرت کا اظہار کیا تھا ۔ یہ جنوری ۱۹۶۹ کا واقعہ ہے بہرحال یہ وہ نہیں تھے جنہوں نے مجھے نظربندی سے رہائی دی ۔ بلکہ حکومت تھی جس نے میری نظربندی کے احکام حالات و واقعات کے پیش نظر واپس لے لئے تھے ۔

حالات کے تبدیل ہونے کے بعد جب میں صدر پاکستان بنا تو مولوی مشتاق حسین نے پنجاب ہاوس راولپنڈی میں مجھ سے ملاقات کی انہوں نے اپنی خواہشات کے حوالے سے سیدھے اور واضح اشارے دئے اور یہ تجویز پیش کی کہ ایسے نازک حالات میں جو پاکستان کی تاریخ میں آئے ہیں صدر کو ایک ایسے بااعتماد شخص کی ضرورت ہے جو عدلیہ پر کنٹرول کر سکے ۔ جب ان کی امیدیں پوری نہ کر سکا تو بہت بد دل اور منغفق ہوئے اس کے کچھ ماہ بعد جب سردار محمد اقبال کو میری حکومت نے لاہور ہائی کورٹ کا چیف جسٹس مقرر کر دیا تو ان کی ناراضگی میں مزید اضافہ ہوا ۔ انہوں نے اپنے غصے کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی اپنی ناراضگی کا اظہار انہوں نے کئی طریقوں سے اپنی سرکاری اور دوسری حیثیت سے کیا ۔ اس نے پنجاب کے سابق گورنر

اور وزیر اعلیٰ غلام مصطفیٰ کھر کو تجویز پیش کی کہ میرے سر پر گولی مار دی جائے اس کے بعد جب آئینی ترمیم کے بعد مسٹر جسٹس اسلم ریاض حسین کو پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس بنایا گیا تو انہوں نے اس دوسری سبقت کو ایک ناقابل برداشت اہانت قرار دیا اور اس حد تک کہ میرے مقدمہ قتل کی سماعت کے پہلے دن ہی انہوں نے اپنے غصے کا اظہار کر دیا اور بطور خاص ان پر ان پر سبقت دے کر دوسروں کو چیف جسٹس بنانے کو ایک "منافقانہ کیس" قرار دیدیا ۔

اس سے پہلے ۱۹۷۵ کے موسم خزاں میں انہوں نے مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ کے ساتھ ناخوشگوار اور ناقابل ذکر رویے کا اظہار کیا جو ایک سینئر وفاقی وزیر تھے ۔ جب دوسری بار ان پر سبقت دی گئی تو انہوں نے اپنے سرکاری فرائض کو سنجیدگی سے ادا کرنے کا عمل ترک کر کے ، اپنے چیمبرز میں پیچ و تاب کھاتے رہے ۔ معمولی سی بات پر وہ یورپ پرواز کرنے لگے جب ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو حکومت کا جبراً تختہ الٹا گیا تو وہ اس وقت یورپ میں تھے ۔ فوجی ٹولے کے رنگ لیڈروں نے انہیں اپنے اندرونی ٹولے کا رکن بننے کے لئے پاکستان طلب کر لیا ۔ اس دعوت کا خیر مقدم انہوں نے کسی جنونی کے سے شوق و جوش سے کیا ۔

سروسز میں میرٹس کے اعتبار سے ان کا معاملہ دوسرا تھا تاہم انہیں فی الفور پنجاب ہائیکورٹ کے ایکٹنگ چیف جسٹس کا عہدہ دیدیا گیا ۔ چیف جسٹس کی حیثیت سے ان کے عہدے کی توثیق میرے خلاف مقدمہ قتل کے دوران کر دی گئی ۔ ایک ہی وقت میں جبکہ ان کی تقرری بطور ایکٹنگ چیف جسٹس ہوئی اور چیف الیکشن کمشنر کے عہدے پر بھی فائز کر دیا گیا ۔ انہوں نے اپنی اس تقرری کو پاکستان پیپلز پارٹی پر شرمناک حملہ کر کے بیتسمہ دیا ۔ انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی اور میری حکومت پر یہ گھٹیا حملہ اپنے اس انٹرویو میں کیا جو ریڈیو اور ٹی وی پر سنا اور دیکھا گیا ۔

اس وقت جب انہوں نے ۱۳ ستمبر ۱۹۷۷ کو مقدمہ قتل سنبھالا مسٹر جسٹس صمدانی اور مسٹر جسٹس منظیر الحق پر مشتمل ڈویژنل بنچ کو نکال باہر کیا جو کہ اس کیس کی پہلے سے سماعت کر رہے تھے تب سے لے کر مقدمہ قتل میں اپنے فیصلے مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۷۸ تک لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کا رویہ ایک تکلیف دہ اور تلخ طویل داستان ہے ۔ انہوں نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کیا اور لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے جو رویہ اختیار کیا اس کے نمایاں پہلوؤں کو میں سپریم کورٹ میں اپنی اپیل کے میمورنڈم میں شامل کر چکا ہوں اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اس کہانی سے اپنی روابت کو بوجھل کر وہ مجھے پھانسی دینے اور جب تک مر نہ جاؤں پھندے سے لٹکا رہے کہ الفاظ جو اُن کے فیصلے میں ہیں انہوں نے ان الفاظ کو چٹنی دے

کے ساتھ اداکیااور حکم دیاکہ مجھے پھانسی کوٹھری میں منتقل کر دیاجائے جوکہ موت سے بھی زیادہ اہانت آمیز ہے ۔

ان سب چیزوں کی تاجپوشی کرتے ہوئے ، قرطاس ابیض جو مارچ ۱۹۸۸ کے عام انتخابات کے انعقاد و عمل کے بارے میں ہے ۲۵ جولائی ۱۹۷۸ کو ایسے وقت ہنگام میں جاری کیاگیا جب میرا وکیل صفائی عدالت میں اپنی آخری تقریر کرنے والاتھا ۔ اس سے پہلے ہی استغاثہ نے موجودہ حکومت کی طرف سے بولنا شروع کر دیا ۔ جبکہ موجودہ حکومت اس دستاویز کے ذریع براہ راست میرے خاتمے اور تباہی کے لئے بول اٹھی ہے ۔ قرطاس ابیض کے متیاروں کے ذریعے دراصل دفاع کو گھیرے میں لینااس کااصل مقصد ہے ۔

انتخابات پر قرطاس ابیض بنیادی طور پر الیکشن کمشنر کے اختیارات اور دائرہ کار میں آتا ہے ۔ تاہم دوسرے طبقے اس میں مناسب تعاون کاکردارادا کرتے ہیں ۔ میں یہاں مثال سے واضح کرنا چاہتاہوں کہ انتخابات سے متعلق تمام امور میں چیف الیکشن کمشنر کی ذمے داری اسی طرح کی ہوتی ہے ۔ جیسے کہ ایک زمانہ جنگ اور امن کے امور میں ایک سپریم کمانڈر کی ہوتی ہے ۔ جس کے ساتھ وزارت خارجہ ایک معاون کا کردار ادا کرتی ہے ۔ اسی طرح وزارت قانون وہ وزارت ہے جو الیکشن کمیشن کے متعلقہ امور کے ساتھ تعاون کاکردارادا کرتی ہے ۔ اٹارنی جنرل کا کاؤنٹر پارٹ چیرمین آف دی جوائنٹ چیف آف سٹاف ہے میں یہ رائے ایک بے خبراور سزا یافتہ "قاتل" کی حیثیت سے نہیں دے رہابلکہ اپنے تمام تر انتظامی تجربے کی بنیاد پر دے رہاہوں میں آٹھ برس تک وفاقی وزیر رہااور ساڑھے پانچ برس تک پاکستان کاصدر اور وزیر اعظم رہاتھا ۔ یہاں اور وہاں قرطاس ابیض کے مرتبین کی کنٹری بیوشنز دکھائی دیتی ہیں ۔ کوئی بھی بہ آسانی دیکھ سکتا ہے کہ شوربے میں کتنی انگلیاں ڈالی ہوئی ہیں طرح طرح کے اشارے ملتے ہیں اس کی مثال صفحہ (III) پر ہے جس میں تعارف کو اس طرح اینٹی کلایمکس نوٹ کے ساتھ خاتمے تک پہنچایاگیا ہے ۔

قرطاس ابیض میں جو چیزیں نقل کی گئی ہیں ۔ ان میں ہجوں اور املاکی جو غلطیاں ہیں ۔ ان کے لئے ایک حرف معزرت کی ضرورت پڑتی ہے چونکہ بنیادی طور پر یہ ان دستاویزات کی غلطیاں ہیں ۔ اس لئے کوئی ایسی کوشش نہیں کی گئی کہ گرائمریا ہجوں وغیرہ کی غلطیاں دود کی جائیں بیانات جو مشکوک صلاحیت کے سٹینوں گرافروں نے ریکارڈ کئے انہیں بھی اسی صورت میں چھواگیا ہے کہ وہ قطعی طور پر مبہم نہ رہ جائیں ۔ سیاسی / سرکاری اصحاب نے اپنے نکات کو نمایاں

کرنے کے لئے کیپیٹل لیٹرز (بڑے حروف) استعمال کئے ہیں اس لئے متن کے اپنے ورشنوں میں کسی قسم کی مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ۔ قرطاس ابیض کے صفحہ ۳۱ پر بیان ہوتا ہے مسٹر بھٹو بطور خاص اس حلقہ نیابت کے سلسلے میں بہت ناراض تھے ۔ جو شاید میرپور خاص کی حلقہ نیابت میں ہے جس میں مسٹر قائم علی شاہ دلچسپی رکھتے تھے ۔ میرے نام یہ بیان وقار احمد سابق کیبنٹ سیکرٹری کے حوالے سے منسوب کیا گیا ہے ۔ لیکن صرف وہی شخص جو سندھ کا ابتدائی سیاسی صورت حال سے ناواقف ہو وہی اس بات کو قرطاس ابیض میں شامل کراسکتا ہے ۔ اس قسم کے بیانات نے اس دستاویز کی صحت کو بری طرح ہلاکر رکھ دیا ہے ۔ قائم علی شاہ کا تعلق خیرپور بالائی سندھ سے ہے ۔ نشیبی سندھ کے میرپور خاص سے اس کا کوئی تعلق یا واسطہ سرے سے نہیں بنتا ۔ مسٹر بروہی جو کہ مسٹر قائم علی شاہ کے برادر نسبتی ہیں وہ میری اس رائے کی تصدیق کر سکتے ہیں ۔

یہ حقیقت ہے جس کا اظہار خود قرطاس ابیض کرتا ہے کہ اس دیندار حکمران ٹولے نے جو مواد اور بنیادیں جمع کیں وہ پوری کی پوری اس میں پیش نہیں کی گئی ۔ تعارف میں صفحہ (II) پر بتایا جاتا ہے ۔

نہ یہ ممکن تھا نہ ہی مفید کہ کمیٹی کی تمام رپورٹیں نقل کی جاسکتیں .....

ان کی صحت کا انحصار چند ماہرین پر کیا گیا ۔ اور ایک رپورٹ پر جسے انکوائری کمیٹی نے اختیارات کے غلط استعمال دوسرے غلط کاموں کے لیے تیار کیا تھا ۔ اس کے لئے انکوائری کمیٹی نے مسٹر محمد خان جونیجو حکومت سندھ کے سابق سیکرٹری داخلہ تھے ، ان کے بارے میں تحی جواب معطلی کے بعد نظر بند ہیں چونکہ یہ رپورٹ انتخابات میں صرف ان کے کردار سے تعلق رکھتی تھی اور ایک ضمیم دستاویز ہے ۔ اس لئے یہ ممکن نہ تھا کہ اس پوری رپورٹ کو بطور ایک ضمیمہ شامل کیا جاسکتا ۔

جھوٹے فریب پر مشتمل خامکار اور نامکمل مواد کو میرے خلاف استعمال کرنا پہلے سے ذہنوں میں طے کر لیا گیا تھا جو حوالہ نیچے دے رہا ہوں وہ وائٹ پیپر کے متن میں شامل ہے ۔

مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات کے بعد جزب اختلاف نے ہر حلقہ انتخاب کے بارے میں ایک طوفان کھڑا کر دیا ۔ وہ چاہتے تھے کہ انتخابات کالعدم قرار دیئے جائیں ، کیونکہ ہر حلقہ کے انتخاب میں دھاندلیاں ہوئی تھیں ۔ یہ صورت حال بہت ابتر تھی اور غلط تاہم حزب اختلاف کا تمام انحصار میرٹس پر نہیں بلکہ محض الزامات پر تھا ۔ جب یہ احتجاج اپنے عروج پر پہنچا تو ان کا مطالبہ زیادہ غیر معقول ہو گیا ۔ لیکن قرطاس ابیض نے ملک کے تمام حلقہ انتخابات میں سے صرف دو حلقہ

بائے انتخابات کا چناؤ کیا ہے جس سے دھاندلیوں کے پھیلاؤ کو واضح کیا جا سکے ۔
ایک کا تعلق یحیٰ بختیار سابق اٹارنی جنرل اور میرے وکیل صفائی سے ہے دوسرا حلقہ انتخاب کا تعلق ایبٹ آباد سے ہے ۔ جسے محض اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ اسے مسٹر یحیٰ بختیار کے خلاف پیش کئے جانے والے مواد کو توازن سے ہمکنار کر کے تقویت دی جا سکے ۔ اس کاروبار میں جو ایسی چالیں چلی جاتی ہیں ہم انہیں بہت اچھی طرح جانتے ہیں مسٹر یحیٰ بختیار کا اتنا بڑا اسکینڈل بنا دیا گیا ہے کہ اس کا خاص حوالہ نویں باب میں دیا گیا ہے مزید بر آں اسے باب دوئم میں بھی یہی اہمیت دی گئی ہے ۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ قرطاس ابیض کے مرتبین مسٹر یحیٰ بختیار سے اتنی نفرت کرتے ہیں ، جتنی کہ مجھ سے ۔ یہی وجہ ہے کہ جان دی بیپٹسٹ اور اس کے رہنما کی جگہ براباکو منتخب کیا گیا ہے ۔ اور پھر یہ دیکھیے کہ داستان طرازی کی حکایتوں کے اس مجموعے قرطاس ابیض میں اپنی توجہ کا مرکز ایک ایسے حلقہ انتخاب کو بنایا ہے جو انتہائی دور افتادہ ضلع پشین میں ہے ۔

قرطاس ابیض کے صفحات ۱۵۲ اور ۱۵۳ اس حوالے سے درج کئے جانے کی ضرورت ہے کہ ایک وکیل دفاع نے اپنے ملزم سزا یافتہ کے لئے جو آزادیاں اور سہولتیں مانگی تھیں ان کی تخفیف کی گئی اس سے یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ وہی شخص اسی غیر اطلاقی صورت حال تک جا سکتا ہے جو اپنے جرم کے رد عمل میں شدید پریشانی اور تکلیف میں مبتلا ہو ۔

مسٹر مسعود نبی نور نے ایک اور ڈائریکٹو اپنے ایڈیشنل سیکرٹری کو ۳ مئی ۱۹۷۷ کو جاری کیا (ضمیمہ ۱۳۸) یہ ہدایت کابینہ کے اس فیصلے پر مشتمل تھی جو گورنمنٹ ہاؤس کی ایک میٹنگ میں کیا گیا کابینہ کی میٹنگ کی کارروائی کے متعلقہ

مشتمل منٹس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے :

"وزیر اعظم اس پر خوش ہوئے کہ مجوزہ معاہدے کو قبول کر لیا جائے گا تو وہ ایک اور مسئلے کو اٹھائیں گے ۔ بہت سے اخبارات ایسے لوگوں کے پیغام شائع کر رہے تھے جو جیلوں میں بند تھے ۔ جب ایک شخص کو جیل بھیج دیا جاتا ہے تو اسے اس کی آزادی سے محروم کر دیا جاتا ہے ۔ اس لئے پریس کسی کے پیغامات شائع نہیں کر سکتا ۔ مزارت اطلاعات کو چاہئیے کہ وہ اخبارات کے خلاف کارروائی کرے ۔

۲ مئی ۱۹۷۷ء کو یہ معاملہ پھر اجلاس میں زیر بحث لایا گیا ۔ جس کی صدارت سابق وزیر اعظم نے کی تھی ۔ جن کی ہدایت تھی کہ براہِ راست اور فوری کارروائی ان لوگوں کے خلاف کی جائے جو اس قانون شکنی کے مرتکب ہوئے ہیں ۔ یہاں قانون شکنی کرنے والوں کا فطری

مفہوم اخبارات ہیں جو ان لوگوں کے پیغامات اخبارات میں شائع کر رہے ہیں جو پی این اے کی تحریک میں شامل ہونے کی بنا پر جیلوں میں بند تھے۔"

زیر حوالہ ڈائریکٹو کے مطابق وزیر اعظم نے یہ ہدایت جاری کی کہ اگر ضروری ہو تو وزارت اطلاعات و نشریات اپنے پینل پر ایک قانونی مشیر کو رکھے ، جس کے سامنے ایسی نوعیت کے کیس قانونی مشورے کے لئے پیش کئے جائیں ۔ مزید بر آں ہر معاملہ میں عمومی ایڈوائس لا ڈویژن سے حاصل کی جائے ۔ (اس کا موازنہ ان سہولتوں کے مطالبے سے کیا جا سکتا ہے جو مسٹر بھٹو اور اس کے وکیل نے ان پر مقدمہ چلائے جانے کے وقت سے کئے ہیں)

صفحہ ۱۵۵ پر "کچلنا" کے زیر عنوان قرطاس ابیض کے مصنف نے بڑی تفصیل و مبالغے سے یہ بتایا ہے کہ میں نے کس طرح اپنے مخالفین کو "کچلا" اور دبایا ۔ میں نے "کچلنے" کا کون سا کام کیا؟ وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات نے ایک ایسے اخبار کے بارے میں بعض انتظامی تدابیر اختیار کرنے کی تجویز پیش کی جو بغاوت کے شعلوں کو ہوا دے رہا تھا ۔ "کافروں" کے خلاف جہاد کے لئے پکار رہا تھا ۔ اور کسی بات پر رک ہی نہیں رہا تھا ۔ یہ اخبار بعض لیڈروں ، رجعت پسندوں ، موقع پرستوں اور مخالفت برائے مخالفت کرنے والوں کے نصب العین کا چیمپین تھا ۔

لیاقت علی خان ، پاکستان کے پہلے وزیر اعظم کے زمانے سے اس اخبار نے ایک عدم تحمل اور امتیاز کے اصول کی راہ اختیار کی تھی ۔ اس اخبار کے فائل اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں کہ اس نے بلاجواز اور بے بنیاد انداز میں ملک کے منتخب وزیر اعظم پر وحشیانہ حملے کئے اور تنقید کی بطور خاص ملک کے پہلے اور دوسرے وزیر اعظم لیاقت علی خان اور خواجہ ناظم الدین بطور خاص اس کے بے رحم حملوں کا ہدف بنے ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اس اخبار کا وطیرہ رہا کہ وہ ڈکٹیٹروں اور ڈکٹیٹروں جیسے گورنر جنرلوں ، غلام محمد اور چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر جنرل ضیاالحق کی حمایت کرتا رہا ۔

۱۹۷۷ء کے موسم بہار میں ہونے والی گڑبڑ میں اس نے تمام حدود پار کر دیں ، ہر رکاوٹ کو توڑ دیا ۔ حکومت اگر اسے مزید ابندھن فراہم کرتی تو اپنے ان فرائض سے غلفت برتتی جو عوام نے اسے سونپے تھے ۔

اس اخبار کی انتہائی اشتعال انگیزی کے باوجود میری حکومت نے اس کے ایڈیٹر کے خلاف کوئی فرضی مقدمہ قتل قائم نہیں کیا ۔ نہ ہی اسے الٹا لٹکانے کی ہی دھمکی دی ۔ ہم نے نہ تو صحافیوں کو کوڑے لگائے اور نہ ہی اس اخبار کا پرنٹنگ پریس چوری کرایا ۔ نہ ہی اس کی اشاعت

ایک رات کے لئے بھی بند کی ۔ "کچلنے کا عظیم" مشورہ جو وفاقی وزیر اطلاعات نے دیا تھا وہ کچھ یوں تھا :

(ا) تمام سرکاری اشتہارات بند کر دئے جائیں ۔ یہ تجویز سرکاری اشتہاروں کے لئے پیش کی گئی تھی ۔ کیونکہ یہ حکومت کی تحویل میں ہوتے ہیں اس لئے ان سرکاری اشتہارات کو روک دیا جائے ۔

(ب) ایڈیٹر ایڈیٹر کی انکم ٹیکس ریٹرن کے بارے میں انکوائری شروع کی جائے۔ کسی قسم کی دھمکی پر مبنی اور نہ ہی انکم ٹیکس کے جعلی مطالبات کئے گئے ۔ کوئی بھی حکومت اس کی مجاز ہوتی ہے کہ اس اخبار کے خلاف قانونی اور مجاز کھلی انکوائری کرائے کیونکہ اس اخبار کا کاروبار بڑا وسیع ہے اور اس کی اشاعت اسی ہزار یومیہ ہے ۔

(ج) پنجاب گورنمنٹ سے کہا جائے کہ اس ایڈیٹر نے جو جائداد حاصل کی ہے اس کی انکوائری کرے ۔ یہ سفارش بھی قابل اعتراض نہیں ہے ۔

(د) پرائیویٹ اداروں کو کہا جائے کہ وہ اس اخبار کو اشتہارات بھیجنا بند کر دیں ۔ میں یہ بات دہراؤں گا کہ میں نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا ۔ جس کی تصدیق ان اشتہارات سے کی جا سکتی ہے جو اس اخبار میں اس خاص زمانے میں شائع ہوتے رہے ۔

(ر) تمام صوبوں ، خود مختار اور نیم خود مختار اداروں سے کہا جائے کہ وہ اس اخبار کو خریدنا بند کر دیں ۔ یہ ایک ایسی بچکانہ سفارش تھی کہ اگر میں وزیر کو یہ بتاتا کہ یہ انتہائی بچکانہ تجویز ہے تو اسے تکلیف ہوتی ۔

قرطاس ابیض میں بتایا گیا ہے کہ میں نے یہ تجویز ۲۶ اپریل ۱۹۷۷ء کو منظور کر لی ۔ میں اس کا فیصلہ پاکستان کے عوام پر چھوڑتا ہوں کہ "کچلنے کا یہ عمل" ، اگر اسے پوری طرح سے نافذ العمل کیا جاتا تو زیادہ ڈراکونین تجویز ہوتا یا جو کچھ موجودہ فوجی ٹولے نے کیا ہے ۔ اس فوجی ٹولے نے پاکستان میں پریس اور صحافیوں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے ۔ اسے کس عمل کا نام دیا جائے گا ۔ اس سلسلے میں میں یہ ہی لکھوں گا جو سلوک میرے اخبار اور اس کے پریس کے خلاف کیا گیا اسے ایک طرف رکھ کر ، نظرانداز کر کے پریس اور صحافیوں پر کیا بیتی ۔ پیپلز فاؤنڈیشن پر غیر قانونی اور جبری قبضہ کر لیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ ہلال پاکستان اور اس کے پرنٹنگ پریس کو بھی ہتھیا لیا گیا ۔ ان کا یہ عمل ، اس موجودہ فوجی حکمران کے اپنے معیار کے مطابق ، تقاضا کرتا ہے کہ ان کے دونوں ہاتھ کاٹ دئے جائیں ۔ آئیے ، ان باتوں کو ایک طرف رکھتے ہیں ۔ لیکن میں صحافیوں کو کوڑے لگائے گئے ، نظرانداز نہیں کر سکتا ۔ "الفتح" اور "معیار" کو جس طرح بند کیا

گیا اسے ہم فراموش نہیں کر سکتے ۔ فوجی ٹریبیونلز نے سرسری سماعت کے بعد ہمارے ساتھیوں کو جو سزائیں دیں وہ بھلائی نہیں جا سکتی ہیں ۔ اس وقت جبکہ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں ، صحافی بدستور گرفتار کئے جا رہے ہیں ۔ ان کی اکثریت گذشتہ چھ ماہ سے بھوک ہڑتال کر رہی ہے ۔ گذشتہ تیس برسوں میں جتنے آدمیوں نے بھوک ہڑتال کی ۔ ان کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے ۔

قرطاس ابیض کے صفحہ ۳۹۳ پر بیان کیا گیا ہے کہ ۔ "مسٹر یحییٰ بختیار کی چیئرمین شپ اس پیشہ ورانہ کمیٹی کے ارکان میں ان کے لئے کسی نرم گوشے کا نتیجہ نہیں تھی کہ جس پیشے سے وہ تعلق رکھتے ہیں" ۔ یہ پُرخیال خراج تحسین جو مسٹر یحییٰ بختیار کو پیش کیا گا ، جو اس وقت اٹارنی جنرل تھے اور انہیں لاا اینڈ آرڈر کمیٹی کا چیئرمین میں نے مقرر کیا تھا ۔ درندگی پر مبنی اس دستاویز کے خالق کو ہی یہ زیب دیتا تھا کہ ایسا رویہ اختیار کرے ۔ کیونکہ ایسی بات کہنے والے کو ہی یہ یہ صلاحیت گویا ملی ہے کہ وہ دوسروں کے دلوں کے اندر جھانک کر دیکھ سکے ۔ اصل مقصد تو مسٹر یحییٰ بختیار سے انتقام لینا ہے ۔ کیونکہ وہ میرے وکیل صفائی ہیں ۔ اس لئے ان کے خلاف دوسروں کے دلوں میں تعصب اور عناد پیدا کرنا حقیقی نصب العین ہے !

قرطاس ابیض کے صفحہ ۴۰۳ پر یوں بیان کیا گیا ہے:

"مسٹر زیڈ اے بھٹو جب تک اپنے عہدے پر فائز رہے ، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تاریخ کا بڑا شعور رکھتے ہیں ۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ تاریخ کے طالبعلم ہیں بلکہ تاریخ ساز بھی ہیں" ۔

لاہور میں مقدمۂ قتل کی خفیہ سماعت کے درمیان چبھتے ہوئے لہجے اور طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

"آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ تاریخ کے طالبعلم ہیں اور مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ آپ کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ آپ تاریخ ساز بھی ہیں" ۔

قرطاس ابیض کے ایک بڑے حصے میں حلقۂ انتخابات کی حدود میں تبدیلی کرنے کو جو موضوع بنایا گیا ہے ۔ اس سارے قصے کا مقصد یہ ہے کہ میں نے حلقہ ہائے انتخابات کو نئے سرے سے "سیا" اور بطور خاص ضلع گجرات میں ۔ یہ سراسر جھوٹ ہے ۔ میں کوئی درزی تو نہیں ہوں کہ حلقہ ہائے انتخابات کی سلائی کرتا پھروں ۔ گجرات کا یہ قصہ اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ ایک سیاست دان کو شیر بنا کر پیش کیا جائے اور یہ دکھایا جا سکے کہ اس ضلع میں اس کا اثر و رسوخ ناقابل تسخیر ہے ۔ میں اس سے قطعی متاثر نہیں ہوں ۔ میں اس کے اثر و رسوخ کا نظارہ اس

زمانے سے کر رہا ہوں جب وہ مغربی پاکستان کی حکومت کے ایک ری پبلکن وزیر کے برآمدے میں بنچ پر بیٹھا کرتا تھا ۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کس طرح گڑگڑاتا ہوا میرے پاس آیا اور میرے قدموں میں گر پڑا ۔ جب مغربی پاکستان کا ایک تمام طاقت رکھنے والا گورنر اس کی بد عنوانیوں کے خلاف کارروائی کرنے والا تھا ۔ میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر کو اس معاملے میں ڈالتا ہوں ، جس کے نعرے گجرات میں لگتے ہیں کہ وہ اس کی تردید کرے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ غلط ہے ۔

یہ سچ ہے کہ مجھے ایسی کئی درخواستیں موصول ہو رہی تھیں کہ بعض حلقہ ہائے انتخابات میں تبدیلی کی جائے ۔ یہ درخواستیں جسے پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور ملک کے وزیر اعظم کی حیثیت سے بھجوائی جارہی تھیں ۔ اور ایسا ہونا قطعی طور پر نارمل اور فطری ہوتا ہے ۔ ہر بار جب حلقہ ہائے انتخابات کی حدود میں تبدیلی کی جاتی ہے سیاست دان دروازوں کو کھٹکھٹاتے رہے ہیں ۔ تحریری اور شخصی طور پر الیکشن کمیشن کا بھی محاصرہ کیا جاتا ہے ۔ سوال تو یہ ہے کہ کیا میں نے اس کام کے لئے اختیارات اور اثر و رسوخ کا ناجائز استعمال کیا یا ان حلقۂ انتخابات کی نئی حد بندیوں کے لئے دباؤ ڈالا؟

اس سے قطع نظر کہ الیکشن کمیشن کا سیکرٹری کیا کہتا ہے میں بطور خاص یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے اس معاملے میں کسی قسم کی غیر معمولی یا عام ڈگر سے ہٹ کر دلچسپی نہیں لی ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سیکرٹری الیکشن کمیشن مجھے اس میں ملوث ہی نہیں کرتا ، وہ تو جھاڑیوں میں بھٹکتا ہوا ملتا ہے ۔ اس نے ڈپٹی کمشنر لاڑکانہ کے الیکشن کمیشن کے دفتر میں آنے جانے کا ذکر کیا ہے ۔ وہ بڑے پراسرار اور مبہم انداز میں ان ہنگامی اجلاسوں کا ذکر کرتا ہے جہاں نئی تجاویز پر غور ہو رہا تھا ۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ "اسے ان ذرائع کا علم نہیں ہو سکا کہ یہ نئی تجاویز اور سفارشات کہاں سے آرہی تھیں" ۔ اس قصے کی طوالت اور اختصار کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ میرے خلاف عناد رکھنے والا یہ شخص مجھے ملزم نہیں ٹھہراتا کہ میں نے غیر مناسب اور ناجائز اثر و رسوخ استعمال کیا تھا کیونکہ وہ ایسا ثابت ہی نہیں کر سکتا ۔ میں کسی طرح ہمارے سیاست دانوں کا ذمے دار نہیں جو حزب اقتدار یا دوسری جماعتوں سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے چیف الیکشن کمشنر کے سامنے اپنی تجاویز اور سفارشات پیش کیں ۔ ان سیاست دانوں کو قانون کے مطابق یہ حق حاصل تھا اور اسی طرح الیکشن کمیشن کا یہ فرض تھا کہ وہ ان کی درخواستوں کی تحمل سے سماعت کرے ۔ یہ فیصلہ اور طے کرنا الیکشن کمیشن کا کام ہے کہ جن لوگوں نے ان کے ساتھ رابطہ قائم کیا ، انہوں نے قانونی طور طریقے اپنائے یا نہیں؟

قرطاس ابیض کے صفحہ ۴۷ پر کہا گیا ہے کہ وہ حلقہ ہائے انتخابات جو سیاسی دباؤ کے تحت تخلیق کئے گئے ۔ ان میں ایک وہی حلقۂ انتخابات بطور خاص کراچی کے نواح میں تخلیق کیا گیا جو مسٹر حفیظ پیرزادہ کو پوری طرح ملوث کرتا تھا"۔

یہ ہے وہ بیان جو الیکشن کمیشن کے سیکرٹری اے زیڈ فاروقی نے کریمنل پروسیجر کوڈ کے سیکشن ۱۶۱ کے تحت ، ۳۰ مارچ ۱۹۷۸ کو عبدالرحمان خان ، ڈپٹی ڈائریکٹر فیڈرل انویسٹی گیشن اتھارٹی کے سامنے ریکارڈ کرایا ۔ ضمیمہ ۲۷ کے مطابق اس کے صفحہ ۱۸۶ اے کے حاشیے پر "الیکشن کمیشن کے فاضل نقل" کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں ۔ جو ڈپٹی ڈائریکٹر ایف آئی اے کے ہاتھ کے ہیں ۔ اور اس کے دستخط بھی اس پر موجود ہیں ۔

مسٹر حفیظ پیرزادہ کے سابق چیف الیکشن کمشنر کے ساتھ انتہائی دوستانہ مراسم تھے یا نہیں! جیسا کہ یہ بات پہلے نوٹ کی گئی ہے ، بہر حال ایک میٹروپولیٹن شہر میں ایک دیہی حلقۂ انتخابات کی تخلیق ، کسی طرح بھی عملی تجویز کی ذیل میں نہیں آتی ۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی طرح سرے کا دیہاتی علاقہ اٹھا کر عین پکاڈلی سرکس کے مرکز میں گاڑ دیا جائے ۔ اگر کسی شہر کے گرد و نواح میں دیہی علاقہ موجود نہ ہو تو یہ اس شہر کے ارد گرد اسے سبز پٹی کی طرح تخلیق نہیں کیا جا سکتا ۔ اس معاملے کی حقیقت یہ ہے کہ ملیر کا علاقہ جہاں سے مسٹر پیرزادہ نے انتخابات میں حصہ لیا ۔ کراچی کا نواحی بیرونی دیہی علاقہ ہے ۔ ملیر کا علاقہ ہمیشہ سے وہیں رہا ہے جہاں وہ اب موجود ہے ۔ ملیر کو کبھی سکھر کی طرح کراچی سے دور دراز کا علاقہ نہیں سمجھا گیا ۔ اس لئے مسٹر پیرزادہ کے خلاف جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ جھوٹ ہیں ۔

قرطاس ابیض کے صفحہ ۵۹ پر لکھا ہے کہ حلقۂ انتخابات کی نئی حدود اور کانٹ چھانٹ کے باوجود جو کچھ حاصل ہوا تھا ، مسٹر بھٹو اس سے مطمئن نہیں تھے ۔ ان کی توقعات پوری نہیں ہوئی تھیں ۔ اس لئے انہوں نے اپنے سپیشل اسسٹنٹ کو جو ان کا سیاسی مشیر بھی تھا خصوصی ہدایات جاری کیں"۔

یہ رائے بڑی مثبت ہے ۔ مثال کے طور پر دیکھیئے ۔ مسٹر سندر خان سندرانی نے حلقۂ ہائے انتخابات نمبر پی ایس ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ اور ۱۵ ضلع جیکب آباد کے بارے میں شکایت درج کرائی ۔ مسٹر بھٹو نے اس پر لکھا "Donot" ۔ (اور اسے دوبار خط کشیدہ کیا) سندرانی کی تجاویز پر عمل نہ کیا جائے حالانکہ سرکاری طور پر وہ پاکستان پیپلز پارٹی میں ہے ۔

یہ تمام سیاسی جماعتوں ، جن میں حکمران جماعت بھی شامل ہوتی ہے کا جائز حق ہے کہ وہ

الیکشن کمیشن کی نئی حد بندیوں کے بارے میں مناسب ذرائع سے اپنی تجاویز پیش کریں ۔ یہی کچھ ہم نے اپنے قانونی حق کے مطابق کیا۔ کسی بھی حکمران پارٹی کے اس حق کو یہ نام دیا جاسکتا کہ اس طرح وہ حزب اختلاف کے خلاف کام کر رہی ہے ۔ یہ الیکشن کمیشن کا فرض اور اسی کے دائرہ کار میں ہے کہ وہ ایسی تجاویز کو قبول کرے یا رد کر دے ۔ جبکہ الیکشن کمیشن نے جو فیصلے کئے وہ میری سیاسی جماعت اور حزب اختلاف دونوں کی تجاویز سننے کے بعد کئے ۔ لیکن یہ میری سیاسی جماعت ، جو حکمران پارٹی تھی ، اس کا قانونی حق تھا کہ وہ اپنے ذرائع کو اختیار کرے ۔ اور اس کے ساتھ سیاسی قانونی برتاؤ کیا جائے جیسا کہ حزب اختلاف کے ساتھ کہ وہ حد بندیوں میں کمی وغیرہ کے لئے الیکشن کمیشن سے رجوع کرے اور الیکشن کمیشن ان کی پوری سماعت کا فریضہ انجام دے اور ایسا ہی ہوا ۔

جہاں تک میر سندر خان میرانی کی شکایت اور میری رائے کا تعلق ہے تو میں کہوں گا کہ یہاں پھر قرطاس ابیض کے خالقوں نے اپنے تعصب اور عناد سے غداری کی ہے ۔ اگر کوئی غیر جانبدار اور منصف انسان ہوتا تو وہ مجھے اس کا اعزاز بخشتا کہ میں نے ایسی رائے دی ۔ وہ یہ تسلیم کرتا کہ ذوالفقار علی بھٹو ایک منصفانہ ذہن کا وزیر اعظم ہے جو اپنے سیاسی مشیر کو یہ مشورہ دے رہا ہے کہ خود اس کی پارٹی کی طرف سے آنے والی خود غرضانہ تجویزوں کو رد کر دے ۔ اگر میں نے اپنے سیاسی مشیر کو یہ ہدایت دی ہوتی کہ وہ میری پارٹی کے آدمیوں کی تجاویز کی حمایت کرے تو پھر قرطاس ابیض کے مرتبین کو مجھ پر یہ الزام لگانے کا حق پہنچتا تھا کہ میں نے اپنی جماعت کی ناجائز حمایت کی اور اپنے اختیارات کا غلط استعمال کیا ہے ۔

میر سندر خان سندرانی کے ساتھ میرے گہرے تعلقات ہیں ۔ ہمارے خاندانی مراسم بہت قدیم ہیں ۔ میرے حلقۂ انتخاب میں کئی سندرانی رہتے ہیں ۔ اپنی پارٹی کے رکن اور ذاتی تعلقات کی بنا پر میرے پاس ہر طرح کی وجوہات تھیں کہ میں اس کی تجاویز کی حمایت کرتا ۔ لیکن میں نے جو فیصلہ کیا استحقاق کے معیار پر کیا ۔ پھر یہ بھی اہم نکتہ ہے کہ ان تمام حلقۂ ہائے انتخابات میں مسٹر سندرانی کا قانونی حق نہیں بنتا تھا جبکہ ضلع جیکب آباد کے ایک اور حلقۂ انتخاب میں اس کا قانونی حق بنتا تھا ۔ مزید برآں یہ مسئلہ ریکارڈ پر ہے اور اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے کہ اس خاص وقت میں ، سندرانی اور اس کے کسانوں اور ہاریوں میں خاصی حد تک کشیدگی پائی جاتی تھی ۔ قدرتی بات ہے کہ میں اس کے ہاریوں ، غریبوں اور پسماندہ لوگوں کی حمایت کر رہا تھا ۔

قرطاس ابیض کے اسی صفحہ ۵۹ پر مزید کہا گیا ہے ''این اے ۱۵۷ اور این اے ۱۵۸ نواب شاہ کے بارے میں سید ظفر علی شاہ نے اعتراضات فائل کئے ۔ جنہیں مسٹر بھٹو نے "حمایت نہ

کی جائے" کے ریمارک کے ساتھ مسترد کر دیا ۔ دوسرے حلقۂ انتخابات کے بارے میں انہوں نے اپنے سپیشل اسسٹنٹ کو ہدایت کی کہ مسٹر غلام مصطفیٰ جتوئی (وزیر اعلیٰ) اور مسٹر اے ۔ ڈبلیو ۔ کٹپر (اس وقت کے پاکستان پیپلز پارٹی سندھ کے صدر) اور پارٹی کے دوسرے زعماء ، جو مقامی حالات سے واقف ہوں ، سے مشورہ کیا جائے" ، مسٹر بھٹو نے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اس فائل کو نمٹا کر ۸ فروری ۱۹۷٦ کو مسٹر رامن کو واپس بھیج کر دی ۔ اس پر کارروائی بروقت ہوئی تھی لیکن الیکشن کمیشن کو جتنا وقت چاہئے تھا اب نہیں رہا تھا ۔

میرے اس ریمارک "مدد نہ کی جائے" میں کوئی خامی یا غلطی نہیں ہے ۔ اس کا یہ قطعاً مفہوم نہیں لیا جا سکتا کہ "مخالفت" کی جائے ۔ لیکن اگر اس کا یہ مفہوم ہی لیا جائے تو بھی یہ فیصلہ مثبت تھا ۔ کیونکہ میر ظفر علی شاہ پاکستان پیپلز پارٹی کا رکن ہے ۔ ایک برس کا عرصہ ہوتا ہے کہ میں نے میر ظفر علی شاہ کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی بھجوایا تھا۔ ایک ایسا وقت بھی تھا جب وہ ایک خوبصورت کینیڈین خاتون کے مجنونانہ عشق میں مبتلا تھا ۔ اس کی نازک اور پرکشش شخصیت مجھے صحرا کے خوبصورت ترین پھولوں کی یاد دلارہی ہے ۔ اس وقت جب میں یہ سطور لکھ رہا ہوں تو میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں ۔ گذشتہ ایک برس میں میں نے انتہائی ظلم و ستم کو برداشت کیا ہے کہ ایسے نرم خو اور نازک روحوں کی یاد میرے اندر بڑے قوی جذبات پیدا کر دیتی ہے ۔ ظفر علی شاہ ، محمد علی شاہ کا بیٹا ، اللہ آندو کا پوتا اور ضلع نواب شاہ کے نواب شاہ کا پڑپوتا۔ ایسی ہی ایک شخصیت ہے ۔ ایک بار پھر اسی قرطاس ابیض نے دوستی کے رشتے کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے ۔

اب میں ضلع لاڑکانہ کی حد بندی کی طرف آتا ہوں ۔ میں نئی حد بندی سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا تھا ۔ اس کی حد بندی جیسی بھی کر دی جاتی ، میں اس ضلع کے کسی بھی حصے سے ہاتھ نیچے کر کے ، باسانی جیت سکتا تھا ۔ اگر میرے دوست اور بہی خواہ اپنی ذہانتوں کے استعمال کے لئے اپنی طرف سے کچھ سفارشات اور تجاویز پیش کر رہے تھے ، یا چند افراد جیسا کہ ضرب المثل ہے "بادشاہ سے زیادہ وفادار" کا کردار ادا کر رہے تھے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس کا ذمہ دار تھا کہ وہ متصادم تجاویز پیش کریں ۔ انتخابات کے آزادانہ قیام کے بارے میں میرے صحیح رویّے کے بارے میں باآسانی فیصلہ اس حقیقت سے کیا جا سکتا ہے کہ الیکشن کمیشن کے سامنے ڈپٹی کمشنر لاڑکانہ کو کم از کم چار مواقع پر پیش ہونا پڑا ۔

اگر اپنے "آبائی قصبے" کی حدود کی تبدیلی کے لئے ضلع کے ڈپٹی کمشنر کو انصاف کے لئے الیکشن کمیشن کے سامنے چار بار پیش ہونا پڑا اور اس پر مستزاد غلام مصطفےٰ جتوئی ، کٹپر اور دوسرے

نمائندگی کے لئے گئے تو اس سے یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ چیف الیکشن کمیشنر اور کمیشن کسی طرح بھی میرے ظلم و استبداد کے سائے میں کام نہیں کر رہے تھے ۔ ایک ایسے حلقۂ انتخاب میں جہاں سے میں جب بھی کھڑا ہوتا، کامیاب ہوتا، اگر اس کے ساتھ الیکشن کمیشن نے یہ طرز عمل اختیار کیا تو پھر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دوسرے حلقۂ ہائے انتخاب کے بارے میں اسکا رویہ کیسا تھا ۔

قرطاس ابیض کے صفحہ ۳۸ پر بیان کیا گیا ہے ۔ "ایک دوسرا ثبوت وہ ہے جو مسٹر بھٹو نے انٹیلی جنس رپورٹ پر مارجنل نوٹس لکھے ۔ اس میں یہ رپورٹ کی گئی ہے کہ مسٹر سجاد احمد جان کے ایک خاص غیر ملکی سفارت کار سے گہرے تعلقات قائم ہو چکے ہیں ۔ مسٹر بھٹو نے اس کے حاشیے پر لکھا تھا ۔ " دلچسپ رابطہ، کیا ہم اسے اپنے مفاد کے لئے استعمال نہیں کر سکتے ، پلیز اس پر بات کیجئے "۔ اس رپورٹ کی فوٹو سٹیٹ نقل (ضمیمہ ۳۵) سے متعلقہ سفارت کار کا نام غیر ضروری پیچیدگیوں سے بچنے کے لئے حذف کر دیا گیا ہے"۔

اس غیر ضروری پیچیدگی سے کس طرح صرفِ نظر کیا جا سکتا ہے جبکہ متعلقہ ضمیمہ جو صفحہ ۱۱۱ ۔ اے جس کا ضمیمہ ۳۵ میں حوالہ ہے ، اس میں درج ہے کہ ۱۸ ستمبر ۱۹۷۵ کو چیف الیکشن کمشنر نے اس حذف شدہ سفارت کار سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا اور دوسری باتوں کے علاوہ کہا "وہ آج ہی ٹینس کھیلنے کے لئے آئیں گے"۔ اس کے جواب میں حذف شدہ سفارت کار نے وعدہ کیا کہ وہ ان سے ٹینس کورٹ میں ملیں گے ۔ ایک بار جب اتنی زیادہ معلومات فراہم کر دی گئی ہیں تو پھر اس کے بعد سفارت کار کے نام اور سفارت خانے کو چھپانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ۔ کیونکہ متعلقہ سفارت خانہ فوراً یہ معلوم کرے گا کہ متعلقہ سفارت کار اس کے سفارت خانے سے تعلق رکھتا ہے ۔

ٹیلی فون پر گفتگو کی تاریخ دی گئی ہے ۔ اس کے علاوہ تاریخ سے بھی زیادہ یہ معلومات دی گئی ہیں کہ چیف الیکشن کمشنر اور حذف شدہ سفارت کار کے درمیان ۱۸ ستمبر کو ٹینس کورٹ میں ملاقات ہو گی ۔ اسلام آباد میں صرف ایک ہی ٹینس کورٹ ہے اور وہ اسلام آباد میں ہی ہے ۔ اگر وہاں ایک سے زیادہ ٹینس کورٹ بھی ہوتے تو بھی سفارت خانہ جان سکتا ہے کہ وہ کون سا ٹینس کورٹ ہے ۔ گفتگو سے یہ صاف ظاہر ہے کہ مسٹر سجاد احمد جان نہ تو روزانہ ٹینس کھیلتے ہیں اور نہ ہی ہر سفارت کار کے ساتھ کھیلتے ہیں ۔

اس سے قطع نظر قرطاس ابیض میں اس تعلق کی "سماجی تعلق اور رابطے" سے وضاحت کی گئی ہے ۔ میں نے حاشیہ پر جو نوٹ لکھا اس سے کون سی تکلیف دہ مداخلت ہوتی ہے؟ "کیا ہم اسے اپنے مفاد کے لئے استعمال نہیں کر سکتے ۔ پلیز ڈسکس کیجئے" اس سے ضروری نہیں کہ یہ

میرے یا پارٹی کے مفاد کا نتیجہ نکلتا ہو ۔ اس کا تعلق زیادہ تر ملک کے مفاد میں ہی نکلتا ہے ۔ ایسا خیال تو قرطاس ابیض کے مرتبین کے ذہن میں کبھی آ ہی نہیں سکتا۔ وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ "ہمارے مفاد" کے الفاظ کا مفہوم پاکستان کا مفاد ہے ۔ اس کے نزدیک "ہمارا مفاد" کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ذاتی حکمرانی کا مفاد نکلتا ہے ۔

آیئے اس نقطۂ نظر کو دیکھیں جو انتہائی بخیلی پر مشتمل ہے اور جو سارے قرطاس ابیض میں جاری و ساری نظر آتا ہے ۔ اور میرے حواشی پر دئے گئے نوٹس کی بد ترین وضاحت اور تشریح کی گئی ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ نکالا کہ کمشنر میری جیب میں نہیں تھا ۔ وہ میری دسترس سے باہر تھا۔ اس لئے میں بڑا مشتاق تھا کہ ٹینس کے گیند کو ٹینس کورٹس میں کیچ کروں ۔ وہ معلومات جو فراہم کی گئی ہیں اس سے سفارت خانہ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کس سفارت کار کے بارے میں ہے تو پھر ایسی کوئی وجہ روئے زمین پر نہیں کہ پاکستانی عوام کو تاریکی میں رکھا جائے ۔ یہ تو ایسی ہی حکومتوں کا کردار ہے کہ وہ عوام کو ہمیشہ اندھیرے میں رکھتے ہیں ۔

بہر حال اس میں جو قومی مفاد ہے اس پر سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا اس لئے یہ میرا فرض ہے کہ میں اس سماجی رابطے کے بارے میں بتاؤں کہ یہ رابطہ روسی سفارت خانے کے سابق چارج ڈی افیرز مسٹر ایلار ینوف کے ساتھ تھا ۔ اگر کوئی ضروری یا غیر ضروری پیچیدگی پیدا ہوتی ہے تو وہ اس مسئلے کو پر اسرار بنانے سے پیدا ہوگی ۔ اور شکوک پیدا ہو جائیں گے ۔ اگر یہ حکومت خارجہ امور میں اتنی محتاط اور صحیح ہوتی تو پھر اسے پورا حوالہ ہی حذف کر دینا چاہئے تھا ۔ یہ شکوک پیدا کرنے والا پر اسرار رویہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے ۔ اس مسئلے میں ایک حکایت کے ذریعے ہی بتایا جا سکتا ہے کہ موجودہ حکومت کس پیش بینی اور بصیرت کا فقدان رکھتی ہے ۔ جب مکی ماؤس کی شادی ہو رہی تھی تو اس کے باپ نے اسے مشورہ دیا ۔ مکی اگر تم ایک مرد ہو تو پھر شادی کے دن ہی اپنی شادی مکمل کر لو گے لیکن اگر تم چوہے ہو تو پھر تم اسے دوسرے دن مکمل کرو گے"۔ اس پر مکی نے جواب دیا تھا۔ "ابا۔۔۔ میں تو ایک گندہ چوہا ہوں اس لئے پچھلی رات ہی شادی مکمل کر چکا ہوں"

عوام کے رہنما مرد ہوتے ہیں اور وہ جن حکومتوں کی سربراہی کرتے ہیں وہ باوقار ہوتی ہیں ۔ ہمارے انقلابی ادوار میں جبکہ زمین ایک تیسری جنگ عظیم کو افق پر دیکھتے ہوئے لرزہ براندام ہے ۔ کسی چوہے کے لئے کوئی جگہ نہیں رہی ۔ سکھر اور گڈاپ کے آغاشاہی ۔۔۔ اس حکومت کے وزیر مملکت برائے امور خارجہ کو اس بروقت انتباہ کو پوری طرح سمجھ لینا چاہئے ۔ وہ اپنی باوردی حکومت کو بہتر طور پر سمجھا سکتے ہیں کہ اس قسم کی غلط فہمیاں ، ایسے

فضول امور ، جیسے کہ ٹینس کا کھیل پر سپر پاورز کے ساتھ پیدا نہیں کرنی چاہئیں ۔

یہ مسئلہ کتنا ہی ناکارہ اور فضول کیوں نہ ہو ، یہ دیکھئے کہ اس حکومت نے اسے میرے خلاف میرے حواشی پر لکھے نوٹس کی بنیاد پر معاندانہ تشریح کے ساتھ استعمال کیا ہے ۔ اس میں اس بات کو مسلط کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایسے امور کی وجہ سے چیف الیکشن کمشنر میری کٹھ پتلی بن چکا تھا اور اس کا ناطہ حلقۂ انتخابات کی حدود سے ملا دیا گیا ہے ۔ قرطاس ابیض میں اصل امور کو یکسر چھپایا گیا ہے اور اس میں چیف الیکشن کمشنر کے اس فیصلے کو خارج کر دیا گیا ہے جس میں لاڑکانہ کی ایک نشست کی تخفیف کر کے کراچی کی ایک صوبائی نشست میں اضافہ کیا گیا تھا ۔ اور لاڑکانہ کے علاوہ صوبہ سندھ کے کسی ضلع کی نشست کو کم نہیں کیا گیا تھا ۔ اس قسم کا فیصلہ میری کوئی کٹھ پتلی نہیں کر سکتی تھی ۔ یہ حقیقت بخوبی عیاں ہے کہ چیف الیکشن کمشنر پی این اے کے سیاستدانوں سے زیادہ نزدیک اور دوست تھے ۔ بہت سے مواقع پر انہیں پی پی پی پر ترجیح دی گئی ۔ چیف الیکشن کمشنر پر پی این اے کے سیاست دانوں کی رسائی اور اثر و رسوخ کے بارے میں قرطاس ابیض میں ایک لفظ بھی موجود نہیں ہے ۔

قرطاس ابیض کو اس ایک خط سے بہت پریشانی اور تکلیف ہوئی ہے جو چیف سیکرٹری سندھ نے میرے سیکرٹری کو نئی حدود بندی پر حکومت سندھ کی تجاویز کے بارے میں لکھا تھا ۔ اس میں بھی کوئی "عجیب" یا غیر معمولی بات نہیں ہے ۔ یہ سفارشات چیف سیکرٹری سندھ کی ذاتی سفارشات نہیں تھیں ۔ وہ اپنی حکومت اور حکمران پارٹی کی تجاویز کو ، وزیر اعظم کے سیکرٹری اور پارٹی کے چیئرمین کے سامنے پیش کر رہا تھا ۔ یہ کوئی حکمنامہ نہیں تھا۔ اس نے یہ سفارشات کمیشن کے بجائے صرف میرے سیکرٹری کو پیش کیں ۔ اسی طرح بلوچستان کے وزیر اعلیٰ نے صوبائی حکومت کی تجاویز ایک خط کے ذریعے جو کوئٹہ سے ۳۰ دسمبر ۱۹۷۵ کو لکھا گیا، میرے نام بھجوائی تھیں ۔ یہ خط قرطاس ابیض کے صفحہ ۵۷ پر موجود ہے ۔

حقیقت میں مسٹر اے ۔ زیڈ فاروقی کے بیان میں جب اس نے میرے سیاسی مشیر کو مشورہ دیا کہ وہ اپنا نمائندہ سرکاری طور پر حدود بندی کے امور میں سماعت کے لئے بھیجیں تاکہ وزیر اعظم کے سیکرٹریٹ کے نقطۂ نظر پر کمیشن غور کر سکے ۔ فاروقی نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مسٹر تمن نے کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے ۔ کیونکہ اگر ان کا نمائندہ پبلک میں کوئی پوزیشن لیتا ہے تو اس سے وزیر اعظم بہت پریشان ہوں گے ۔ چونکہ ان کی اپنی پارٹی میں کئی

دھڑے ہیں اس لئے وہ کسی ایک دھڑے کی حمایت میں پیش نہیں ہو سکیں گے ۔ بہرحال انہوں نے کہاکہ مجھے ججوں کے بارے میں فکر مند نہیں ہوناچاہئے کیونکہ وہ چھوٹی رعایتوں کے لئے حکومت کے پاس آتے ہیں ان کا انتظام ہو جائے گا"۔

یہ قرطاس ابیض کے صفحہ ۳۳ پر ہے ۔ الیکشن کمشن کا سیکرٹری میرے سیاسی مشیر کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ اپنا سرکاری نمائندہ تجاویز پیش کرنے کے لئے بھیجیں ۔ لیکن میرا سیاسی مشیر اس تجویز کو مسترد کر دیتا ہے ۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غلط طریقہ کار اپنانے کے الزام لگا کر کس حد تک میری حکومت کی مخالفت کی جاتی ہے ۔ جہاں تک ججوں کے بارے میں گھٹیا ریمارکس کا تعلق ہے ۔ جنہیں میرے سیاسی مشیر سے منسوب کیا گیا ہے تو میں پوری شدت کے ساتھ یہ کہوں گا یہ ریمارک شرارت اور بد نیتی سے قرطاس ابیض میں اس صفحے پر اور جو صفحہ ۴۴ پر درج کئے گئے ہیں ۔ ان کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ ججوں میں میرے اور میری حکومت کے خلاف عناد اور تعصب پیدا کیا جائے ۔

مسٹر محمد حیات تمن میرے سیاسی مشیر اور مغربی پاکستان کی حکومت کے سابق وزیر تھے ۔ وہ ایک مہذب اور تجربہ کار فرد ہیں ۔ وہ کبھی ایسے پست ریمارک نہیں دے سکتے ۔ وہ بہت کم بات کرنے والے آدمی ہیں ۔ وہ کبھی ایسے الفاظ اپنے منہ سے نہیں نکال سکتے ، جسے چھاپے کی مشین قرطاس ابیض کے دو صفحات پر فوراً چھاپ دے ۔ مسٹر تمن کا اپنا تجربہ بھی اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ میرا یہ اثر و رسوخ رکھنے والا مشیر ، اپنے صوبے میں اپنے ضلع کے حلقۂ انتخابات کی نئی حد بندیاں کرانے میں ناکام رہا ۔ قرطاس ابیض کے صفحہ ۵۴ پر مندرج ہے "مسٹر حیات محمد تمن، وزیر اعظم کے خصوصی نائب نے کمیشن کو ورغلانے کی کوشش کی کہ صوبائی اسمبلی کے ضلع کیمبل پور کے حلقۂ ہائے انتخابات کے بارے میں ان کی تجاویز مان لی جائیں لیکن کمیشن اس پر رضامند نہیں ہوا"۔ یہ سب کچھ اس حقیقت کے باوجود ہوا کہ میں نے ان کی تقرری کی تھی کہ وہ الیکشن کمیشن کے ساتھ رابطہ رکھیں ۔

یہ الزام کہ میں نے نئے حلقۂ انتخابات بنوائے ، پانی کی طرح ناپائدار ہے ۔ ججوں کے بارے میں جو کچھ کہا گیا وہ بطور خاص زہریلا ہے ۔ قرطاس ابیض کے مصنفین کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ، اس لئے یہ حوالہ ایکبار نہیں بلکہ دوبار دیا گیا ہے جیسے مصروفیت زیادہ ہے اور یہ دستاویز بہت فربہ ہے ۔ اگر وہ ججوں کے بارے میں صرف ایک بار یہ حوالہ تیزی سے نظروں سے اوجھل ہو سکتا تھا ۔ اس لئے اسے دوبارہ درج کرنا ضروری سمجھا گیا۔

میرے خلاف ججوں کے دلوں میں عناد پیدا کرنے کی یہاں تک ظالمانہ کوشش کی گئی

ہے اور اس وقت دانستہ کی گئی ہے جبکہ میری زندگی ، جس حد تک انسانی زندگی کا فیصلہ کرنے کی طاقت انسان میں ہے ، ان کے ہاتھوں میں ہے ۔

اب میں موجودہ چیف الیکشن کمشنر کی طرف رجوع کروں گا کہ انہوں نے حلقۂ ہائے انتخابات کی حدود بندیوں کے بارے میں کیا آزادانہ کردار ادا کیاہے ۔ چھ اگست ۱۹۷۸ کے پاکستان ٹائمز میں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے اس کا عنوان ہے "الیکشن کمیشن نے تعیناتی پروگرام مکمل کر لیا" اس میں دیگر باتوں کے علاوہ کہا گیاہے:

"الیکشن کمیشن نے اپنے ایک اجلاس منعقدہ راولپنڈی میں تجرباتی شمار و تعیناتی پروگرام مکمل کر لیاہے ۔ اور حلقۂ ہائے انتخابات کی مجوزہ حدود بندیوں پر بھی کام کر لیاہے ۔ یہ اجلاس چیف الیکشن کمشنر مسٹر جسٹس مولوی مشتاق کی صدارت میں منعقد ہوا ۔ یہ سفارشات اب منظوری کے لئے وفاقی حکومت کے سامنے پیش کی جائیں گی ۔ حکومت عام انتخابات کے انعقاد کے سب سے ضروری اقدامات کی پہلے ہی منظوری دے چکی ہے"۔

اگر فوجی حکومت حلقۂ ہائے انتخابات کی حدود بندیوں کی تجرباتی تعیناتی کی منظوری دی گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حدود بندیوں کا کام فوجی حکومت نے کیاہے ، الیکشن کمیشن نے نہیں ۔ یوں الیکشن کمیشن کی حیثیت اب محض ایک سفارشاتی تنظیم کی رہ گئی ہے ۔ اس کا کام اتنا ہی رہ گیا ہے کہ یہ ابتدائی کام کرے تاکہ فوجی ٹولہ کوئی فیصلہ کر سکے ۔ پاکستان ٹائمز کی اشاعت مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۷۸ کے مطابق ، پی این اے کے صدر نے اعلان کیاہے کہ "اب یہ نئی کابینہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ الیکشن کمیشن کے کام کو دیکھے اور اس کی نگرانی کرے" یوں الیکشن کمیشن موجودہ حکومت کا ذاتی ملازم بن کر رہ گیاہے ۔

اس انکشاف کی روشنی میں سوال پیدا ہوتاہے کس جواز کے تحت قرطاس ابیض حکمران پارٹی کے قانونی اعمال پر حملہ کر سکتاہے کہ وہ الیکشن کمیشن کو تجاویز پیش کرتے تھے ۔ فوجی حکومت نے طریق کار کو الٹ دیاہے ۔ اس نے تعلقات کی نوعیت بدل دی ہے ۔ اس کے باوجود قرطاس ابیض کو یہ حیثیت اور اختیار حاصل ہے کہ وہ میری حکومت کے حلقۂ انتخابات کی حدود بندیوں کے بارے میں جو کارروائیاں قانونی دائرے میں رہتے ہوئے کیں ، ان پر حملہ کرے اور تنقید کر سکے!

(۵)

حکومتی مشین

قرطاسِ ابیض میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ چیف ایگزیکٹو اور صوبائی اور وفاقی حکومت کے منتخب رہنما کی حیثیت سے مجھے بے کار بیٹھنا اور نوکر شاہی پر مجھے کسی قسم کا اختیار استعمال نہیں کرنا چاہتے تھا ۔ اس معیار کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ میں نے اپنے مفاد کے لئے نوکر شاہی ، الیکشن کمیشن انٹیلی جنس ایجنسیوں اور وزارت اطلاعات و نشریات کو استعمال کیا۔ یہ ایک خلاف عقل تنازعہ ہے ۔ اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کے موجودہ خود مسلط اور خود تقرر کردہ آقا یہ چاہتے تھے کہ منتخب وفاقی اور صوبائی حکومتیں اپنے جائز اختیارات سٹیٹ آپر ٹس کے لئے ترک کر دیتے ۔ کیا ہم حزب اختلاف سے یہ درخواست کرتے کہ وہ ہماری طرف سے حکومت کرتے؟

چونکہ یہ غیر معمولی تصور کافی نہیں تھا اس لئے چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر نے ۲۷ جولائی ۱۹۷۸ کو کوئٹہ کے ہوائی اڈے پر کہا کہ "بیورو کریسی ایک ایسا ادارہ تھا جس کا "اپنا منصب ہوتا ہے" ۔ اس نے یہ نشاندہی کی "جہاں تک ہمارے سسٹم کا تعلق تھا ، بیوروکریسی کو ایک حتمی کردار ادا کرنا تھا"۔ اس نے مزید کہا۔ "یہ جانبداری سے کام نہیں لے سکتی ۔ اگر یہ کسی خاص پارٹی کا ساتھ دیتی ہے تو پھر یہ صحیح ادارہ نہیں ہے ۔ مسٹر بھٹو نے بیوروکریسی کے ادارہ کو نقصان پہنچایا ہے ۔ سرکاری ملازم بے چہرہ ہوتے ہیں ۔ وہ خود غرض بھی نہیں ہوتے ۔ وہ باہر نکل نہیں سکتے کہ عام جلسے میں جا شریک ہوں ۔ اس لئے ایک ایسا سرکاری ملازم ، جو ایک خاص سیاسی پارٹی کا یا کسی انفرادی پارٹی کارکن نہیں اور یا پھر وہ غیر جانبدار رہنے کی کوشش کرتا ہے تو اس قسم کے موجود حالات میں اسے پسند نہیں کیا جاتا"۔

(پاکستان ٹائمز ۲۸ جولائی ۱۹۷۸)

میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ بیوروکریسی کو اس کے مارشل لاء کے تحت ایک خاص کردار ادا کرنا ہے ۔ اس کا مخصوص کردار یہ ہے کہ میرے ، میرے خاندان اور میری پارٹی کے زعماء کے خلاف جعلی شواہد تیار کرے ۔ فوجداری مقدموں اور نااہل قرار دینے والے ٹربیونلز کے سامنے ہمارے خلاف جھوٹی گواہیاں دیں ۔

وہ سرکاری افسر جو یہ مخصوص کردار ادا کر رہے ہیں انہیں خوبصورت اعزاز و انعام سے نوازا جارہا ہے ۔ اگر وہ انکار کرتے ہیں تو انہیں سزا دی جاتی اور جیلوں کی طرف روانہ کر دیا جاتا ہے ۔ اس ملک کی پوری تاریخ میں بیوروکریسی کو ایسا غلیظ اور گھناؤنا کردار ادا کرنے کا حکم دے کر مجبور نہیں کیا گیا جتنا کہ آج کیا جا رہا ہے ۔ بیوروکریسی بطور ایک ادارہ ختم ہو چکی ہے ۔ سرکاری ملازموں کو تبدیل اور بحال کیا جاتا ہے تاکہ موجودہ حکمران ٹولے کے شکوک و شبہات کی تسکین کی جاسکے ۔ یہ ان کی غیر جانبداری ہے ۔

ہاں ۔۔۔ ان میں "بے چہرہ" بھی ہیں جو جیلوں میں ہیں ۔ لیکن پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلی بار ہو رہا ہے کہ منتخب براہمنوں کو نامزد کر کے وزیر اور مشیر بنایا گیا ہے ۔ ماضی میں بعض بیوروکریٹ اعلیٰ سیاسی عہدوں پر فائز رہے لیکن یہ عہدے انہوں نے انتخابی عمل سے گزر کر حاصل کئے تھے ۔ ایک سابقہ بیوروکریٹ وزیر اعظم بھی بنا۔ لیکن اسے پاکستان دستور ساز اسمبلی نے اپنا رہنما منتخب کیا تھا۔ ایک اور ریٹائرڈ بیوروکریٹ ملک کا صدر بنا لیکن اسے بھی منتخب کیا گیا تھا ۔ ایک زمانہ ایسا تھا کہ ولبھ بھائی پٹیل یا مرارجی ڈیسائی یا دونوں انڈین سول سروس میں تھے ۔ لیکن وہ مستعفی ہوئے اور آزادی کی جدوجہد میں شامل ہو گئے ۔ ایوب خان نے اپنے مارشل لامیں بیوروکریٹ کو وزیر نامزد نہیں کیا تھا ۔ اور نہ ہی یحییٰ خان نے ۔ میری حکومت میں دو سابقہ بیوروکریٹ وزیر تھے لیکن دونوں سینٹ کے لئے منتخب ہوئے تھے ۔ ہماری تاریخ میں یہ پہلی بار ہوا ہے کہ موجودہ غیر نمائندہ حکومت نے بیوروکریٹ کو مشیر اور وزیر اور نامزد کیا ہے ۔ ان میں سے ایک ۵ جولائی ۱۹۷۷ تک ڈی فیکٹو وزیر اعظم رہ چکا تھا ۔ اس حکومت میں بے چہرہ ، بے غرض غیر جانبدار بیوروکریٹ وزیروں اور مشیروں کی جگہ بیٹھ گئے ہیں ۔

بہرحال روایت اور ورثے میں ملنے والے تضادات اور دشواریوں سے قطع نظر عمومی اہمیت کے ایک اعلیٰ سول اصول کی ضرورت کو سامنے رکھنا چاہئے ۔ اس عمومی اصول پر بحث کرتے ہوئے میں اس نظام کو شامل کرنا نہیں چاہتا ہوں جس کے تحت صرف ایک پارٹی ہی حکمرانی کرتی ہے ۔ میرے ذہن میں کئی جماعتوں پر مشتمل جمہوری نظام ہے ۔ کثیر الجماعتی

نظام میں ہی امتیاز و علیحدگی کے عناصر کو ناقابل عمل بنا دیا جاتا ہے ۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں تمام اونچے عہدوں پر حکمران جماعت کے افراد کو تعینات کیا جاتا ہے ۔ ایک انتظامیہ سے دوسری انتظامیہ تک اقتدار کی منتقلی کے عمل کے لئے ، انتخابات کے بعد ، آٹھ ہفتوں کے لگ بھگ مدت فراہم کی گئی ہے جس میں بہت بڑی بڑی انتظامی تبدیلیاں ہوتی ہیں ۔ پارلیمانی سسٹم مین بھی سول سروسزاور دوسری سروسزاپنی جگہ کوئی جزیرے نہیں ہوتی ہیں کہ متوازی حکومت کی طرح کام کریں ۔

دولت مشترکہ برطانیہ ، جو ہمارے لئے ماڈل کا درجہ رکھتی ہے میں بھی بنیادی تبدیلیاں کی جاتی ہیں ۔ اس وقت ، برطانوی نظام خصوصی مشیروں کا ایک ادارہ ہے ۔ اس ادارے میں وسعت ہو رہی ہے ۔ وزیر اعظم ہیرلڈ ولسن کے زمنے میں یہ کنونشن تھی کے کابینہ کے ایک وزیر کے لئے دو سے زیادہ مشیر نہیں ہو سکتے ۔ موجودہ وزیر اعظم برطانیہ مسٹر جیمز کیلامین کی لیبر حکومت خصوصی مشیروں کے ادارے کی بہتری اور فروغ کے لئے غور و فکر کر رہی ہے ۔

سرکاری ملازموں کی سیاسی سرگرمیوں کے حوالے سے آرمیٹج کمیٹی یہ نظریہ قبول کر چکی ہے کہ خصوصی مشیروں کو وزیر اعظم کی طرف سے جاری کردہ علیحدہ رولز کا پابند کیا جائے ۔ خصوصی مشیروں کے اس ادارے نے جامع سیاسی نیٹ ورک تخلیق کیا تھا ۔ جون ۱۹۷۴ میں برطانیہ میں اڑتیس خصوصی مشیر برطانوی حکومت میں کام کر رہے تھے ۔ اس سلسلے میں یہ سننے میں آ رہا ہے کہ ان کی تعداد سو تک بڑھائی جا رہی ہے ۔ ان کی درجہ بندی "عارضی سرکاری ملازموں" کے ذیل میں کی گئی ہے ۔ قواعد و خواہ کچھ کہتے ہوں ، ان کے برعکس خصوصی مشیر نارمل سیاسی سرگرمیوں میں اپنے آپ کو مصروف رکھتے ہیں ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خصوصی مشیر جو کہ "عارضی سرکاری ملازم" ہوتے ہیں ۔ لیکن وہ سیاسی کارروائیوں میں شامل ہوتے ہیں ۔ اور برطانوی حکومت میں وہ ادارتی شکل میں موجود ہیں ۔ بے چہرہ جانبدار سرکاری ملازم کی یہ حیثیت برطانیہ کی پارلیمانی جمہوریت میں ہے ۔

علیحدہ ، عوام سے کٹی ہوئے غیر جانبدار سرکاری ملازم کی ضرورت نوآبادیاتی نظام کو تھی ۔ سامراجی اقتدار نے سول سرونٹس کے لئے لوہے کا ایک فریم ورک تیار کیا کہ ایک تو وہ عوام کی دسترس سے دور رہیں اور دوسرے ان کا کوئی چہرہ دکھائی نہ دے ۔ مقامی لوگ ان سے دور رکھے جائیں ۔ وہ مقامی لوگوں کے مقامی تنازعوں اور جھگڑوں مینغیر جانبدار رہیں ۔ ہندوستانیوں کے فرقہ وارانہ اور سیاسی مسائل میں بھی جانبداری سے کام نہ لیں ۔ لیکن اس جانبداری میں بھی وقتاً فوقتاً دراڑیں پڑتی رہیں ۔ کیونکہ کبھی ایک دھڑے کی حمایت کی جاتی کبھی

دوسرے فرقے کی جس کا مقصد صرف برطانوی راج کو مستحکم کرنا تھا۔ یہ جانبداری اور بے چہرہ پن ، جو کہ انتہائی فریب پر مبنی تھا ، اس کا اطلاق سامراجی آقاؤں پر نہیں ہوتا۔ جب بھی برطانوی راج کے مفادات کا معاملہ آتا ہے انڈین سول سروس ، اور دوسری مستقل سروسز ، پورے چہرے کے ساتھ ، انتہائی خود غرضانہ اور جانبدارانہ کردار ادا کرتی تھیں ۔ جو برطانوی راج کے دھارے کے ساتھ چلتا تھا ۔ میں ایک پارٹی سسٹم کی وکالت نہیں کر رہا اور نہ ہی میری حکومت نے سروسز کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اس پر ہی معذرت کر رہا ہوں ۔ میں اجمالاً موجودہ حقائق کی وضاحت کر رہا ہوں ، جو ہمارے زمانے میں حکمران پارٹی اور سول سروسز کے درمیان تعلقات سے متعلق ہیں ۔

اس پس منظر میں مجھے اجازت دیجئے کہ میں قرطاسِ ابیض کے حوالہ اپنی حمایت ہی پیش کر سکوں ۔ اس کے صفحہ ۶۹ پر بتایا گیا ہے کہ راؤ رشید نے مجھے یہ تجویز پیش کی کہ

"وزراء اور وزرائے اعلیٰ کے پاس بہت کم وقت ہوتا ہے کہ وہ سیاسی مسائل پر صرف کر سکیں ۔ شاید ان میں سے بعض کو ان کے پورٹ فولیو سے فارغ کر دینا چاہیئے تاکہ وہ خاص طور پر پارٹی کا کام کر سکیں" ۔ تاکہ پارٹی اور حکومت تمام امتیاز اور علحیدہ علحیدہ شناخت کھو بیٹھے تو پھر یہ کامراج پلان" راؤ رشید کبھی میرے سامنے پارٹی کے مسائل کے ایک ممکن حل کے طور پر نہ رکھتے ۔

میں قرطاسِ ابیض کے ایک اور حوالے کی طرف توجہ مبذول کراتا ہوں جس سے میرے ذہن کی کشادگی اور انصاف پسندی ، اور پارٹی کے تمام تعصبات سے بالاتر ہو کر ، ایک قومی رہنما کی حیثیت سے میری غیر جانبداری کا اظہار ہوتا ہے ۔ یہ کہ کیا غلط یا صحیح آنکھیں بند کر کے پارٹی کے مفاد کو پیش نظر نہیں رکھتا تھا ۔ یہ حوالہ قرطاسِ ابیض کے صفحہ ۱۷۲ پر ہے:

"پارٹی کے کارکنوں نے ، پارٹی کے سیٹ اپ کی تکمیل کے لئے بیوروکریٹ کے اشتراک پر شدید رنج و غصہ کا اظہار کیا ۔ لیکن مسٹر بھٹو نے خفیہ میٹنگوں میں ان پر واضح کیا کہ جب سے وہ اقتدار میں آئے ہیں ، وہ تسلسل کے ساتھ یہ شکایات سن رہے ہیں کہ تمام سطحوں پر پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکن بیوروکریسی کو خوفزدہ کر رہے ہیں ۔ پارٹی پوزیشن کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے روپیہ بنا رہے ہیں ۔ ان حالات میں یہ انتہائی مناسب ہے کہ نہ صرف بیوروکریٹ بلکہ متعلقہ شعبوں کے اہم پارٹی سے تعلقات رکھنے والے افراد کو بھی یہ موقع دیا جائے کہ وہ مجوزہ عہدیداروں کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں"۔

میں نے اپنے پرسنل سٹاف میں سرکاری ملازموں کا اشتراک اس لئے نہیں کیا تھا کہ وہ پارٹی میں مدغم ہوجائیں ۔ بلکہ اس لئے کیا تھا کہ عوامی شکایات پر ان کے غیرجانبدارانہ اور موزوں مشورے حاصل کئے جا سکیں ۔ قرطاسِ ابیض بھی اس سے انکار نہیں کرتا ۔ صفحہ ۷۰ پر بتایا گیا ہے کہ میں بیوروکریٹس کی رائے پر کہیں زیادہ سیاست دانوں کی رائے کو ترجیح اور فوقیت دیتا تھا۔ ''افسران بکار خاص اس دوران میں اپنی فہرستیں پیش کرتے رہے ، جو مسٹر زیڈ اے بھٹو ، مسٹر جتوئی ، مسٹر کھر اور پاکستان پیپلز پارٹی کے دوسرے زعماء کی سفارشات کے سامنے کوئی اہمیت نہ رکھتی تھیں ۔

اگر میں عوام کی خدمت کے تحت آنکھیں بند کر کے جانبداری برتتا ، یا میں اس کے برعکس کرتا تو پھر عوام کے مفاد کو نظرانداز کر دیتا ۔ اگر میں حکمران پارٹی کے موزوں اور جائز مفادات کو نظرانداز کر دیتا تو پھر رجعت پسندوں کا جوابی انقلاب و بغاوت ، جس کی سربراہی چیف مارشل ءایڈ منسٹریٹر کر رہا تھا بہت پہلے سرکاری مشینری کو خراب کر جاتا ۔ میں تو توازن اور معقولیت کی پالیسی پر عمل کر رہا تھا اور متصادم مفادات کو ہم آہنگ کر کے ، ایک مشترکہ ڈھانچے کی تشکیل کر رہا تھا ۔

فوج نے حکومت کا تختہ الٹ کر کیا سبق سکھایا ہے ؟ یہ کہ سمجھوتہ کیا جائے ۔ جو ایک یوٹوپین خواب ہے ۔ فوجی حکومت نے یہ ظاہر کیا ہے کہ طبقاتی جدوجہد میں مفاہمت اور اشتراک نہیں ہو سکتے ۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایک طبقہ دوسرے طبقے کو فتح کر لے گا۔ اس سے دور حال میں جو بھی نقصانات پہنچیں یہ جدوجہد صرف ایک طبقے کی فتح پر منتج ہوگی ۔ آنے والے واقعات کی تمام تر ذمہ داری اس فوجی حکومت کے رہنماؤں پر عائد ہوتی ہے ۔ یہ نوشتۂ دیوار ہے جس پر ان کے دستخط ثبت ہیں ۔

یہ ایک فارس اور انتہائی مضحکہ خیز صورتِ حال ہے کہ میرے لئے میرے بیٹے مرتضے نے لندن میں جو تجزیہ کیا اس کا غیرضروری ردعمل رجعت پسندوں کی طرف سے سامنے آیا ۔ جس سے ان رجعت پسندوں کی بوکھلاہٹ اور احساسِ جرم کا اظہار ہوتا ہے ۔ ایک اردو اخبار نے میرے بیٹے کو یاد دلایا کہ جیسے اس کا ایک باپ ہے ، قصوری کا بھی ایک باپ تھا ۔ قصوری نے اپنے باپ کے خون سے سرکاری خرچ پر لاس اینجلز ، نیویارک اور پیرس میں ہولی کھیلی ۔ اگر میرے بیٹے ، ان لوگوں کا خون نہ پیئیں جو میرے خون کے درپے ہیں تو وہ میرے بیٹے نہیں ۔ یہ ہے اصل فرق ۔ میرے بیٹے کون ہیں؟ عوام میرے بیٹے ہیں ، میر غلام مرتضے اور شاہنواز کو ان کی پیدائش سے یہ تربیت دی گئی ہے کہ وہ ان کے سچے خادم ہیں ۔

انٹیلیجنس ایجنسیز

قرطاس ابیض میں انٹیلیجنس ایجنسیز کے کردار پر بڑے تقدس سے مگر مچھ کے آنسو بہائے گئے ہیں کہ یہ ریاستی ادارے پاکستان پیپلزپارٹی کی حکومت کے سیاسی بازو بن گئے تھے ۔ صفحہ ۱۹۵ پر اس معاملے کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"ریاست کی انٹیلجنس ایجنسیز کا کردار ۔۔ کہ وہ پاکستان پیپلزپارٹی کی حکومت کا سیاسی بازو بن گئی تھیں اور خاص طور پر عام انتخابات میں کا کردار بہت سے اہم صوالات کو جنم دیتا ہے ۔ جب سیاست انٹیلجنس بیورو یا انٹر سروسز انٹیلجنس ڈائرکٹوریٹ جیسے حساس اداروں پر مسلّط ہو جائے تو پھر قدرتی طور پر یہ اپنے بنیادی فرائض یعنی ریاست کی خارجی اور اندرونی سلامتی سے غفلت برتنے لگیں گے ۔ ایک جمہوری معاشرے میں جمہوری جماعتوں کا وجود جمہوریت کے لئے ناگزیر ہوتا ہے اگر ان جمہوری پارٹیوں کے خلاف حکمران جماعت ان ریاستی اداروں کو استعمال کرے تو ملکی سلامتی کا کام مجروح اور مشکل ہو جاتا ہے"۔

اس سلسلے میں اپنی مزید حمایت کے لئے قرطاس ابیض کے صفحہ ۱۹۷ پر مسٹر اے ۔ کے بروہی کی معروضات پیش کی گئیں جو انہوں نے بیگم نصرت بھٹو کی درخواست کی سماعت کے درمیان سپریم کورٹ میں پیش کی تھیں ۔ بروہی نے کہا تھا:

"اس رویے میں انٹیلجنس بیورو کو خاص طور پر مسٹر بھٹو کے ذاتی اور سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا" ۔ اس کے علاوہ ۔۔۔ ایک اور حوالہ اسی درخواست کے حوالے سے ہے ۔ یہ صفحہ ۱۸۱ پر درج ہے۔

"مسٹر بھٹو نے ایک ایسا ہی ہدایت نامہ انٹیلجنس بیورو کے ڈائریکٹر کے نام جاری کیا ۔ فیڈریشن کی طرف سے مسٹر زیڈ اے بھٹو کی نظربندی کی درخواست پر سپریم کورٹ کے سامنے دلائل دیتے ہوئے مسٹر اے ۔ کے بروہی نے کہا:

(۱) جب ڈائریکٹر انٹیلجنس بیورو نے ایک رپورٹ یکم اپریل ۱۹۷۶ کو مسٹر بھٹو کو پیش کی ۔ جس میں یہ نشاندہی کی گئی تھی کہ مخالف سیاسی جماعتیں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر رہی ہیں تو مسٹر بھٹو نے مندرجہ ذیل ہدایات جاری کیں:

"پلیز ان پر کڑی نگاہ رکھیئے ، انہیں کسی طرح بھی ایک دوسرے کے قریب آنے کی

اجازت نہ دی جائے ۔ یہ خوف کا نہیں بلکہ ایک اصولی مسئلہ ہے ۔ یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ انہیں جدا رکھیں ۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ جب غلام مصطفیٰ کھر نے مسٹر روف طاہر کو پنجاب گھی بورڈ کا سربراہ بنایا تو اس نے بہت زیادہ روپیہ بنایا ، اس کی تحقیقات کیوں نہیں کی جاتی ہیں"۔

(ب) جب چیف سکیورٹی افسر نے ایک رپورٹ ۵ مئی ۱۹۷۶ کو وزیر اعظم کے سامنے پیش کی جس میں ان کوششوں کا ذکر تھا کہ حزب اختلاف کا اشتراک ہونے والا ہے تو مسٹر بھٹو نے مندرجہ ذیل حکم جاری کیا:

"آپ انہیں متحد ہونے کی اجازت نہ دیں ۔ یہ آپ کا اولین فرض ہے"۔

اس کے برعکس انٹر سروسز انٹیلجنس کے ڈائریکٹر جنرل لیفٹننٹ جنرل جی جیلانی ، جنہوں نے خود کو اور اپنی ملٹری انٹیلجنس کو ساڑھے پانچ سال تک ، خاص طور پر میری ذات اور سیاسی مقاصد کے لئے استحصال اور غلط استعمال کی اجازت دیئے رکھی ، وہی قرطاس ابیض کے صفحہ ٦٦ کے مطابق ، میری حکومت کو ایک رپورٹ پیش کرتے ہوئے یہ رائے دیتے ہیں:

"ان (مسٹر بھٹو) کی قیادت فہم اور مرتبے کا کوئی نعم البدل نہیں اور کوئی بھی ان کے علم و فہم اور مرتبے کے قریب اس شعبے میں دستیاب نہیں ۔

"مسٹر بھٹو واحد رہنما ہیں جو بین الاقوامی شناخت اور امیج رکھتے ہیں ۔ جو بین الاقوامی پاور پالیسیوں کا علم اور تجربہ رکھتے ہیں ۔ انہوں نے پاکستان کے لئے ایک معمار کی سی خدمات انجام دی ہیں ۔ وہ پاکستان کے استحکام اور سلامتی کی علامت ہیں"۔

جب میں ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ کو پاکستان کا صدر بنا تو لیفٹیننٹ جنرل جیلانی اس سے پہلے انٹر سروسز انٹیلجنس کے ڈائریکٹر جنرل تھے ۔ وہ پانچ جولائی ۱۹۷۷ تک اپنے اس حساس عہدے پر فائز رہے ۔ حکومت کا تختہ الٹنے کے چند ماہ بعد انہیں سیکرٹری دفاع بنا دیا گیا۔ اس وقت بھی اس اہم عہدے پر فائز ہیں ۔ اگر وہ ناراضی کی زد میں تھے ، اگر ان کا ساتھی جرنیلوں کا ٹولہ انہیں میرا خوشامدی سمجھتا تو انہیں بھی اس طرح منظر سے ہٹایا جاسکتا تھا جس طرح بہت سوں کو ۵ جولائی ۱۹۷۷ یا اس کے بعد فوری طور پر ہٹایا جاچکا ہے ۔ سوائے جنرل جیلانی کے ، انٹیلجنس کے تمام انچارج افراد ، وفاقی سطح تک ، حکومت کا تختہ الٹنے کی رات یا اس کے ایک ماہ کے اندر اندر گرفتار کر لئے گئے تھے ۔

ریکارڈ کی تصحیح کے لئے یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ میرے خصوصی سیکرٹری راؤ عبدالرشید کو ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو حراست میں لے لیا گیا تھا اور اس طرح مسعود محمود ڈائریکٹر جنرل

فیڈرل سکیورٹی فورس اور شیخ اکرام سابقہ ڈائریکٹر انٹیلجنس بیورو کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا ۔ میرا خیال ہے کہ سعید احمد ، چیف سکیورٹی افسر کو جولائی کے وسط یا اگست ۱۹۷۷ کے درمیان گرفتار کیا گیا تھا۔ میرے سیکرٹری افضل سعید کو اگست کے وسط میں گرفتار کیا گیا ۔ سابق سیکرٹری داخلہ فضل حق کو فی الفور ملازمت سے نکال دیا گیا ۔ اس وقت کے سیکرٹری داخلہ ایم اے کے چوہدری ، جو اس وقت کے چیف جسٹس کے بھائی ہیں انہیں اس اعزاز سے محروم رکھا گیا ۔ جب ان کے بھائی کا سپریم کورٹ سے اخراج ہوا تو اس کے نتیجے میں انہیں بھی اپنے ہتھیاروں کو الوداع کہنا پڑا ۔

چیف آف ملٹری انٹیلجنس لیفٹننٹ جنرل جیلانی کو چھوا تک نہیں گیا۔ اس کے برعکس وہ وہیں آرام سے رہے جہاں تھے اور اس کے بعد انہیں وزارت دفاع میں سیکرٹری بنا دیا گیا۔ پانچ برس سے زائد عرصے تک وہ میرے مرکزی انٹیلجنس افسر رہے اور وہ میرے بہت سے خیالات کا خزینہ تھے ۔ کچھ حساس موضوعات سے جن پر میں نے ان کے ساتھ ، پاکستان کے دوبارہ وزیراعظم بننے کے انتخابات کے سلسلے میں بحث اور تبادلۂ خیالات کیا ۔ کچھ یہ تھے:

(ا) وفاقی ڈھانچے کی ، سیاسی اور تنظیمی دونوں پہلوؤں سے مکمل تنظیم نو،

(ب) مرکزی انٹیلجنس ایجنسیز کا ایک باوقار اور مستحکم انٹیلجنس ڈپارٹمنٹ میں ادغام جو ان دو حصوں میں منقسم ہیں ۔

(۱) داخلی

(۲) خارجی

(ج) اصلاحات

لیفٹننٹ جیلانی نے میرے مستقبل کے منصوبوں پر میرے ساتھ گہری اور بے تکلفانہ بات چیت اور بحث کی تھی ۔ اگر فوجی ٹولہ واقعی اس انداز پر ناراض اور مشتعل ہے کہ جس طرح میں نے انٹیلجنس ایجنسیوں کو استعمال کیا تو پھر لیفٹننٹ جنرل جیلانی ڈائریکٹر جنرل انٹر سروسز انٹیلجنس ان کے ساتھی جنرلوں کا نمبر ایک ہدف ہونا چاہئے ۔

چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر مجھے رسوا اور بدنام کرنے سے مطلق نہیں تھکتا ۔ اس نے مجھے قاتل اور جدید میکاویلی کہا ہے ۔ اس نے مجھے معیشت کی تباہی کا ذمے دار قرار دیا ہے ۔ اس کا دعویٰ ہے کہ میری وجہ سے ملک خانہ جنگی کے دہانے تک پہنچ گیا تھا ۔ اس نے کئی مسلم ممالک اور چین کا دورہ سرکاری فائلوں اور دستاویزات کے ساتھ کیا ہے تاکہ وہ ان ملکوں کے رہنماؤں کو قائل کر سکے کہ میں ایک قاتل اور خوفناک تشدد پسند انسان تھا ۔ اس کے برعکس ، حکومت کا فوج کے ذریعے تختہ الٹنے کے چند ماہ پہلے ،

لیفٹننٹ جنرل جیلانی نے تحریری طور پر اظہار کیا تھا اور میں اس کا متن دہراتا ہوں:
"ان (مسٹر بھٹو) کی قیادت ، فہم اور مرتبے کا کوئی نعم البدل نہیں ۔ اور کوئی بھی ان کے علم و فہم اور مرتبے کے قریب اس شعبے میں دستیاب نہیں"۔
مسٹر بھٹو واحد رہنما ہیں ، جو بین الاقوامی شناخت اور امیج رکھتے ہیں ۔ جو بین الاقوامی پاور پالیسیوں کی تشکیل کا گہرا اور شدید علم اور تجربہ رکھتے ہیں ۔ انہوں نے پاکستان کے لئے ایک معمار کی خدمات انجام دی ہیں ۔ وہ پاکستان کے استحکام اور سلامتی کی علامت ہیں"۔

اس وقت جبکہ پاکستان کے غریب شہری "جئے بھٹو" کہنے کے جرم میں کوڑے کھا رہے تھے اور انہیں قید بامشقت کی سزائیں دی جارہی تھیں ۔ جب خواتین پر لاٹھی چارج کیا جارہا تھا ۔ ان پر آنسو گیس پھینکی جارہی تھی اور انہیں جیلوں میں اس لئے لے جایا جارہا تھا کہ وہ دلیوں کی درگاہوں پر میرے لئے دعا کر رہی تھیں ۔ یہ سمجھنا بہت دشوار ہے کہ کیسے سابق ملٹری چیف آف انٹیلجنس ، جو ایسی خوشامدانہ رپورٹیں بھیجتا تھا ۔ جن میں میری قیادت کو بالاتر قرار دیا جاتا ۔ وہ اس فوجی ٹولے کے سیٹ اپ میں ایسی اہم حیثیت پر فائز و برقرار رکھا گیا ۔
اس حوالے سے یہ معاملہ غور و فکر کا حامل ہے کہ لیفٹننٹ جنرل جیلانی کی مجھے متاثر کرنے کی یہ کوشش کامیاب رہی کہ چھ جرنیلوں کو نظرانداز کر کے اس وقت کے میجر جنرل ضیاالحق کو چیف آف سٹاف کا عہدہ دیدیا جائے ۔ یہ اس کہانی کا صرف ایک حصہ ہے ۔ لیکن اس معمولی سے انکشاف کے ساتھ میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ کس نے کس کا استحصال کیا؟ کیا ملٹری انٹیلجنس کے چیف اور اس کے چیف آف سٹاف نے میرا استحصال کیا یا میں نے ان کا استحصال کیا تھا؟

حال ہی میں میں نے ایچ ۔ آر ۔ ہالیڈمین کی کتاب "دی اینڈز آف پاور" کا مطالعہ کیا ہے ۔ مجھے اس سلسلے میں معاف کیا جائے کہ میں اپنا موازنہ ایک سپرپاور سے کر رہا ہوں ۔ لیکن چونکہ صرف یہی ایک موازنہ نہیں ہے جو میں کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اس لئے میں اپنے ریمارکس کی تمہید عاجزانہ معذرت سے کر رہا ہوں ۔ ہالیڈمین صدر رچرڈ نکسن کا رفیع رضا تھا ۔ اس کتاب "دی اینڈز آف پاور" میں ہالیڈمین نے اس یقین کا اظہار کیا ہے کہ صدر نکسن کے اخراج کے سلسلے میں سی آئی اے کو شبہ سے بالاتر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ خواہ اس سلسلے میں بنیادی ادارہ اسے کمزور و معذور بنانا ہی کیوں نہ چاہتا ہو ۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۷ پر ہالیڈمین کہتا ہے "اس بار سی آئی اے تیار تھی ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ تیار ہی نہیں بلکہ اس کھیل میں کئی مہینے آگے

تھی ، تاکہ نکسن اس طرف چل پڑے جس کے بارے میں اب میرا یقین ہے کہ وہ ایک پھندہ تھا ۔

مندرجہ بالا حوالہ یہ بات ثابت کر دیتا ہے کہ یہ موازنہ غیر ضروری نہیں ہے ۔ اس میں مشابہت اتنی قریبی ہے کہ اس نے مجھے متحیر کر کے رکھ دیا ہے ۔

(ا) نکسن نہ صرف یہ کہ کابینہ کے چار افراد کے استعفوں کا مطالبہ کرتا ، اور ان کی جگہ مضبوط تر افراد کو تعینات کرنا چاہتا تھا ۔ (ان میں چار ایسے تھے جن کی حقیقت میں دوبارہ تقرری کی جانے والی تھی) وہ حکومت کے نئے ڈھانچے کے لئے ایک ڈرامائی بلکہ انقلابی ارادہ رکھتا تھا۔

(ب) اپنے دورِ اقتدار کے وسط میں نکسن نے اس انقلابی تبدیلی کے بارے میں ایک تنظیم نو کا بل متعارف کرایا تھا۔ اسے ایک بوکھلائی ہوئی کانگریس نے بڑی عجلت میں مسترد کر دیا ۔ اقتدار کے بارے میں وائٹ ہاؤس کے ایک مٹھی بھر اے ڈیز کی باتوں نے کانگریس کے حامیوں حتی کہ نکسن نے شدید غصے میں کہا تھا اگر میں انتخابات جیت گیا تو میں اپنے صدارتی حکم سے تنظیم نو کا نفاذ کر دوں گا اور اسمبلی جہنم میں جائے ۔
نکسن انتخابات جیت گیا اور اس نے یہ کر دکھایا ۔
تنظیم نو ۔۔ واٹر گیٹ کی خفیہ کہانی ہے ۔

(ج) نکسن نے اس بات پر رضامندی ظاہر کی "میں یہ مشورہ دوں گا کہ ہم ہاؤس کی صفائی کریں ۔ اب نئی ٹیم کا وقت آگیا ہے ۔ وقت ۔۔۔ میں یہ کہوں گا کہ جب ہم پہلے اقتدار میں آئے تو ایسا نہ کر سکے۔ لیکن اب ہمیں مینڈیٹ حاصل ہے اور اس مینڈیٹس میں سے ایک یہ ہے کہ ۱۹۶۸ میں ہم جو صفائی نہ کر سکے تھے ، وہ اب کر کے رہیں" ۔

(د) جنوری ۱۹۷۳ کے "یوایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ" میں نکسن کی تنظیم نو کے پیچھے کے عنوان سے لکھتا ہے:

"وہ اسے ایک مینجریل (انتظامی) انقلاب کہتے ہیں ۔۔۔ جس انداز میں صدر فرائض اور ملازمتوں کو چھانٹ رہے ہیں اس کا ہدف کیا ہے ۔۔۔ حکومت اس طرح کام کرے جیسے وہ چاہتے ہیں ۔ انتظامی عہدوں کے مسلسل ہلانے جلانے کے پیچھے یہ امر ہے کہ ۔۔۔

"رچرڈ نکسن ، بطور صدر اپنی دوسری میعاد صدارت میں یہ ارادہ کئے ہوئے ہیں کہ عظیم الجثہ فیڈرل بیوروکریسی پر کنٹرول کر کے اسے پالیسی کی سمت پر گامزن کیا

جائے ۔ صدر یہ کام جزوی طور پر اس طرح کر رہے ہیں کہ وائٹ ہاؤس کے متمد دنائیبین کو عہدوں پر لگا رہے ہیں ، جو چار برسوں سے نکسن کے کام کرنے کے طور طریقوں کی تربیت حاصل کر چکے ہیں ۔ ان لوگوں کو عملی کارروائی کرنے والے شعبوں میں کلیدی عہدے دئے جا رہے ہیں "۔

یہ مضمون یکم جنوری ۱۹۷۳ کو شائع ہوا تھا "پوسٹ" اور "ٹائمز" واٹر گیٹ کے بارے میں اپنی خبری کہانیاں چند ہفتے پہلے شائع کر چکے تھے ۔ گیلپ پول نے رپورٹ دی تھی کہ نکسن کی مقبولیت ، پسندیدگی اور تصدیق کی شرح) انتہا پر پہنچ گئی تھی ۔

پھر واٹر گیٹ کا معاملہ کھلا جس کے ساتھ ووڈ وارڈ اور برینسٹن کے انکشافات بھی عوام کو مشتعل کرنے میں ناکام رہے تھے ۔ اور اب نکسن ۔۔۔ ایک ایسا صدر تھا جو اس صدی میں ڈیمو کریٹس اور بیورو کریسی سے سب سے زیادہ خوفزدہ صدر تھا ۔ اس کے باوجود اپنے اقتدار اور قوت کے عروج پر تھا ۔ اور حکومت کا کنٹرول مضبوطی سے اس کے ہاتھ میں تھا ۔

اگر نکسن کی تنظیم نو کا سلسلہ جاری رہتا تو کیا ہوتا ؟ اگر نکسن اپنے دفتر میں براجمان رہتا تو پھر کیا ہوتا؟ واشنگٹن کے بھیدی لرز رہے تھے ۔ نہ صرف یہ کہ وہ اپنے آٹھ اعلیٰ افسروں کے ذریعے وائٹ ہاؤس کی تمام لگامیں مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں رکھتا بلکہ وہ حکومت کی ہر ایجنسی میں اپنے ایجنٹ ۔۔ کلیدی عہدوں پر فائز کر دے گا ۔

ان کے لئے جو نکسن سے خوفزدہ تھے یہ صورت حال بہت خراب تھی ۔ اور پھر اچانک جیسے ایک پکا ہوا پھل درخت سے گرتا ہے ، جنوری ۱۹۷۳ میں واٹر گیٹ کے دروازے زور سے کھل گئے ۔ تو اس کے نتیجے میں کیا ہوتا؟ نکسن کو کمزور اور معذور بنایا جا سکتا تھا ۔ اس سے بھی بد تر صورت یہ ہوتی کہ وہ مدافعت کی صورت اختیار کر لیتا اور اس قابل نہ رہتا کہ حکومت کو اپنی مضبوط گرفت میں اس طرح رکھ سکے جیسا کہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا ۔

(ب) واشنگٹن میں اقتدار کے بلاک ہیں یہ آغاز سے ہی بہت اہم رہے ہیں ۔

۱ ۔ پریس
۲ ۔ بیورو کریسی
۳ ۔ دی کانگریس
۴ ۔ انٹیلی جینس کمیونٹی

ان میں سے ہر ایک کو جنوری ۱۹۷۳ میں صدر سے خطرہ لاحق تھا ۔ جو کہ اس وقت امریکہ میں اپنی عوامی مقبولیت کے عروج پر تھا ۔ ان میں سے ہر ایک نے پوری شدت اور قوت کے

ساتھ ردعمل کا اظہار کیا کیونکہ صدر رچرڈ نکسن تھا ۔ اور جنوری ، فروری اور مارچ ۱۹۷۴ کے مہینوں میں انہوں نے وائٹ ہاؤس پر چڑھ دوڑنے کا ارادہ کر لیا ۔

میں اپنے آپ کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر ، یا اپنے ترقی پذیر ملک کو ایک سپر پاور کا ایک دوسرے کے مساوی قرار نہیں دے رہا ہوں ۔ لیکن اگر واشنگٹن میں قوت کے چار بلاک تھے تو اسلام آباد میں بھی طاقت کے چار بلاک موجود تھے ۔

۱ ۔ ملٹری
۲ ۔ بیوروکریسی
۳ ۔ بڑے تاجر
۴ ۔ سیاستدان

میں اس وقت عوام میں اپنی مقبولیت کی انتہا پر تھا جب میرے خلاف سازش کا آغاز ہوا ۔ حقیقت یہ ہے کہ پی این اے کی تحریک عوام کو میرے خلاف مشتعل کرنے میں ناکام رہی تھی ۔ میں بھی بڑے پیمانے پر زبردست تنظیم نو کرنے اور اصلاحاتی پروگرام کا نفاذ اپنے نئے مینڈیٹ کی قوت کے بل بوتے پر جو مجھے مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات میں حاصل ہوا تھا کرنے کی پوری تیاری کر چکا تھا ۔ اس پروگرام کو وہ لوگ جانتے تھے جنہیں ہالیڈ مین نے "انٹیلی جنس کمیونٹی" کا نام دیا ہے ۔ میری انتظامیہ میں ایک "ہراملن" موجود تھا ، جو "اندورنی اطلاعات و معلومات" گڑبڑ کے مہینوں میں ایک اردو اخبار کو فراہم کرتا تھا ۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ میں کس طرح انٹیلی جنس ایجنسیوں کو اپنے ذاتی اور سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرتا تھا ۔ پورے قرطاس ابیض میں یہ عجیب رمز موجود ہے ۔ لیکن اب اس جگہ کو چھوتا ہوں جو سب سے زیادہ درد کرتی ہے ۔

ایوب خان اور یحییٰ خان کس طرح انٹیلی جنس ایجنسیوں کو استعمال کرتے تھے؟ یحییٰ خان نے انٹیلی جنس ایجنسیوں کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے سیاست دانوں میں پھوٹ ڈلوانے اور ۱۹۷۰ کے انتخابات پر اثر انداز ہونے کے لئے استعمال کیا تھا ۔ یہ میں سب کچھ جانتا ہوں کہ میں اس وقت اس کا آخری سرا تھا میری جماعت پر انٹیلی جنس ایجنسیوں کا شدید ترین دباؤ تھا ۔ ۱۹۷۰ کے انتخابات کے بعد اور حتیٰ کہ یحییٰ خان کے مارشل لاء کے خاتمے کے بعد بھی دونوں سول اور ملٹری انٹیلی جنس ایجنسیاں میری پارٹی پر دباؤ ڈالنے کے لئے گھسی ہوئی تھیں تاکہ منتخب نمائندوں کو اپنے اثر ورسوخ سے زیر کر سکیں ۔

جنوری ۱۹۷۲ میں لندن کے لئے جاتے ہوئے ، شیخ مجیب الرحمٰن نے مجھے بتایا تھا کہ

مغربی پاکستان کے پانچ افراد پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہے اور انہیں پلٹن میدان میں پھانسی پر لٹکوا دینا چاہتا ہے ۔ ان پانچ میں سے دو کا تعلق ملٹری اور سول انٹیلی جنس سے تھا ۔ مجیب الرحمٰن نے سیاسی شعبے میں ان کی گھناؤنی کارروائیوں کی تفصیلات مجھے بتائی تھیں ۔ میں نے انہیں بتایا کہ ہمارا تجربہ بھی اس سے مختلف نہیں ہے ۔ ایوب خان بھی سیاسی مقاصد کے لئے انٹیلی جنس ایجنسیوں کو استعمال کرتا تھا ۔ اس نے DAC (ڈیک) کو سول اور ملٹری انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ذریعے توڑنے کی کوشش کی ۔ اس نے انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ذریعے پوری کوشش کی کہ میری پارٹی مضبوط نہ ہو سکے ۔ اس نے ۳۰ نومبر اور یکم دسمبر ۱۹۶۸ کو ہمارے بنیادی اجلاسوں کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی ۔ اور اس نے انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ذریعے ہی اس کی حکومت کے خلاف میری سرگرمیوں کو روکنے کی کوشش کی ۔ ایوب خان کس طرح انٹیلی جنس ایجنسیوں کو استعمال کرتا تھا اس کی میں صرف تین نمائندہ مثالیں پیش کرتا ہوں ۔

(ا) جب ۱۹۶۵ کی پاک بھارت جنگ شروع ہوئی تو ملٹری انٹیلی جنس اس قابل نہیں تھی کہ بھارتی آرمرڈ ڈویژن کا اتہ پتہ معلوم کر سکیں ۔ ایوب خان بہت مشتعل اور ناراض ہوا ۔ اس نے انٹر سروسز کے ڈائریکٹر جنرل بریگیڈیئر ریاض حسین (جو بعد میں جنرل بنے اور یحییٰ خان کے دور میں بلوچستان کے گورنر بھی بنے) کو راولپنڈی اپنے دفتر میں طلب کیا ۔ وزیر خارجہ کی حیثیت سے میں بھی وہاں موجود تھا ۔

ایوب خان نے ریاض حسین کو خوب لتاڑا اور اسے بتایا کہ ملٹری انٹیلی جنس نے ملک کو سرنگوں کر دیا ہے ۔ میں نے بریگیڈیئر ریاض حسین سے کہا بھارتی آرمرڈ ڈویژن بھوسے میں گری ہوئی سوئی تو نہیں ہے کہ اس کا سراغ نہ مل سکے ۔ مجروح لہجے والی آواز میں صدر ایوب خان نے کہا ۔ "یہ ایک جسیم عفریت ہے سوئی نہیں"۔ وہ بریگیڈیئر ریاض حسین کو دباتا چلا گیا کہ وہ اسے بتائے کہ آخر ملٹری انٹیلی جنس میں کیا خرابی واقع ہوئی ہے ۔ کانپتی ہوئی آواز میں بریگیڈیئر ریاض حسین نے جواب دیا ۔ "جناب جون ۱۹۶۴ سے ملٹری انٹیلی جنس کو سیاسی کام سونپے گئے ہیں کہ انتخابات اور انتخابات کے بعد کے معاملات کو دبایا جاسکے" ۔ چند دنوں کے بعد ہمیں معلوم ہو گیا کہ بھارتی آرمرڈ ڈویژن کہاں ہے ۔ یہ اتہ پتہ ملٹری انٹیلی جنس کی سرگرمیوں سے نہیں بلکہ حسن اتفاق سے مل گیا تھا ۔ جموں میں ایک مجاہد نے ایک بھارتی ڈسپیچ سوار کو مار گرایا تھا ۔ اس سوار سے جو کاغذات ملے تھے ، ان سے ہمیں وہ معلومات مل گئیں جن کی ہمیں ضرورت تھی اور اور یوں ہمیں سکھ کا سانس آیا ۔

(ب) ایوب خان کی خصوصی ہدایات کے تحت ، انٹیلی جنس ایجنسیوں نے ۱۹۶۴ میں جنرل اعظم کو صدارتی امیدوار اور صدر ایوب کا حریف بننے سے روکنے کی کارروائی کی ۔

(ج) نومبر ۱۹۶۴ کے اوائل کا ذکر ہے کہ مشرقی پاکستان کے ایک نامور سیاست دان جو میرے انتہائی قریبی دوست تھے ۔ مجھے ملنے میری رہائش گاہ ، ۷۰ کلفٹن کراچی تشریف لائے ۔ وہ COP کے ایک سرکردہ رہنما تھے ۔ کھانے کے بعد اور رخصت سے کچھ پہلے ، انہوں نے اپنی چھوٹی آنکھوں کو سکیڑ کر اور چھوٹی بناتے ہوئے مجھے بتایا کہ ایک سابق وزیر اعظم پاکستان ایک ماہ کے اندر اندر ایک ایسا بم چلائیں گے کہ جس کے نتیجے میں ایوب خان اور ہم سب ہوا میں اڑ رہے ہوں گے ۔

میں نے ان کے اس ریمارک کو ایک مذاق سمجھا اور انہوں نے مجھے بتایا میرے دوست سنو ، میں اس کی تفصیلات سے آگاہ نہیں ہوں ۔ لیکن اس کا تعلق کسی ایسے ٹیلی گرام سے ہے جو ایوب خان نے اس وقت کے پاکستان کے وزیر اعظم کو صدر ناصر کے بارے میں واشنگٹن سے روانہ کیا تھا ۔ اس وقت ایوب خان پاکستان کی افواج کے کمانڈر انچیف تھے ۔ جب میں راولپنڈی آیا تو میں نے صدر ایوب سے اس بات چیت کا ذکر کیا ۔ وہ سوچنے لگا ، ایک منٹ تک چھت کو گھورتا رہا ۔ اپنی میز سے قینچی اٹھائی اور اور مجھے بتایا "لیکن اس واقعہ کو طویل عرصہ ہو چکا ہے ۔ اور مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا لکھا تھا ، پھر اس نے اس پر اضافہ کیا "لیکن یہ نو سرکولیشن ٹیلی گرام تھا"۔ پھر اس نے مجھے مزید بتایا کہ اس نے اس ٹیلی گرام کی سفارت خانے کی کاپی کو واشنگٹن میں ہماری چانسری میں اپنے سامنے جلا دیا تھا ۔ اور پھر پاکستان واپس آکر اس نے خود یہ معائنہ کیا تھا کہ دفاتر وزارت خارجہ کی نقل اور دوسری دو نقول کو بھی جلایا اور ضائع کیا جا چکا ہے ۔

میں نے اسے بتایا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بوڑھے آدمی نے جب وہ وزیر اعظم نہیں رہا تھا تو سائفر ٹیلی گرام کو اپنے قبضے میں لے لیا ہو ۔ میں نے ایوب خان کو مشورہ دیا کہ وہ اس نے سائفر پیغام کے ساتھ کیا کیا تھا ، اس کے بارے میں سوچے ۔ اور یاد کرے کہ اس نے کیا لکھا تھا ۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس سے کہیں زیادہ ناگزیر امر یہ ہے کہ یہ ٹیلی گرام کس طرح حاصل کیا جائے ۔ اس نے انٹر کونیکٹر کا بٹن دبایا اور اپنے ملٹری سیکرٹری سے کہا "نوازش ، ڈی آئی جی ، ڈی جی اور آئی ایس آئی کے ڈائریکٹروں سے کہو کہ وہ فی الفور مجھے آکر ملیں ۔ نصف گھنٹے کے اندر وہ دونوں صدر کے دفتر میں تھے ۔ ایوب خان نے انہیں بتایا کہ میں نے اسے کیا بتایا ہے اور اس نے مجھے کیا بتایا تھا ۔ اس کے بعد وہ ان کی طرف آگے جھکا اور انہیں کہا:

"جنٹلمین ، مجھے وہ ٹیلی گرام چاہیئے ۔ خواہ اس کی قیمت فورٹ ناکس کے پورے سونے کی قیمت میں ہی کیوں نہ ادا کرنی پڑے ۔

لگ بھگ بیس دنوں کے بعد صدر کے اے ۔ ڈی ۔ سی نے مجھے مطلع کیا کہ میں فوراً ایوب خان سے ملاقات کروں ۔ جب میں اس کے دفتر میں داخل ہوا تو مسرور اور چمکدار چہرے کے ساتھ ایوب خان نے سائفر ٹیلی گرام کو ہوا میں لہرایا اور میرے ہاتھوں میں دیدیا ۔ اسے پڑھنے کے بعد میں نے کہا "جناب صدر میری انگلیاں جلنے لگی ہیں ۔ اس دستاویز کو فوراً جلا دیں" ایوب خان تمباکو نوشی ترک کر چکا تھا ۔ میں سگار پیتا تھا میں ماچس یا لائٹر اپنے ساتھ کبھی نہ رکھتا تھا میں نے میز پر رکھے چاندی کے سگریٹ باکس کو اٹھایا اور اس میں سے دیا سلائی نکال کر ایوب خان کو پیش کی تاکہ وہ یہ رسم سوختنی ادا کر سکے ۔

یہ ایک شاندار سیاسی کارنامہ تھا جو ایک انٹیلی جنس ایجنسی نے انجام دیا تھا ۔ لیکن یہ کارنامہ ایک صدر کے لئے کیا گیا ۔ انتخابات میں اس کے مقاصد کے لئے انجام دیا گیا ۔

میں اور کئی مثالیں دے سکتا ہوں ، لیکن میں اپنا نکتہ واضح کر چکا ہوں ۔ میرے دَور میں اینٹی جینس ایجنسیوں نے وہ بھیانک کارنامے انجام نہیں دئے جو وہ مارشل لاء ڈکٹیٹروں کے لئے انجام دیتی رہی ہیں ۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ ایجنسیاں اس وقت کیا کر رہی ہیں ۔ وقت آنے پر ہر بات کا انکشاف ہو کر رہے گا ۔

امیج بنانے والے

اس خاص وقت پر ، اس قرطاس ابیض کے جاری کئے جانے کے بنیادی مقصد کے بارے میں وسیع خطوط پر اس کی تصنیف اور مصنف ، الیکشن کمیشنر اور الیکشن کمیشن ، ماضی اور حال ، منصوبہ بندی اور دھاندلی کی تیاریوں کے مابین فرق ، جسے حکومت کی پالیسی بتایا گیا سرکاری افسروں اور حکمران پارٹی کے مابین تعلقات ۔ حکومت کے دائرہ کار کے تحت مختلف شعبوں اور وزارتوں سے فائدہ اٹھانا ، ان سب امور کے بعد اب میں ایسے کچھ افسروں پر بات کروں گا جنہیں قرطاس ابیض میں بڑا نمایاں کہا گیا ہے ۔

قرطاس ابیض میں بہت زیادہ جگہ میرے نام نہاد اُمیج میکرز ، (امیج بنانے والوں) کو دی گئی ہے ۔ چونکہ میرا امیج اس ملک کے محنت کش عوام کے دلوں پر نقش ہے اس لئے عوام

پر توجہ دینا وقت کا ضیاع ہوگا وزارت اطلاعات اور نشریات اور اس کے اعلیٰ اور طاقتور افسروں کا وہ کردار یاد کرتے ہوئے، جس کے ساتھ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں ، مارشل لاء کے والد کا جو امیج ان افسروں نے "سنہری زمانے اور عشرۂ اصلاحات کے درمیان بنایا ، میں اس موضوع پر بحث کرنے سے گریز کروں گا ۔

چند افسر جن کا بطور خاص ذکر ہے وہ ہیں ۔

(ا) مسٹر وقار احمد اسٹیبلشمنٹ اور کیبنٹ سیکرٹری

(ب) مسٹر محمد حیات ٹمن سیاسی مشیر ۔

(ج) مسٹر افضل سعید ، سیکرٹری وزیراعظم ۔

(د) مسٹر راؤ عبدالرشید سپیشل سیکرٹری ۔

چونکہ میں نہ تو بیوروکریٹک اور نہ ہی فوجی سیاست دان ہوں ، میرا ناقابل تغیر اصول یہ رہا ہے کہ اپنے سیاسی فیصلوں کے لئے سیاست دانوں کے مشوروں پر انحصار کروں ۔ میں نے ہر طرف سے تجاویز اور مشوروں کا خیر مقدم کیا ہے ، لیکن میرے سیاسی فیصلے میرے ساتھی سیاست دانوں کے مشوروں پر استوار تھے ۔ اس کا ذکر میں بیوروکریسی کا ذکر کرتے ہوئے کر چکا ہوں ۔ میں عوام کا ایک آدمی ہوں ۔ مَیں عوام کی ایک تخلیق ہوں ۔ اس لئے یہ میرے لیے تصور کرنا ہی محال ہے کہ مَیں سیاسی امور میں بیوروکریٹ پر انحصار کرتا ہوں یہ میرے سیاسی فلسفے اور میرے مزاج کے قطعی منافی ہے ۔ واحد ٹیسٹ جو میرے لئے ہے وہ عوام کا ہے اور یہ امتحان سیاسی سطح پر حل کیا جاتا ہے نہ کہ بیوروکریٹک ذرائع سے ۔

مسٹر وقار احمد میری انتظامیہ میں ایک کلیدی عہدے پر فائز رہے ۔ ۱۹۷۴ء میں ان کی تقرری سے چند ہفتے پہلے تک ، میں گذشتہ دس برسوں میں انہیں نہیں ملا تھا ۔ حنیف رامے نے پنجاب کا وزیر اعلیٰ بننے کے بعد ہی مجھے اکسایا ، کہ مَیں ایک جانے پہچانے سکالر کو ملاقات کے لئے وقت دوں ۔ جب اس شریف آدمی نے مجھ سے ملاقات کی تو اس نے واحد موضوع جس پر بات کی ، یہ درخواست تھی کہ مَیں صوبہ پنجاب میں مسٹر ٹمن کے تجربے قابلیت سے استفادہ کروں ۔ مَیں نے کہا کہ میں اس کی سفارش پر غور کروں گا ۔

اس روز جب حنیف رامے مجھ سے ملے تو مَیں نے انہیں کہا کہ وہ مسٹر ٹمن کو پنجاب میں مشیر بنانے کی درخواست براہِ راست مجھ سے کر سکتے تھے ۔ حنیف رامے نے مکمل حیرت کا اظہار کیا کہ انہوں نے پینجاب میں مسٹر ٹمن کی تقرری کی حمایت نہیں کی ۔ اور اغلباً مجھے غلط فہمی ہوئی ہے ۔ اس کے باوجود مَیں نے مسٹر رامے کے دوست سے جو وعدہ کیا تھا اسے نبھاتے

ہوئے مسٹر ٹمن جن کا پی پی پی سے کوئی تعلق نہیں تھا ۔ جو ضلع کیمبل پور کے ایک ریٹائرڈ سیاست دان تھے ، میرے سیاسی مشیر بن گئے ۔ اس کا سندھ کے دور دراز علاقے میں واقع نام نہاد اور پلان سے کوئی تعلق نہیں بنتا ۔

راؤ عبدالرشید صوبہ پنجاب میں انسپیکٹر جنرل پولیس تھے ۔ جب صادق حسین قریشی پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے تو معاملات سنبھالنے کے بعد انہوں نے چاہا کہ صوبے میں اُن کا اپنا آدمی انسپیکٹر جنرل پولیس بنے ۔ مَیں نے راؤ عبدالرشید کو اپنا سپیشل سیکرٹری مقرر کر لیا ، اس میں وزیر اعلیٰ پنجاب کی خواہش کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔ اگر راؤ عبدالرشید روشن آور ایم کوٹ لکھتے تھے تو اس کا یہ مطلب نہیں نکلتا جو قرطاس ابیض میں نکالا گیا وہ میرے پرنسپل ایڈوائزر بن گئے تھے ۔ میں ان عام سرکاری افسروں اور وزیروں کا جن کا میرے ساتھ مستقل رابطہ ہوتا تھا حوصلہ افزائی کرتا تھا کہ وہ براہِ راست اپنے خیالات کا اظہار کریں ۔ قرطاس ابیض اپنا راستہ بدل کر، یہ تاثر تخلیق کرتا ہے کہ راؤ عبدالرشید کا اثر ورسوخ مجھ پر مسلّط ہو گیا اور وہ میری پالیسیوں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا تھا یہ بالکل غلط ہے ۔

قرطاس ابیض صفحہ ۱۷ پر بیان کرتا ہے اور اس نوٹ کو سابق وزیر اعظم کے سامنے اس کے سپیشل سیکرٹری راؤ عبدالرشید خان نے پیش کیا ۔ جو انتخابات اور سیکورٹی کے امور نمٹانے میں ایک طاقتور شخصیت کی حیثیت سے ابھرے تھے ۔ صفحہ ۳۶ پر قرطاس ابیض بیان کرتا ہے ”راؤاے رشید خاں ، سابق وزیر اعظم کے سپیشل سیکرٹری اور سیاسی امور میں اس وقت ان کے کلیدی مشیر نے چاروں صوبوں کا دورہ کیا اور ایک تفصیلی رپورٹ مسٹر بھٹو کے سامنے ۳۱ مئی ۱۹۷۶ کو پیش کی“۔

قرطاس ابیض کے صفحہ ۶۹ پر بتایا گیا ہے ۔ درحقیقت راؤاے رشید اتنے طاقتور ہو گئے تھے کہ وہ آزادانہ مرکزی وزراء کی کارکردگی پر تنقید کرتے تھے ۔ جن میں شیخ رشید اور ملک معراج خالد جیسے سنیئر وزیر اور پارٹی کے زعماء جیسے ڈاکٹر مبشر حسن ، صوبائی وزرائے اعلیٰ اور وزیر شامل ہیں اکثر و بیشتر ان کے ریمارکس سخت ہوتے تھے جیسے ضمیمہ ۳۱ سے ظاہر ہے ۔ ان کی تجاویز اور سفارشات پر مسٹر ذیڈ اے بھٹو عموماً عمل کرتے تھے ۔ جیسا کہ ان کے متعدد حواشی کے نوٹس سے ظاہر ہے ۔ جن کا ذکر کیا جا چکا ہے یا آئندہ باب میں ذکر ہو گا اور ان سے یہ ثبوت مل جاتا ہے ۔

یہ قتل عام کی ایک کوشش ہے ۔ اس مشمولہ بیان میں مَیں پہلے سے ہی یہ نشاندہی کر چکا ہوں ۔ کہ مَیں نے راؤ رشید کی متعدد سفارشات کو مسترد کیا تھا ۔ اس کی تصدیق خود قرطاس

ایبض کرتا ہے ۔ میری اندرونی کونسل کی ایک بھی سیاسی میٹنگ میں راؤ رشید نے شمولیت نہیں کی ۔ مسٹر محمد حیات ٹمن نے ایسی ایک دو سیاسی میٹنگوں میں شرکت کی تھی ۔ لیکن اس کے بعد انہیں بھی اس سے خارج کر دیا تھا کیونکہ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے رکن اور ایک وزیر نے مسٹر ٹمن کی شرکت پر اعتراضات کئے تھے ۔ جو کہ راؤ رشید کے مقابلے میں سب سے زیادہ سیاستدان تھے ۔ میری مشکلات اور پاکستان پیپلز پارٹی کی اخلاقیات ایسی کبھی اجازت نہیں دیتے کہ میں ایک پیشہ ور بیورو کریٹ کو اتنا طاقتور بنا دیا کہ جو میرے سیاسی ساتھوں پر ایک مینار بن جائے ۔ قرطاس ابیض کے مصنفوں نے یہ تاثیر دینے کے لئے ایک "قانونی" موشگافی بھی کی یہ جواز آور محرک ذہانت پر مبنی نہیں ۔ مقصد قتل عام ہے ۔

(۱) مارشل لاء کی نظر بندی اور تحویل کے زمانے میں "گلیڈیٹرز" راؤرشید نے قطعی طور پر مجھے جھوٹے کیسوں میں پھنسانے سے انکار کر دیا ۔ مہینوں ان پر سخت لیکن ناکام مشقت کی کوششوں کے بعد ، انہیں نظر بند کرنے والوں نے انہیں ملازمت سے ڈسمس کر کے آزاد کر دیا ۔

(۲) اپنی رہائی کے بعد انہوں نے سپریم کورٹ میں ایک بیان حلفی داخل کیا ۔ جس میں وہ تمام تفصیلات بیان کی گئیں کہ کس طرح انہیں جائز اور ناجائز طریقے سے مجھے جھوٹے کیسوں جن میں میرا خیال ہے ، انتخابات میں دھاندلی کا مقدمہ بھی ہے پھنسانے کے لئے آمادہ کرنے پر ، دھمکیاں دی گئیں اور تنگ کیا گیا ۔

(۳) جوہی انہوں نے ، اس تاریخی نوعیت کے بیان حلفی کو سپریم کورٹ میں داخل کیا تو انہیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا اور ان کی بیوی کو گھر میں نظر بند کر دیا گیا ۔

(۴) انہوں نے بلوچستان میں فوج کی طویل موجودگی پر ایک تنقیدی تجزیہ تیار کیا تھا جس کا ذکر مَیں اس مشمولات میں پہلے ہی کر چکا ہوں ۔ اور جو قرطاس ابیض کے صفحہ ۷۲ سے ۷۹ پر شائع ہوا ہے ۔ ان کا یہ ۱۳ جولائی ۱۹۷۶ء کا پُر جامع نوٹ ، بطور ضمیمہ B—69 شائع کیا گیا ہے ۔

(۵) راؤ رشید نے چیف سیکرٹری بلوچستان سید منیر حسین کے نظریات سے اتفاق کیا تھا جنہوں نے اپنے خط مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۶ میں راؤ رشید کو مخاطب کر کے دیگر باتوں کے علاوہ کہا تھا ۔

"اس میں کچھ شک نہیں کہ بلوچستان کے مقامی سول حکام میں فوجی افسروں کی سرکاری شعبوں میں کھپت کے بارے میں ناراضگی پائی جاتی ہے ۔ درحقیقت بلوچستان

میں سِول اور ملٹری تعلقات کے موضوع اور بطور خاص بلوچستان میں فوجی افسروں کی ثانوی حیثیت کا مسئلہ مسٹر راؤ رشید نے ۱۲ جون ۱۹۷٦ کو اُٹھایا تھا ۔ نصر من اللہ جو بعد میں سید منیر حسین کی جگہ چیف سیکرٹری بنے ۔ انہوں نے یہ کوئٹہ میں ایک خاص پابند اجلاس میں فوجی افسروں کے کردار میں تخفیف کے حوالے سے اٹھایا تھا ۔ وہ جنرل جنہوں نے اس کی کانفرنس میں شرکت کی ان میں اپنے کا انداز کا اتفاق تھا ۔ اور یوں انہیں اپنے ان ریمارکس کی اس طرح قیمت ادا کرنی پڑی کہ جونہی مارشل لاء کا نفاذ ہوا ، انہیں بلوچتان کے چیف سیکرٹی کے عہدے سے اتار دیا گیا ۔

(٦) قرطاس ابیض کے صفحہ ۲۳ پر راؤ رشید کی جو رائے دی گئی ہے وہ دکھتی رگ کو چھوتی ہے ۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ ۔ "واحد اعزاز جو اس ملک میں فوج لے سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے پہلے اور منصفانہ انتخابات کرائے ۔ اور یہ کہ "فوجی افسر اب بھی اس کے بارے میں فخر سے گفتگو کرتے ہیں ۔

راؤ رشید نے ملٹری کو اس کی فوجی کارکردگی پر کوئی کریڈٹ نہیں دیا ۔ فوج نے منصفانہ انتخابات کرانے میں کتنا ہی اہم کردار کیوں نہ ادا کیا ہو ۔ لیکن یہ کام بنیادی طور پر سول انتظامیہ کا ہے ۔ اور یہ ملٹری کا کام ہے ہی نہیں ۔ فوجی تاریخ میں یہ واقعہ رقم نہیں ہو گا ۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے یہ کیا بات کہ سوویت روس میں سرخ فوج نے عوام کی بیداری کی تحریک چلائی یا یہ کہ چین کی لبریشن آرمی کو صرف یہ اعزاز حاصل ہے کہ اُس نے چین میں تمام مچھر ہلاک کر دیئے پولنگ سٹیشنوں کو آدمیوں سے بھر دینا ۔ ۔ لوگوں کے خون کو نہیں گرما سکتا ۔

اس ریمارک میں جو میں سے اہم نکتہ پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ مارشل لاء کے نفاذ کے نتیجے میں مستقبل میں فوج ہی اس قابل ہی نہیں رہے گی کہ منصفانہ انخابات کرانے کا اعزاز بھی حاصل کر سکے ۔ فوج نے اپنی جانبداری کے کردار کو معطل کر دیا ہے ۔ اگر فوج غیر جانبداری کا کردار ہی ادا نہیں کرے گی ، تو پھر یہ چھوٹا سا اعزاز ہی اُسے حاصل نہ ہو سکے گا اور عوام کے ہاتھ اپنے رشتے کے وجود کا جواز ہی پیش نہ کر سکے گی ۔ یوں راؤ رشید جو کو میرا نزدیک ترین مشیر اور معتمد ثابت کر کے ، دراصل یہ مقصد حاصل کیا جا رہا ہے کہ ان کے بیان حلفی کے الفاظ کی صداقت کو کم سے کم ثابت کیا جائے اور ان کا دائرہ بھی محدود کر دیا جائے ۔ انہیں ایک آزاد گواہ کی حیثیت سے کمتر ثابت کیا جائے ۔ اور ان کی گرفتاری اور حراست کے لئے کوئی دوسرا جواز فراہم کر لیا جائے ۔ راؤ رشید نے بلوچستان میں فوج کی موجودگی کے بارے میں جو رائے دی ، اور مجھے اس میں ملوث کیا وغیرہ وغیرہ ۔۔۔۔ انہیں اس کی نہیں بلکہ اس بیان حلفی کی سزا دی جا رہی

ہے ۔ ان کی رائے کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے اپنے مقاصد ہیں ۔ ان کی اس طرح پروجیکشن کرنا کہ وہ میری حکومت میں دوسرے طاقتور فرد تھے بلاجواز نہیں بلکہ اس پروجیکشن سے میرے خلاف خاص مقاصد کا حصول ہے ۔

(٦)

لاڑکانہ پلان

میں تیزی سے اس مسئلے سے نمٹنا چاہتا ہوں ۔ جسے قرطاس ابیض میں ''ماڈال الیکشن پلان'' کانام دیا گیا ہے ۔ ہر وہ شخص جو میرے طریق کار، زبان اور مسائل سے آشنا ہے ۔ وہ فوراً یہ دیکھے گا کہ میں نے ایسا بے کار اور فضول پلان ڈرافٹ نہیں کیا ۔ مَیں تو بنیادی اصولوں کا وسیع تر کا خاکہ پیش کرتا رہا ہوں اور میرے ساتھی میری گائیڈ لائن کے مطابق منصوبے بناتے رہے ہیں ۔ اگر میں نے یہ خاکہ تیار کیا ہوتا تو میرے سیکرٹری مسٹر افضل سعید کے علم میں ضرور ہوتا ۔ قرطاس ابیض کے مطابق اس کے ۹۷ فل سکیپ ٹائپ شدہ صفحات تھے اور چار ٹائپ شدہ پروفارما تھے ۔ میرا سیکرٹری وزیراعظم کے ایسے بڑے کام سے کسی طرح بے خبر نہیں رہ سکتا تھا ۔ اور قرطاس ابیض کے صفحہ ۱۶۰ پر اس کا حوالہ دیا گیا ہے ۔ جس میں اُس نے کہا ہے ''یہ میرے علم میں نہیں ہے اس پلان کو کس نے تیار کیا تھا''۔

وہ میرے تمام کاغذات سنبھالتے تھے ۔ اس کے بارے میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ ایک غیر ملکی سربراہ حکومت سے اس نے میری طرف سے فنڈز لئے تھے ، وہ چیکوں پر دستخط کرتا تھا ۔ مَیں جہاں بھی جاتا وہ میرے ساتھ سفر کرتا تھا ۔ اس کے باوجود وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ مَیں پاکستان میں انتخابات کے لئے ایک ماڈل پلان کی تیاری میں مصروف ہوں ۔ یہ نام نہاد لاڑکانہ پلان ایک مخلص پیرو کار کا تیار کردہ تھا ۔ وہ اشتیاق و جوش سے چھلکتا ہوا المرتضیٰ آیا تھا اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے اس پر ایک دن مین بارہ گھنٹے کام کیا ہے ۔ اس کے خیال میں یہ ایک شاہکار تھا ۔ جب مَیں نے اسے دیکھے بغیر ایک طرف رکھدیا تو صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اسے دکھ ہوا ہے ۔ بڑے جذباتی انداز میں اس نے کہا سنا ہے اس نے تو اس پر ایک غلام کی طرح کام کیا ہے ۔ اور مَیں ہوں کہ اس پر تھوکتا تک نہیں یہ وہ بات ہے جو اس نے سندھی زبان میں کی تھی ۔ وہ ایک حساس اور بڑا جذباتی انسان ہے ۔ یقیناً مَیں نے اسے بوکھلا دیا تھا اور شاید رنج پہنچایا تھا ۔ اور وہ بھی کچھ دوسرے لوگوں کی موجودگی میں مَیں چاہتا تھا کہ کسی طرح اس کے

مجروح جذبات پر فوراً مرہم لگادوں ۔ مَیں نے اس کا شاہکار اٹھایا اور اس پر دستخط کر دئے ۔ اس پر دستخط کرنے کے بعد مَیں نے اسے کہا یہ اس کا منصوبہ نہیں بلکہ میرا منصوبہ ہے ۔ اس پر سنسنی طاری ہو گئی ۔ وہ شخص زندہ ہے اور کئی ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس واقع کے وقت موجود تھے ۔

اس کے بعد مَیں نے اس پلان کو نہیں دیکھا ۔ نہ اس دن اور نہ ہی اس کے بعد کسی اور دن ۔ اس کا کورنگ نوٹ مورخہ ١١ اپریل ١٩٧٦ء اور دوسرا نوٹ مورخہ ١٢ اپریل ١٩٧٦ء اسی وقت لکھے گئے تھے جب اس پلان اور فاضل مواد کو جو میرے ساتھی نے اپنے گھر جاکر بھیجا تھا ، نمٹانے کے لئے کئے گئے تھے ۔ شاید وہ اس فاضل مواد کو اپنے اصل کاغذات کے ساتھ لانا بھول گئے تھے ۔ وہ لوگ جو مجھے جانتے ہیں ۔ انہیں علم ہے کہ مَیں فائلیں نمٹانے میں کسی غیر ضروری تاخیر سے کام نہیں لیتا ۔ یہ میری عادت نہیں تھی کہ ہر روز اپنے کام کا سارا بوجھ نمٹائے بغیر ، اُٹھ جاؤں ۔ بعض اوقات اپنی اس عادت کیوجہ سے اگلے دن کی صبح تک کام کرنا پڑتا تھا ۔ اس ساری تفصیل کو بتانے میں یہ رمز موجود ہے یہ مشہور پلان اور اس کا ضمیمہ ، ان چند دستاویزات میں سے تھے ، جنہیں میں نے پڑھے بغیر آگے بھجوا دیا تھا ۔

میرے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ میں ایسے پروفارما لکھتا ؟ اگر میرے پاس اتنا وقت ہوتا بھی تو مَیں ایسے پروفارما جس میں نام والد کا نام ذات ، مذہب اور ستمبر ١٩٧٦ کی عمر تک پچیس چیزیں سمو کر خود اپنی اہانت نہ کرتا ۔ معمول کے مطابق ، مَیں نے اسے مسٹر رفیع رضا کی توجہ کے لئے مارک کیا تھا ۔ جو اس قسم کی سفارشات کے انبار نمٹا رہے تھے ۔ اگر یہ نام نہاد ماڈل پلان میرا ہوتا تو میں کسی راڑہ ڈوکری کے حلقہ نیابت کو بطور بنیاد منتخب نہ کرتا ۔ بلکہ لاڑکانہ رتو ڈیرو کے حلقہ انتخاب یا میرو خان شبداد حلقہ انتخاب کو چنتا جہاں سے مَیں اور میرا خداندان انتخاب لڑتے رہے ہیں ۔ مَیں ان دونوں حلقہ ہائے انتخابات کو یوں جانتا ہوں جیسے میری ہاتھ کی پشت ہوں ۔ خاص طور پر لاڑکانہ ، رتوڈیرو حلقۂ انتخاب ۔ مَیں ان میں سے اس حلقۂ انتخاب کو کبھی منتخب نہ کرتا ۔ جس سے مَیں ضلع لاڑکانہ کے تینوں حلقۂ ہائے انتخابات میں مَیں کم آشنا تھا ۔

ثانیاً یہ کہ اگر یہ میرا پلان ہوتا پھر اس کا کسی نہ کسی طرح نفاذ بھی کیا جاتا ۔ اس کا نفاذ ہی نہیں کیا گیا ۔ یہ الیکشن کے کاغذوں میں کوئی بھی آئندہ کارروائی نہ کرنے کے لئے فائل کر دیا گیا تھا یہ کہنا انتہائی لغویات ہے کہ اسے پورے پاکستان کے انتخابات کے کے لئے بنیاد بنایا گیا ۔ اگر اس کی یہی حیثیت تھی تو پھر یہ فرضی کہانیاں کیوں، اڑائی گئیں کہ میرا ملٹری سیکرٹری اڑکرایبٹ

آباد جا رہا ہے اور کئی دوسرے لوگ بھی تاکہ مداخلت کی جا سکے ۔ مَیں پھر یہ بات دہراتا ہوں کہ مَیں نے یہ پلان کبھی دیکھا اور نہ ہی اسے کبھی طلب کیا ۔ کبھی اس پر انحصار نہیں کیا ۔ میں اس کے متعلق سب کچھ بھول چکا تھا ۔

مجھ پر مقدمہ چل رہا تھا اور میں کوٹ لکھپت جیل میں تھا جب پہلی بار مَیں نے ٹیلی ویژن کی خبروں میں لاڑکانہ پلان کے بارے میں سنا ۔ میرا اس میں رد عمل یہ تھا کہ معمول کے مطابق یہ حکومت بچکانہ حرکتیں کر کے لنڈن پلان کے مقابلے میں یہ پلان تخلیق کر کے سیاسی ہتھکنڈہ برت رہی ہے ۔ اس اعتبار سے اس رد عمل کا ایک جواز بھی تھا کہ نیپ کے صدر انہی دنوں رہا کئے گئے تھے وہ ان دنوں پنجاب کا طوفانی دورہ کرتے ہوئے بڑے جوش و خروش سے مجھے گالیاں دے رہے تھے اور حملے کر رہے تھے ۔ انہیں بے پناہ ہالی وڈ جیسی پبلسٹی مل رہی تھی ۔ میں تو لنڈن پلان اور لاڑکانہ پلان کے مقابلے پر محظوظ ہو رہا تھا ۔ جب میں نے قرطاس ابیض دیکھا ۔ اس کے موضوعات پڑھے تو واقعات میرے ذہن میں تازہ ہو گئے ۔

جیسا کہ مَیں بہت جذباتی واقع ہوا ہوں ۔ مَیں نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر اس لئے اپنے دستخط کر دیے تھے کہ میری وجہ سے میرے انتہائی قریبی دوست کی جو دلآزاری ہوئی ہے ، اس کی تلافی کر سکوں ۔ میں اس وقت یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ نیک ارادے کے لئے کی جانے والی یہ بات ۔ اتنا بڑا مسئلہ بن جائے گی ۔ اس وقت کون تصور کر سکتا تھا کہ خاص نسل کے خونخوار کتے خون کی خوشبو تلاش کرنے کے لئے چھوڑ دیئے جائیں گے ؟ چلئے دلیل اور منطق کے لئے ہی سہی کہ اگر مَیں نے اس نام نہاد لاڑکانہ پلان کے بارے میں یہ قبول کر لیا ہے کہ یہ میرا ہے اور جانچ پڑتال اور غور فکر کے لئے سفارش کی ، تو اس کا یہ مطلب کہاں نکلتا ہے کہ میں نے دھاندلی کی اور اس کے کسی "غیر قانونی یا غیر مناسب عناصر ـــ میری حکومت کے لئے میری سرکاری پالیسی بن گئی کہ اس پر حملہ کیا جائے ؟

ایسے "پلانوں" خواہ وہ ماڈل ہوں یا خاص طور پر بنائے گئے ـــــ سے تھکتے ہوئے اندازوں کی مشق کی طرف آتا ہوں عقل سلیم سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہیں کہ یہ بات سمجھی جائے کہ مرتب اور ادواری تجزیے تبصرے اور اندازے ، کبھی بروئے کار نہ لائے جاتے اگر الیکشن میں فراڈ کرنا ہوتا ۔ اس میں ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے دھارے میں جو تضادات سے مملو ہوتے ہیں جیسے کہ شرلاک ہومز کہتا ۔ "بنیادی بات ـــــ میرے عزیز واٹسن" اب اس میں مَیں کیا کر سکتا ہوں کہ جب واٹسن کے گھناؤنے تعصبات اُسے حقائق دیکھنے کی اجازت نہ دیتے ہوں ۔

قرطاس ابیض میں درج ہے کہ رفیع رضا نے انتخابی امور پر دو اجلاس منعقد کئے اور ۳ اکتوبر ۱۹۷۶ کو ایک نوٹ بھیجا ۔ یہ نوٹ بطور ضمیمہ ۱۷ صفحہ 58 – A پر پورا نقل کیا گیا ہے ۔ اس نوٹ میں اس کے علاوہ کوئی بات نہیں کہ انتخابات کے لئے مشورے اور منصوبے پر بھرپور غور کیا جائے ۔ اس میں درج ہے کہ انتخابی امور ، دونوں منفی اور مثبت پہلوؤں پر ان دونوں میٹنگوں میں تبادلہ خیالات کیا گیا ۔ اس میں قبل از وقت ہی انتخابی امور جیسے معاملوں ۔۔۔ بھارت کے ساتھ تعلقات کا معمول پر لانا اور کشمیر کے مسئلے پر سمجھوتہ شامل ہیں ۔ یہ اس کی وہ تعبیر ہے جو کی گئی ۔ اور قرطاس ابیض کے مصنفین نے انتہائی غیر فیاضانہ تشریح کی ہے ۔ اور کس بنا پر محض ایک جملے پر جیسے ڈنمارک میں کوئی چیز بُو چھوڑ رہی ہو ۔ قرطاس ابیض کے صفحہ ۱۰۷ پر مسئلہ کشمیر پر سمجھوتے پر شک کا بیج بویا گیا ہے ۔ ایک ملفوف مسرت کے ساتھ قرطاس ابیض میں کہا گیا ہے ۔ "ایک اہم نکتہ جو قابل ذکر ہے یہ ہے کہ جن امور پر تبادلہ خیالات کیا گیا ۔ بھارت کے ساتھ تعلقات معمول پر لانا کشمیر کے مسئلہ پر سمجھوتہ شامل ہے ۔"

مجھے بطور خاص نشانہ بنانے کے لئے یہ الفاظ "مزید بر آں کشمیر پر سمجھوتہ" کے الفاظ بڑے اور نمایاں انداز میں لکھے گئے ہیں ۔ رفیع رضا کے نورٹ میں ایسی کوئی بات نہیں کہ میری حکومت نے کشمیر کی پوزیشن پر کسی قسم کا سمجھوتہ کیا ہے ۔ یا یہ کہ اس حیثیت پر ان بنیادوں سے حملہ کیا جائے گا ۔ ہر طرح کے جھوٹ اور بے معنی الزامات اپوزیشن انتخابی مہم میں لگاتی تھی ۔ جب میں شملہ سے واپس لوٹا تو بڑے زور و شور سے اپوزیشن نے مجھ پر یہ الزام لگایا کہ میں سب کچھ "بیچ آیا ہوں" جب میں امریکہ سے لوٹا اور اس برس سے اسلحے کی فراہمی پر پابندی اٹھا لی گئی تو مجھے خراج تحسین پیش کرنے کے بجائے اپوزیشن نے مجھ پر یہ الزام تھوپ دیا کہ میں نے بلوچستان میں امریکہ کو ایک اڈہ دے دیا ہے ۔ جب میں نے ایران اور شہنشاہ ایران کے ساتھ فوجی اور اقتصادی اشتراک و تعاون میں اضافہ کیا ، جن میں ایک بلین ڈالر کی امداد اور مشترکہ صنعتی منصوبوں کی تکمیل بھی شامل تھے تو اپوزیشن نے یہ جھوٹ بولا کہ پاکستان میں تیل پر میرے اور ایران کے مابین ایک بوگس خفیہ معاہدہ ہوا ہے ۔

اپوزیشن کی ذہنیت کو سمجھتے ہوئے میری حکومت محض پیشگی سطح پر ایسے جھوٹوں کا اندازہ لگا رہی تھی جو اپوزیشن کے زرخیز دماغوں کی طرف سے انتخابی مہم کے دوران بولے جائیں گے ۔ ان میں سے سب سے پسندیدہ موضوع ہمیشہ سے کشمیر رہا ہے ۔ اس کے سوا اس کا کچھ مقصد نہیں تھا کہ الیکشن میں جو امور سامنے آئیں گے ان کا پیشگی جائزہ لیا جائے ۔ خواہ وہ امور مثبت تھے یا منفی ، جھوٹے تھے یا سچے ، ایسے کئی واقعات اور شواہد موجود ہیں جن سے یہ واضح

نتیجہ نکلتا ہے کہ میری حکومت جموں اور کشمیر کے عوام کے حق خود اختیاری پر پختگی سے قائم تھی ۔ یہ تو چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر ہے جو اس وقت سمجھوتے کی انتہائی کوشش کر رہا ہے ۔ اپنے لئے راستہ بنانے کے لئے ، بڑی فریب کاری سے وہ عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش بھی کر رہا ہے کہ کشمیر کے مسئلے میں کوئی "خفیہ شق" وجود رکھتی ہے ۔

یہ بھی دیکھئے کہ قرطاس ابیض یحییٰ خان کے مقدمے کے بارے میں نوٹ پر انتخاب کا جو مسئلہ اٹھایا گیا ہے اس کے بارے میں یکسر خاموش ہے ۔ صفحہ ٦٣ پر بتایا گیا ہے کہ میرے مشیروں نے یہ پیشگی اندازہ لگایا کہ "اسمبلی کے اندر اور باہر یہ زور دار مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ یحییٰ خان اور دیگر افراد پر مقدمہ چلایا جائے" ۔ یحییٰ خان پر مقدمے کے حوالے سے قرطاس ابیض یکسر خاموش ہے ۔ فوجی حکومت کے دل میں اپنے بدنام پیشرو کے بارے میں نرم گوشہ موجود ہے ۔ اور چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر اسے میرے خلاف استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ۔ اس لئے اس مقدمہ پر ایک حرفِ تنقید بھی سامنے نہیں آتا ۔

قرطاس ابیض کے صفحہ ١٠٩ ۔ ١١٣ پر "عوامی رائے کی پولنگ" سے بحث کی گئی ہے ۔ اگر انتخابات سے پہلے انتخاب کے بارے میں عوامی رائے کی پولنگ انتخابات میں بد عنوانی کے زمرے میں آتی ہے تو پھر ریاست ہائے متحدہ امریکہ جمہوریت کو نقصان اور دہوکا دینے والی سب سے بڑی حکومت ہے ۔ اور پھر اس کے قریب قریب برطانیہ ، فرانس ، وفاقی جمہوریہ جرمنی ، کینیڈا اور دوسرے جمہوری ملک بھی دکھائی دیں گے ۔ ان حالات میں ضیا اور موبو تو برادران ہی جمہوریت پسند ثابت ہو پائیں گے ۔ یہ برادران اور ان جیسے دوسرے ہی گیلپ پولز نہیں ہونے دیتے ۔ کیونکہ یہ حضرات یہاں ایک مقدس مشن پر آئے ہیں ۔ یہ عوام کے جسموں کے اُوپر دوڑتے ہیں ۔ انہیں انسانی سروں کو گننے کے لئے پولز کی ضرورت نہیں پڑتی ۔

بد ترین کی تیاری اور بہترین کی امید کے جذبے کے تحت راؤ عبد الرشید نے ٢٥ جون ١٩٧٦ کو ایک نوٹ مجھے پیش کیا ۔ جس کا عنوان تھا "بنیادی انتخابی امور جن کا سرکاری پارٹی کو سامنا کرنا پڑے گا" ۔ جب میں نے راؤ عبد الرشید کو یہ ہدایت دی تھی کہ وہ ان امور پر ایک نوٹ تیار کریں جو ان کے خیال میں اپوزیشن انتخابات میں اٹھائے گی تو میں نے انہیں بتایا تھا کہ وہ مجھے ممکن حد تک تاریک تصویر پیش کریں ۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ مجھے ایک ایسے نوٹ کی ضرورت ہے جو مجھے چوکس کر دے ۔ ایسا نوٹ نہیں جو مجھے زیادہ آرام دہ حالت کا احساس دلائے ۔ لیکن وہ تمام تر مایوسی جو ایک نوٹ میں جمع ہو سکتی تھی ، اس ک افتتاحی حصہ یوں

ہے ۔ ''حکومت کسی طرح بھی ، ایسے تمام الزامات جو خارجہ پالیسی سے تعلق رکھتے ہیں ، کا مقابلہ کرنے میں کسی قسم کی دشواری محسوس نہیں کرے گی ، بلکہ حکمران پارٹی اپنی ٹوپی کے لئے سابقہ تمام حکومتوں کے مقابلے میں زیادہ پروں کا دعویٰ کر سکتی ہے ۔ وزیر اعظم کی قیادت میں پاکستان نے تیسری دنیا میں رہنما ملک کی حیثیت حاصل کر لی ہے ۔ ۱۹۷۱ سے آغاز ہوتا ہے جب یہ ایک شکست خوردہ قوم تھی ۔ اس نے اسلامی سربراہی کانفرنس کا انعقاد کیا جو اسلام کی تاریخ کے ایک بے مثل اور شاندار کارنامے کی حیثیت سے زندہ رہے گی ۔ اس میں جو کامیابی حاصل ہوئی اس کی نظیر نہیں ملتی ۔ دولت مشترکہ سے نکلنے کا بہادرانہ فیصلہ ، شمالی کوریا اور ویت نام کے ساتھ تعلقات کا قیام ، وزیر اعظم کے مختلف ملکوں کے دورے ، اسلحے کی سپلائی پر امریکہ کا پابندی اٹھانا ، دو طرفہ تعلقات کے حوالے سے بڑی طاقتوں کے ساتھ تعلقات میں توازن ، تیل پیدا کرنے والے ممالک کی پاکستانی صنعتوں میں سرمایہ کاری وغیرہ ہمیشہ یاد رہنے والے واقعات ہیں ۔ بھارت کے معاملے میں بھی پچانوے ہزار جنگی قیدیوں کی واپسی ، ان علاقوں کی واپسی جو جنگ میں بھارت کے تسلط میں چلے گئے تھے ، بنگلہ دیش کے ساتھ تعلقات کا آغاز اور فرخا بیراج کے مسئلے پر بنگلہ دیش کے موقف کی حمایت ثابت کرتے ہیں کہ پاکستان بھارت کے کسی دباؤ میں نہیں آیا جبکہ شملہ کانفرنس ٹیبل میں ہمارے ہاتھ میں کوئی کارڈ نہیں تھا'' ۔

(قرطاس ابیض کا صفحہ ۱۲۲)

انتخابات کے زمانے میں جس غلاظت ، دشنام ، بے ہودگی اور کمینگی کا مظاہرہ پی این اے نے کیا اس انحطاط اور غیر شائستگی کی مثال پوری دنیا پیش نہیں کر سکتی ۔ پی این اے جو نظام مصطفےٰ کی تبلیغ کر رہی تھی ، اس نے بد اخلاقی اور شرمناک الزام تراشی کی تاریک ترین تصویر پیش کی ۔

اندازوں اور منصوبوں کی رینج میں قرطاس ابیض میں مزید جن باتوں کو شامل کیا گیا ہے ان میں کچھ یوں ہیں:

(ا) وہ تجاویز اور مشورے جو مجھے عوام الناس نے بھیجے ۔ اور ایسے افراد نے جنہیں میں نہیں جانتا تھا ۔

(ب) ایسے مشورے اور تجاویز جو ان لوگوں نے مجھے بھیجے جنہیں میں جانتا تھا لیکن وہ میرے قریب نہیں تھے ۔

(ج) وہ مشورے اور تجاویز جو پارٹی کے کارکنوں اور رہنماؤں کی طرف سے بھجوائے گئے ۔
(د) پارٹی کے رہنماؤں وزیروں اور پارٹی ورکروں کی شکایات ۔
(ر) نئے آئیڈیا ۔ جو صحافیوں نے بھجوائے ۔
(س) وزیراعظم کی حیثیت سے میرے وہ دورے جو مَیں نے ملک کے اندر کئے ۔
(ش) کسانوں کا ہفتہ ، مزدوروں کا ہفتہ ، طالب علموں کا ہفتہ ، خواتین کا ہفتہ ، کے علاوہ دوسرے ہفتوں کی تقریبات جن میں اقلیتوں کا ہفتہ بھی شامل ہے ۔
(ص) وسیع پیمانے پر جمناسٹک کے مظاہرے ، جسے میں اپنی حکومت کی بڑی کامیابیوں میں سے ایک سمجھتا ہوں ۔ اور اس میں شرکت کرنے والے نوجوان ووٹ دینے کے مجاز نہیں تھے ۔
(ض) بیلے ۔ اگر میں راولپنڈی جیل کے اس بیلے کمرے میں یہ نہ لکھ رہا ہوتا تو مَیں ہنس ہنس کر بے حال ہو جاتا ۔ قرطاسِ ابیض نے کوئی موقع فروگذاشت نہیں کیا ہے ۔ یہ تو "جیو یا مر جاؤ" کا معاملہ ہے ۔ اسی لئے دشمن کے خلاف جنگی منصوبے میں ایک بیلے بھی شامل کر دیا گیا ہے ۔
(ط) غیر ملکی مبصروں کی آراء ۔
(ظ) انتخابی منشور کی تیاری ۔

یہ اور اسی طرح کے دوسرے مضحکہ خیز الزامات قرطاسِ ابیض میں مجھ پر ، انتخابات میں دھاندلی اور بد عنوانی ثابت کرنے کے لئے لگائے گئے ہیں ۔

انتخابات کے نتیجے کے سلسلے میں مختلف اوقات میں جو تخمینے اور اندازے تیار کیے گئے ، ان سے منفی نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ آخری تخمینوں میں سے ایک لاہور میں ۴ مارچ ۱۹۷۷ کو لگایا گیا ۔ یعنی پولنگ کی تاریخ سے تین دن پہلے ۔ فی الواقع یہ ۵ مارچ ۱۹۷۷ کی تاریخ تھی ۔ اس میٹنگ کا آغاز سوا دو بجے اس وقت ہوا جب میں لاہور میں ایک شاندار جلوس اور جلسے کے بعد لوٹا تھا ۔

محسوس یہ ہوتا ہے کہ قرطاسِ ابیض کے خیال میں ، افراد کے وہ اندازے اور تخمینے جو وہ انتخابی نتائج کے متعلق لگاتے ہیں حقیقی نتائج ہوتے ہیں ۔ جبکہ افراد اپنے اندازوں اور تخمینوں میں غلط یا صحیح بھی ہو سکتے ہیں ۔ ۱۹۴۸ میں امریکہ کے صدارتی انتخابات میں ہر شخص کا یہ خیال تھا کہ تھامس ایچ ڈیوی ، ری پبلکن امیدوار اور نیویارک کا گورنر بڑی آسانی سے صدر ہیری ایس ٹرومین کو شکست دیدے گا ۔ صدر ٹرومین نے یہ انتخابات مخالفوں کو انتہائی مصیبت میں

مبتلا کر کے کاری قسم کے ذریعے اس دھکی کے ساتھ جیت لئے کہ وہ انیسویں کانگریس کو دوبارہ طلب کرے گا ۔

امریکی پی این اے ۔ ڈیوی کی فتح کے بارے میں اس حد تک پُر یقین تھے کہ شکاگو ٹریبیون نے اپنی ، نومبر ۱۹۴۸ کی شہ سرخی یہ لگائی کہ "ڈیوی نے ٹرومین کو ہرادیا" ایسے ہی عناد کی بنا پر ، قرطاسِ ابیض کے مصنفین میری فتح کے ثمرات سے منکر ہو رہے ہیں کہ پارٹی نے پنجاب کے چیف سیکرٹری اور سیکرٹری جنرل پنجاب کے اندازے سے بھی زیادہ نشستیں جیت لیں ۔ یہی عناد ہے جو فحاشی سے جاملتا ہے ۔

اس کے باوجود میری پارٹی کی فتح کو قرطاسِ ابیض میں صفحہ ۲۰۷ پر تسلیم کیا ہے ، یہ اس کا عملی حصہ ہے ۔

"یہ صاف دیکھا جاسکتا ہے کہ جو حتمی نتائج سامنے آئے وہ تمام اندازوں سے ، جو ڈی آئی جی / آئی ایس آئی نے ۴ مارچ ۱۹۷۷ (ضمیمہ ۱۸۷) کو پیش کئے ، ان سے بہتر تھے ۔ یوں پی پی پی کو ایک سو بائیس نشستیں مل گئیں جن میں وہ نشستیں بھی شامل تھیں جو "ریمارکس" کالم میں زیر غور آتی تھیں ۔ پنجاب کے متعلق اس کالم میں یہ سفارشات پیش ہوئی تھی "چونکہ یہ اہم ترین صوبہ ہے اس لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے" ۔ یہ مشترک تخمینہ ایک کورنگ نوٹ کے ساتھ ڈائرکٹر انٹیلی جنیس بورڈ کے باقاعدہ دستخطوں کے ساتھ بھیجا گیا تھا" ۔

ڈی آئی بی / آئی ایس آئی نتائج کے بارے میں تخمینہ رپورٹ ۴ مارچ ۱۹۷۷ کو تیار ہوئی ، یعنی پولنگ کی تاریخ سے صرف تین دن پہلے ، جسے بطور ضمیمہ ۱۸۷ صفحہ ۵۱۶ ۔ اے پر منقل کیا گیا ہے ۔ متذکرہ ڈی آئی بی / آئی ایس آئی کی مشترکہ رپورٹ نمبر ٹی آر ۴ / ۱۲۷۶ مورخہ ۴ مارچ ۱۹۷۷ کے پہلے پیراگراف کی پہلی سطر میں بتایا گیا ہے ۔

"ہدایت کے مطابق ایک تازہ کنزرویٹو تخمینہ ۔ جو قومی اسمبلی کے سات مارچ ۱۹۷۷ کو منعقد ہونے والے عام انتخابات کے بارے میں ہے ، وزیراعظم کی معلومات و توجہ کے لئے پیش کی جارہی ہے ، اس رپورٹ کے پیراگراف نمبر ۳ میں بیان کیا گیا ہے "مجموعی طور پر صوبے پر مبنی تخمینہ "جو آج کے مطابق" ہے ، ضمیمہ اے میں پیش کیا جارہا ہے" ۔

اس اہم مشترکہ رپورٹ کو قرطاسِ ابیض میں شامل کرتے ہوئے ، "ایک تازہ کنزرویٹو تخمینہ" کے الفاظ جس پر مصنفین نے زیریں لکیر لگائی تھی ، حذف کر دئیے ہیں ۔ اسی طرح

قرطاسِ ابیض کے متن میں مشترکہ رپورٹ کا پیراگراف نمبر ۳ ، جو مندرج نہیں اور "آج کے مطابق" الفاظ جن پر قرطاس ابیض کے مصنفین نے خط کھینچا تھا ، حذف کر دیئے گئے ہیں ۔ اس انداز سے قرطاسِ ابیض نے اصل دستاویز میں ضمیموں کو مسخ اور توڑ پھوڑ کر پیش کیا ہے ۔ یقیناً یہ توڑ پھوڑ خاص مقصد کے تحت کی گئی ہے ۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ عوام تک سارا مواد اس طرح پہنچایا جائے کہ مجھے اور میری حکومت کو گھناؤنا بنا کر پیش کیا جائے ۔

ڈی آئی بی / آئی ایس آئی کی مشترکہ رپورٹ مجموعی طور پر یہ دکھاتی ہے کہ یہ تخمینہ "کنزرویٹو" اور "آج کے مطابق" تھا ۔ "آج کے مطابق" کے الفاظ اتنے ہی اہم ہیں جتنا کہ "کنزرویٹو" کا لفظ ۔ کیونکہ ۲۶ فروری ۱۹۷۷ کے بعد میری پارٹی کی پوزیشن ہر گھنٹے کے بعد بہتر ہو رہی تھی ۔ حکمران جماعت کے حق میں پوری فضا ہو چکی تھی ۔ یہ حقیقت جانتے ہوئے مشترکہ رپورٹ میں "آج کے مطابق" کے الفاظ استعمال ہوئے اور انہیں خط کشیدہ کیا گیا ۔

قرطاسِ ابیض میں بیان کیا گیا ہے "یہ صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ جو حتمی نتائج سامنے آئے ، وہ تمام اندازوں اور تخمینوں سے جو ڈی آئی بی / آئی ایس آئی نے ۴ مارچ ۱۹۷۷ کو پیش کئے ، ان سے بہتر تھے ۔ یوں پی پی پی کو ایک سو بائیس نشستیں مل گئیں" ۔ یہاں ابتدا میں جان بوجھ کر یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ محض ایک تخمینہ ہے ۔ حقیقی نتائج اس سے بہتر یا بدتر ہو سکتے ہیں ۔ اس کے علاوہ دانستہ طور پر یہ درج نہیں کیا گیا کہ مشترکہ رپورٹ محض ایک "کنزرویٹو (روایتی) رپورٹ" ہے ۔ تیسری بات یہ ہے کہ ۔ یہ جانتے ہوئے کہ ہوا کا رخ پیپلز پارٹی کی حمایت میں ہو چکا ہے ۔ قرطاسِ ابیض میں جان بوجھ کر "آج کے مطابق" کے الفاظ حذف کر دئے گئے ۔ دستاویز کو اپنی مرضی کے مطابق "سینے" اور تیار کرنے کی اس ایک مثال سے ہی ثابت ہو جاتا ہے کہ کس حد تک عناد اور تعصب پایا جاتا ہے ۔ اس ایک مثال سے قارئین یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وفاقی اور صوبائی سیکرٹریٹ کی دوسری فائلوں کا کیا حشر کیا گیا ہو گا۔ اس میں اہم ترین حقیقت اور عنصر ملٹری انٹیلی جینس کے چیف لیفٹننٹ جنرل جی جیلانی ہیں جن کے فوجی عملے نے اس رپورٹ کو تیار کیا ۔ وہ میری حکومت کو انتخابات میں بدعنوانیوں سے بری الذمہ قرار دیتی ہے ۔ یوں اس کا دوسرا مفہوم یہ نکلتا ہے ۔ فوج انتخابات میں فراڈ سے میری حکومت کو بری الذمہ سمجھتی ہے ۔ میری پارٹی کی پوزیشن ، میری حکومت اور خود میری ذات کو ڈی آئی بی / آئی ایس آئی کی اس رپورٹ کے ذریعے انتقام کا نشانہ بنایا جا رہا ہے ، جو دراصل مسلح افواج کی شہادت کی حیثیت رکھتی ہے ۔

یہ مستند دستاویز یہ دکھاتی ہے کہ ملٹری انٹیلی جینس کا چیف اس پختہ رائے کا حامل تھا کہ میری حکومت بڑی آسانی سے انتخابات میں اکثریت حاصل کرے گی ۔ یہ اس کا کنزرویٹو تخمینہ تھا کہ میری حکومت قومی اسمبلی میں ایک سو بائیس نشستیں حاصل کرے گی ۔ اس کے بعد اس نے اس یقین کا اظہار کیا کہ صورت حال زیادہ سے زیادہ میری پارٹی کی حمایت اور موافقت میں جا رہی ہے ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلح افواج اس تصویر میں پوری طرح موجود تھیں ۔ یعنی جرنیل یہ جانتے تھے کہ میری پارٹی صاف ستھرے مقابلے میں انتخابات میں جیت رہی ہے ۔ اور پھر اس کے علاوہ صرف یہی نتیجہ اس رپورٹ سے نکالا جا سکتا ہے کہ خود جرنیل بھی انتخابات کے نتائج میں میری حکومت کے ساتھ سازباز میں شامل تھے ۔

ایک صاف ستھری ، منصفانہ لڑائی

میں یہ دکھا چکا ہوں کہ کس طرح انتہائی سطح پر قرطاسِ ابیض کی ضخیم جلدوں میں بے ثمر انداز میں بدعنوانی کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ وہ تمام شہادتیں اور ثبوت جو تحریری اور زبانی تھے اور جو میری بے گناہی کا ثبوت فراہم کرتے تھے وہ پوری قوت سے دبائے اور تباہ کر دئے گئے ۔ میں یہ کہہ چکا ہوں کہ میں نے اپنے اعلیٰ عہدیداروں ، وفاقی اور صوبائی وزراء کو کئی بار ایسی تحریری ہدایات جاری کیں جن میں سخت ترین الفاظ میں انہیں انتباہ کیا گیا تھا کہ کسی قسم کی بدعنوانی اور دھاندلی نہ کی جائے ۔ مجھے اچھی طرح اپنا وہ مراسلہ یاد ہے جو میں نے ۹ ستمبر ۱۹۷۶ کو اپنے تمام صوبائی وزراء کو روانہ کیا تھا ۔ اس میں مَیں نے کہا تھا "مَیں نے اپنے عوام سے منصفانہ انتخابات کا وعدہ کیا ہے اس لئے ایک لڑائی کی طرح انہیں تیار کرنا چاہئیے" ۔ انتخابات کے امور پر غور و فکر کے لئے بلائی جانے والی وفاقی اور صوبائی سطح کی متعدد کانفرنسوں میں بھی مَیں نے اسی طرح انتباہ کیا ۔ وزیروں اور سرکاری افسروں نے ان کانفرنسوں میں شرکت کی تھی ۔

ایک صوبائی وزیر اعلیٰ نے مجھ سے استفسار کیا کہ مَیں کیوں بار بار یہ دہراتا ہوں کہ انتخابات منصفانہ ہونے چاہئیں ۔ مَیں نے اسے بتایا کہ مَیں اپنی انتظامیہ کو انتخابات کی ماضی کی تاریخ یاد دلانا چاہتا ہوں اور اس لئے بھی کہ چونکہ مَیں سروسز کے امور کے بارے میں اس کے مشوروں پر انحصار کرنا نہیں چاہتا اور نہ ہی سیاست اور نہ ہی الیکشن کے امور کے بارے میں تکیہ کرنا چاہتا ہوں ۔

اس کی شہادت کی کوئی وقعت باقی رہتی ہے نہ اسے قابل غور ہی سمجھا جاسکتا ہے ۔ اس کے باوجود قاری کو یہ یقین کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ اس نے میرے خلاف جو گواہی دی ہے اس پر یقین کر لیا جائے ۔ بس اتنا کہنا ہی کافی ہو گا ، مسٹر یحییٰ بختیار اس کے لئے یہ الفاظ لکھنا پسند کرتے کہ افضل سعید گندی نالی میں جا گرا ۔ اس کی مذمت صرف میں نے ہی نہیں کی بلکہ انہوں نے بھی اسے ذلیل کیا جو یہ چاہتے تھے کہ اس کی بات پر یقین کر لیا جائے ۔

محمد حیات ٹمن کو میں اس وقت سرسری طور پر جانتا تھا جب وہ مغربی پاکستان کی حکومت میں ریلوے کے وزیر تھے ۔ جرنیل چونکہ غیر منصفانہ انتخابات کا بہانہ کر کے اقتدار پر قبضہ کرتے رہے ہیں ۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ فوج بارہ سال یا اس سے بھی زیادہ عرصے سے سیاسی اقتدار پر قابض رہی ہے ۔ فوجی پاپائیت سیاسی اقتدار سے اس حد تک لطف اندوز ہونے کی عادی ہو چکی ہے کہ مشرقی پاکستان کے عظیم المیہ کے بعد بھی ، ایک سال کے اندر کچھ اعلیٰ افسر حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش تیار کر رہے تھے ۔

مَیں نے انہیں بتایا کہ اگر وہ مشرقی پاکستان کو اتنی آسانی سے فراموش کر سکتے ہیں اور ۱۹۷۳ میں حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش بنا سکتے ہیں تو پھر وہ یقیناً کسی ایسے موقع کی تلاش میں رہیں گے کہ بارکوں کو چھوڑ کر گورنمنٹ ہاؤسز میں براجمان ہو جائیں ۔ مزید بر آں میں نے انہیں بتایا کہ پہلی فوجی سازش اور حکومت کا تختہ الٹنے کے نتیجے میں آدھا ملک ہاتھ سے جا چکا ہے ۔ ایک دوسری سازش پورا کام مکمل کر دے گی ۔ اس بنا پر میں انہیں کوئی ایسا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ کسی بھی بہانے تیسری بار آسکیں ۔

جب مَیں نے پنجاب کے تمام کمشنروں کو لاہور میں ۴ مارچ ۱۹۷۷ کو بلوایا تو میں نے ان پر واضح کر دیا کہ بہترین طریقہ جس سے وہ میری حکومت اور ملک کی خدمت کر سکتے ہیں یہ ہے کہ انتخابات منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہوں ۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے انہیں بتایا تھا کہ وہ مجھے رحم دلی سے قتل نہ کریں'' میں نے دو ٹوک کھردرے الفاظ میں انہیں بتایا تھا کہ اگر انہوں نے بدعنوانی کی اجازت دی تو اس سے شاید میری پارٹی کچھ زیادہ نشستیں حاصل کر لے لیکن یہ پر ہوس قدیم بادشاہ پرستی کی فتح ہوگی ۔ فوج اندر آ جائے گی ۔ اسی سطح پر میں نے پارٹی کارکنوں کو بھی وارننگ دی ۔ میرا یہ رویّہ قرطاس ابیض کے صفحہ ۱۱۲ پر صاف دکھائی دیتا ہے ''میں اپنے انتخابات کے بارے میں سوچ رہا ہوں ، میں ایک جدید حکومت کی ضروریات اور تقاضوں کے بارے میں سوچتا ہوں'' ۔

ایک ریاست اور حکومت جتنی جدید ہوگی ، ملک بھی اتنا ہی آگے بڑھے گا ۔ اور اس

قرطاسِ ابیض میں مسٹر افضل سعید کا ذکر میری پارٹی کے فنڈز اور اس الزام کے حوالے سے کیا گیا کہ ایک بے نام سربراہ مملکت نے ہمیں فنڈز کا عطیہ دیا ۔ مسٹر افضل سعید کے بارے میں مَیں اس وقت بات کروں گا جب اس موضوع کا تذکرہ ہو گا ۔ اس موقع پر میں صرف یہی اصرار کرنا چاہتا ہوں کہ اس سرکاری افسر کی وقعت اور کارکردگی کو خود قرطاسِ ابیض نے تباہ و برباد کر کے رکھدیا ہے ۔

مثلاً صفحہ ۷۷ پر قرطاسِ ابیض بتاتا ہے "لیکن مسٹر افضل سعید خان ، جو ہمیشہ مسٹر بھٹو کی برتری کے موڈ کے لئے مستعد رہتے تھے ، فوری طور پر ضرورت کے مطابق کیس تیار کرتے" پھر صفحہ ۲۱۸ پر لکھا ہے "مسٹر افضل سعید خان ، بہرحال ، یہ نوٹ کر کے ممیز ہوا کہ تحقیقات نے ان نکات کو ثابت کر دیا ہے جو مسٹر علی حسن منگی کے کردار کے بارے میں تھے ۔ انوں نے مسٹر ممتاز علی بھٹو سے اس کا ذکر نہ کیا؟

یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ مسٹر افضل سعید خان کو وسط اگست ۱۹۷۷ میں نظربند کر دیا گیا اور پھر نظربندی کے کئی ماہ کے بعد اسے گھر میں زیر حراست رکھا گیا ۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا اور قرطاسِ ابیض بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ افضل سعید خان "دوراندیش اور ممیز" تھا ۔ وہ واضح طور پر سمجھتا تھا کہ "دوراندیشی اور الگ تھلگ رہنا شجاعت کا بہتر حصہ ہے" ۔ جبکہ وہ اس وقت مارشل لاء کے آہنی ہاتھوں کے تکلیف دہ طوفان میں گھرا ہوا تھا ۔ اگر یہ افسر ایک سول وزیر اعظم کے "برتری کے موڈ کے سامنے چوکس" رہتا تھا تو یہ توقع کرنا بلاجواز نہ ہو گا کہ وہ فوجی ڈکٹیٹر کے برتری کے موڈ کے سامنے کتنا بے بس ہو گا ۔ جس نے میرے خلاف اپنی نفرت کو کبھی چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کی ۔

یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ مسٹر افضل سعید کی بیوی مولانا مودودی کی بھانجی ہے ۔ اس کی نشاندہی مجھے اس وقت کی گئی تھی جب مَیں سیکرٹری کی حیثیت سے اس کی تقرری پر غور کر رہا تھا ۔ اس رشتے داری پر مبنی اعتراض کو میں نے اس لئے مسترد کر دیا تھا کہ میرے پاس چھپانے کو کچھ نہیں تھا ۔ اب مودودی ، اور اس کی پارٹی کا چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے جو الحاق و تعلق ہے اسے سب اچھی طرح جانتے ہیں ۔ قرطاسِ ابیض میں افضل سعید کے وقار کی مذمت کی گئی ہے اور اس کی شخصیت کو بھی قابلِ اعتراض اور قابلِ گرفت قرار دیا ہے ۔ اس میں اس کی یوں خاکہ کشی کی گئی ہے کہ وہ برتر موڈ کی مزاحمت کرنے کا نااہل اور ایک کمزور آدمی تھا ۔ جب ذوالفقار علی بھٹو ، اس کے خاندان اور اس کی پارٹی کا معاملہ ہو تو پھر مارشل لاء کے برتر موڈ کے بارے میں کسی مبالغے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ۔ افضل سعید کو اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ

میں بد عنوانی کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں ۔

لاہور میں مقدمے کی سماعت کے دوران دو یا تین مواقع پر پبلک پراسکیوٹر نے عدالت میں یہ غلط الزام لگایا کہ اپریل ۱۹۷۷ سے ، یعنی حکومت کا تختہ الٹنے سے تین ماہ پہلے ، میں اپنے سیکرٹریٹ سے تمام شہادتی دستاویزات ہٹانے میں مصروف تھا ۔ اگر میں نے واقعی ایسا کیا ہوتا تو میں شہادتی دستاویزات جن کا تعلق انتخابات سے تھا ایک یا دو دستاویزات غائب کرنے کی بجائے ، تمام دستاویزات غائب کر دیتا ۔ انتخابات میں بد عنوانی کا بہانہ بنا کر ، فوج ان دستاویزات کو میرے خلاف استعمال کرے گی ۔ اگر میں واقعی ایسا سمجھتا تو پھر دوسری تمام دستاویزات پر انتخابات سے متعلق دستاویزات کو ترجیح دے کر میں انہیں غائب کر دیتا ۔

ثانیاً یہ کہ میں نے ایسا کوئی کام ذاتی طور پر نہیں کیا ۔ ایسے کاموں کی ذمے داری تو وفاقی سطح کی ٹیموں اور چاروں صوبوں کی ٹیموں پر عائد ہوتی ہے جو پہاڑ جیسے اونچے دستاویزات کے ڈھیر کو ختم کر سکتے ہیں ۔

یہ اکیلے آدمی کا کام نہیں ہو سکتا ۔ یہ ڈھیر سالوں جمع ہوتا رہا ہے ۔ میں ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ قرطاس ابیض کے تعارف صفحہ (۱) اور صفحہ (۲) پر جو معاندانہ اور ظالمانہ ریمارکس دئے گئے ہیں ان پر بات کروں ۔

"دستاویزات ، بڑی تکلیف دہ تگ و دو کے بعد ، متنوع ذرائع سے جمع کی گئی ہیں ۔ مسٹر بھٹو کی انتظامیہ سے جو لوگ بہت قریب تھے ، ان کی طرف سے یہ کوششیں کی گئی تھیں کہ شہادتوں / دستاویزات کو تباہ یا ضائع کر دیا جائے ۔ لیکن ایک عجیب و غریب انداز میں مسٹر بھٹو کے بارے میں یہ محسوس کیاجاتا ہے کہ وہ یہ یقین رکھتے تھے کہ وہ ناگزیر ہیں اور ان کی کامیابی یقینی ہے ۔ اس لئے وہ اور ان کے ساتھی اس خوف میں مبتلا نہ ہوئے کہ اپنی باتوں کو تحریری تخفیف میں لائیں ۔ وہ اپنے پیچھے ایک ایسا ریکارڈ چھوڑ گئے ، جو کم و بیش مکمل ہے ۔ اور ادھورے پن یا قیاس آرائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی" ۔

یہ ایک لنگڑی وضاحت ہے ۔ آئیے قرطاس ابیض کے نفسیاتی الجھاؤ میں مبتلا مصنفین کی اس بات سے اتفاق کر لیں کہ میں "اپنی ناگزیریت اور فتح" پر یقین رکھتا تھا ۔ لیکن اس کے باوجود ، اپریل ۱۹۷۷ کے آغاز میں میں یہ بھی ناگزیر سمجھنے لگا تھا کہ میں ایسی تمام دستاویزات ضائع کر دوں جو مجھے انتخابات کی بد عنوانی میں ملوث کر سکتی ہیں ۔ جیسا کہ قرطاس ابیض میں اعتراف کیا گیا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکا تھا ۔ ایسا اس بنا کی وجہ سے نہیں ہو سکا جس کے

تحت یہ متصوفانہ وضاحت پیش کی گئی ہے ۔ یہ اس لئے نہیں ہوا تھا کہ ہمارے پاس ایسی کوئی وجہ نہیں تھی کہ ہم اپنے کو مجرم سمجھتے ۔ یہی وجہ تھی جس کی بنا پر میں اور میرے ساتھی باتوں اور چیزوں کو ضبط تحریر میں لانے سے خوفزدہ نہیں ہوئے تھے ۔ حتیٰ کہ ایک نام کا مسلمان ، اتنا مسلمان ہے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ آدمی فانی ہوتا ہے ۔ ہمارے ارادے باوقار تھے ۔ ہم کوئی غلط کام نہیں کر رہے تھے کہ اس غلطی کو چھپاتے ۔

مزید بر آں قرطاس ابیض میں ایسا مواد موجود ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ بد عنوانی اور دھاندلی کا ارتکاب نہیں ہوا تھا ۔

(ا) انکوائری کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر شمال مغربی سرحدی صوبے کے سابق چیف سیکرٹری سید منیر حسین نے دوسری باتوں کے علاوہ جو بیان دیا وہ صفحہ ۱۸۳ پر دیا گیا ہے ۔

"یہ صحیح ہے کہ فروری ۱۹۷۷ کے وسط کے لگ بھگ راولپنڈی میں ایک میٹنگ طلب کی گئی تھی ۔ جس کی صدارت سابقہ وزیراعظم نے کی تھی ۔ بعض وفاقی وزراء کے علاوہ اس میں چاروں وزرائے اعلیٰ ، چاروں چیف صوبائی سیکرٹریوں اور وزیراعظم کے سٹاف کے کچھ ارکان نے شرکت کی تھی ۔ آئی جی حضرات نے بھی اس میں شرکت کی لیکن انہیں بہت بعد میں بلوایا گیا ۔ وہ موضوعات جو زیر غور آئے ان میں پارٹی کے امیدواروں کی کامیابی کے امکانات کے اندازے تھے ، جو ہونے والے انتخابات میں حصہ لے رہے تھے اور امن وامان کی مجموعی صورتِ حال اور اس کی بہتری کا معاملہ زیر غور آیا۔ صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ نے یہ تخمینہ اور اندازہ پیش کیا کہ صوبے کی کل ۲۶ قومی اسمبلی کی نشستوں میں سے پارٹی ۱۶/۱۵ نشستیں حاصل کر سکے گی ۔ جب مجھے رائے دینے کے لئے کہا گیا تو میں نے یہ نقطۂ نظر پیش کیا کہ یہ اعداد و شمار رجائیت پر مبنی ہیں ۔ اور پارٹی اتنی نشستیں حاصل کرنے کے قابل نہیں ہے ۔ اس کے بعد میں اس کانفرنس سے چلا آیا کیونکہ اب دوسرے صوبوں کی باری تھی" ۔

اگر میری حکومت بد عنوانی کرنا چاہتی تو پھر صوبے کا چیف سیکرٹری ایسے خیالات کا اظہار نہ کرتا ۔ وہ خاموش بیٹھا دور سے مسکراتا رہتا ۔ لیکن اس نے اپنی رائے کا اس طرح سے اظہار کیا کیونکہ اسے ایسی کوئی ہدایت نہیں دی گئی تھی کہ وہ بد عنوانی میں شامل ہو ۔

(ب) صفحات ۱۹۵ اور ۱۹۷ پر میرا وہ نوٹ نقل کیا ہے جو میں نے کوئٹہ سے ۱۵ اپریل ۱۹۷۶ کو تحریر کیا تھا۔ اس نوٹ سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس طرح "مسٹر بھٹو کی

ذہنی حالت کا بہتر انداز میں علم ہوتا ہے کہ وہ سیاسی دوستوں اور دشمنوں کے بارے میں کیا سوچتے تھے" ۔

اس سے قطع نظر کہ میں اس نوٹ کا حوالہ دے رہا ہوں ، یہ ظاہر کرتا ہے کہ جو کچھ بھی میرے ذہن میں ہو ، بد عنوانی کا خیال تک نہیں تھا ۔ ورنہ میں ان تمام مشیروں کے بارے میں یوں پریشان نہ ہوتا ۔ جن پر قیوم خان اس خاص وقت میں ہونے کی کوشش کر رہے تھے ۔

"اپنے افسروں اور ماتحتوں کو ہدایات جاری کرتے ہوئے "براہ کرم اس نوٹ کو انتہائی رازداری میں رکھیں ، میں نے دو وفاقی وزیروں کے ناموں کا ذکر حفظِ ماتقدم کے طور پر کیا ہے ۔ ہم موجودہ نظم و ترتیب میں کوئی خلل ڈالنا نہیں چاہتے ۔ ہم انتخابات تک انہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں ۔ اور اگر ہم جیت گئے تو انتخابات کے بعد بھی انہیں ساتھ رکھنے کے خواہاں ہیں ۔ لیکن ان کی حالیہ سرگرمیوں کے پیش نظر ہمیں تمام واقعات کے لئے پہلے سے تیار رہنا چاہئیے ۔ ہماری طرف سے غیر دانشورانہ علٰحدگی اور توڑ پھوڑ کا کوئی قدم نہیں اٹھایا جائے گا۔ لیکن اگر "ہمارے دوست" اپوزیشن کے ذریعے گمراہ ہو گئے اور ان کے پھندے میں پھنس گئے تو پھر انہیں اور ان کے مفادات کو جو نقصان پہنچے گا ہم اس کے ذمے دار نہیں ہوں گے" ۔ (صفحہ ۱۹۷)

یہ نوٹ ظاہر کرتا ہے کہ میں نے یہ تصور نہیں کیا تھا کہ ہم انتخابات میں جیت جائیں گے ۔ میں نے اس میں کہا ہے "اگر ہم جیت گئے" ۔ میں ایسے الفاظ بھی استعمال نہ کرتا ، اگر انتخابات کے بارے میں میرے مختلف خیالات ہوتے ۔ اس میں قطعی طور پر کوئی ایسی نامناسب بات نہیں ہے کہ میری کابینہ کے مسلم لیگی ارکان اگر گمراہ ہو جائیں تو پیشگی احتیاطی تدابیر اختیار نہ کی جائیں ۔ وہ چالیں چل رہے تھے اور ان کا طرز عمل بگڑ رہا تھا۔ میرا طرز عمل مثالی تھا ۔ میں نے کہا کہ ان کے تمام ہتھکنڈوں کے باوجود ، میں انتخابات میں جیت جانے کے بعد بھی انہیں اپنی کابینہ میں شامل رکھوں گا۔ تاآنکہ وہ میرے لئے جلجیون رام نہیں بنتے ۔ ایک قول ہے کہ "سیاست اجنبی لوگوں کو بستر کا ساتھی بنا دیتی ہے" ۔

میں یہ اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ قیوم خان کی زندگی بھر کا یہ خواب اس طرح سچ ہو جائے کہ میں اسے ایک ہی بستر پر ایک سندھی پیر اور وڈیرے کا شریک بستر بنا دوں ۔ جیسا کہ مسلم لیگ کے صدر اور وزیراعظم پاکستان کے ساتھ اشتراک تھا ۔ اس طرح سے میرے ذہن کی گہرائی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مین اپنے سیاسی دوستوں اور دشمنوں کے بارے میں کیا

سوچ رکھتا تھا ۔ لیکن ۔۔۔ قرطاس ابیض کے مصنف کو پکڑئے کہ وہ ایک دیانت دارانہ نتیجے تک آ سکے!

(ج) صفحہ ۱۹۷ پر ہی بتایا گیا ہے "جب مسٹر راؤ رشید خان نے ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۶ کو وزیراعظم کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ انٹیلی جینس بیورو سے یہ کہا جائے کہ پیپلز پارٹی کے پسندیدہ امیدواروں سے متعلق مسائل پر ہر حلقۂ انتخاب پر توجہ دے ۔ تاکہ پارٹی کے نقطۂ نظر کے حوالے سے بہترین امیدواروں کا انتخاب ہو سکے اور وقت اور روپے کی بچت کی جا سکے ۔ مسٹر بھٹو نے مندرجہ ذیل احکامات جاری کئے ۔ "میں آپ کی تجویز سے رضامند ہوں ۔ یہ اس حد تک ہی محدود ہونی چاہئے جو کچھ کہ آخری پیراگراف میں بیان کیا گیا ہے"۔

اگر ہمارے دماغ میں بد عنوانی اور دھاندلی کا خیال ہوتا تو ہم انتخابات میں مقابلہ کرنے والے موزوں ترین امیدواروں کے لئے ایسی زبردست تلاش نہ کرتے ۔ ہم بہترین کا چناؤ نہ کرتے بلکہ انتہائی اطاعت گذاروں کو چنتے ۔ جہاں تک اس معاملے میں انٹیلی جینس بیورو کے تعاون اور کارگزاری کا تعلق ہے تو میں اس کا جداگانہ جواب دے چکا ہوں کہ کس طرح ماضی اور حال میں انٹیلی جینس ایجنسیوں کی کیا حیثیت رہی ہے ۔

(د) ہماری یہ فکرمندی کہ موزوں ترین امیدواروں کو تلاش کیا جائے جو منصفانہ انتخابات میں صاف ستھرا مقابلہ کر سکیں اس کا اظہار قرطاس ابیض کے صفحہ ۲۰۵ پر بھی ہوا ہے ۔ "آپریشن وکٹری" کے تحت پاکستان پیپلز پارٹی کے لئے موزوں متوقع امیدواروں کے لئے تمام مواد جمع کیا گیا ۔ تاکہ ان کی موزونیت کا جائزہ لے کر انتخابات میں انہیں ٹکٹ دیا جا سکے" ۔

(ر) قرطاس ابیض صفحہ ۲۰۵ پر مزید بتاتا ہے "انٹیلی جینس ایجنسیوں نے "انتخابی اندازے" کے کام کو انتخابات کے آغاز سے پہلے تک جاری رکھا ۔ ضمیمہ جات ۱۸۷ اور ۲۰۰ ان کورنگ نوٹس کی منقول ہیں جو بالترتیب ۱۹ فروری اور ۴ مارچ ۱۹۷۷ کو تفصیلی جائزہ رپورٹیں جو ہر حلقۂ انتخاب کا احاطہ کرتی تھیں ۔ اس وقت کے وزیراعظم کو ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو کی طرف سے روانہ کی گئیں ۔ ان اندازوں اور تخمینوں کا ایک خلاصہ بھی منسلک تھا جو ضمیمہ جات نمبر اے ۔ ۱۸۷ اور اے ۔ ۲۰۰ میں دیکھا جا سکتا ہے ۔

تسلسل کے ساتھ جاری رہنے والی یہ کوششیں ایسی صورت میں کوئی ضرورت نہ رکھتی تھیں اگر ہماری پالیسی بد عنوانی کرنے کی ہوتی ۔ قرطاس ابیض کے صفحات ۲۰۵ ، ۲۰۶ ، ۲۰۷ اور

۲۰۸ یہ نشاندہی کرتے ہیں کہ مقابلہ دیانتدارانہ اندازوں اور تخمینوں پر مشتمل تھا اور ایسے ہی اندازے پیش اور حاصل کئے گئے ۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بدعنوانی کا کوئی خیال نہ تو حکمران پارٹی کے دماغ میں تھا اور نہ ہی انتظامیہ کے ذہن میں ۔

(س) دسواں باب بعنوان "مابعد" قرطاس ابیض کے صفحہ ۳۸۲ پر اپنے ہی الفاظ میں یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ بدعنوانی میرا جرم نہیں تھا اور نہ ہی یہ میری پالیسی تھی ۔ یہ کوئی معاملہ نہیں کہ کیا کوئی میٹنگ منعقد ہوئی تھی اور اس میٹنگ میں کیا کہا گیا تھا ۔ اور اگر انعقاد ہوا ، تو پھر بدعنوانی کی پالیسی پر میری حکومت داؤں پر لگی تھی ۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی رپورٹ قرطاس ابیض پیش کرتا ہے ۔

"۷ مارچ کو پیپلز پارٹی کی پولنگ پر واضح اور قطعی کامیابی نے اس کے حریفوں اور عوام کے ایک بڑے حصے کو ششدر کر دیا ۔ حتیٰ کہ مسٹر بھٹو کا اپنا ردعمل بھی تعجب کے ایک عنصر کے بغیر نہیں تھا ۔ انہوں نے مرعوب کر دینے والی مشینری کو منظم کر کے اپنی تحویل میں لیا تھا تاکہ واضح فتح حاصل کی جا سکے ۔ جو کچھ انہوں نے حاصل کیا وہ اس سے بھی کہیں زیادہ بڑا اور شاندار تھا ۔ جو کہ وہ نتائج کے حوالے سے دیکھ سکتے تھے ۔ اپوزیشن نے ۱۰ مارچ کے صوبائی انتخابات کا کامیاب بائیکاٹ کر کے ، شک کے سائے کو تاریک کر دیا ۔ تین دنوں کے بعد مسٹر بھٹو نے ایک اعلیٰ سطحی کانفرنس سے خطاب کیا جس کا انعقاد پرائم منسٹر ہاوس میں ہوا اور جس میں دوسروں کے علاوہ تمام ڈویژنل کمشنروں نے شرکت کی تھی ۔ جہاں ، موجودہ انتظامیہ کی تحقیقات کے نتیجے میں سامنے آنے والے حقائق کے مطابق ، انہوں نے اپنے خطاب کا آغاز اس پریشان کن انداز سے کیا "تم نے یہ میرے لئے کیوں کیا"؟ جس کا مطلب یہ ہے کہ سول انتظامیہ نے اپنے ہاتھوں کو بہت زیادہ حیلا تھا" ۔

اگر میں اس جرم کا سرخیل ہوتا تو میں اپنے خطاب کا آغاز اس پریشان کن انداز سے ان الفاظ میں نہ کرتا" ۔ تم نے میرے لئے یہ کیوں کیا ہے؟ تمام شبہات سے ماوراء ، یہ ثبوت ہے کہ اگر بدعنوانی ہوئی تھی تو پھر انفرادی سطح پر ہوئی تھی اور اس سطح پر بدعنوانی کی غداری کرنے پر میں پریشان ہوا تھا ۔ میں محسوس کرتا تھا کہ ان کی خود غرضی اور ضعف البصری اس مرعوب کرنے والی مشینری پر ایک دھبہ تھا ۔ میں نے منصفانہ اور غیرجانبدارانہ انتخابات کے لئے تنظیم کی تھی ۔ ان کی انفرادی حماقتوں نے میری انتہائی کاوشوں کو داغدار کر دیا تھا ۔ یہ واحد نتیجہ ہے جو اس سے اخذ کیا جاسکتا ہے ۔ قرطاس ابیض کے اس پیراگراف سے اگر کوئی بریت اور

بے خطا ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے تو وہ ذوالفقار علی بھٹو ہے ۔

قرطاس ابیض ، تعارف کے صفحے (iii) پر میری اس تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے جو میں نے عام انتخابات کا اعلان کرتے ہوئے ، جنوری ۱۹۷۷ کو کی تھی ، مجھے ہدف ملامت بناتا ہے ۔ میں نے اس تقریر میں کہا تھا " مجھے امید ہے کہ ہونے والے انتخابات صاف ستھرے اور منصفانہ انتخابات ہوں گے ۔ لیکن صرف میرا وعدہ کافی نہیں ہے ۔ دوسری پارٹیوں کو بھی اپنے ایسے ہی ارادوں اور پالیسی کا اظہار کرنا چاہیئے ۔ دوسری جانب کو بھی لازمی طور پر یہ مظاہرہ کرنا چاہیئے کہ وہ جانتے ہیں کہ صاف ستھرے اور منصفانہ انتخابات کا کیا مفہوم ہوتا ہے ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم انتظامی اہلیت کے حامل ہیں کہ صاف ستھرے اور منصفانہ انتخابات کا انعقاد کرا سکیں" ۔

میری تقریر کے اس حصے کو دہرانے کے بعد ، قرطاس ابیض یہ سوال اٹھاتا ہے "انتخابات کتنے صاف ستھرے اور منصفانہ تھے "؟ مسٹر زیڈ اے بھٹو کے ان الفاظ کے اصلی معنی کیا ہیں؟ جبکہ یہ الفاظ پوری سنجیدگی اور ایمانداری سے میں نے قومی اسمبلی کے سامنے ، جنوری ۱۹۷۷ کو دہرائے تھے ۔ بعد میں آنے والے صفحات میں اس سازشی اور پوشیدہ سوال کا جواب موجود ہے ۔

عجیب بات یہ ہے کہ خود قرطاس ابیض میرے ارادوں کی راستی کو تسلیم کرتا ہے ۔ اس میں ایک نوٹ نقل کیا گیا ہے ۔ جو راؤ رشید نے پیش کیا اور میں نے اس کی تائید کی تھی ۔ یہ نوٹ یوں ہے "پنجاب میں امیدواروں کی اکثریت اس تاثر کے تحت ہے کہ چونکہ انہیں پی پی پی کا ٹکٹ دیدیا گیا ہے ۔ اس لئے یہ انتظامیہ کا کام ہے کہ وہ اس سلسلے میں کام کرے ۔ امیدواروں کو اس تاثر سے جھنجھوڑ کر نکالنا چاہئیے" ۔

اس امر کی ایک اور تصدیق ، میری ہدایات کے متعلق اس خط میں ملتی ہے جو گورنر عباسی نے مجھے لکھا تھا۔ اس میں کہا گیا ہے ، "میں نے ملتان ڈویژن کے محکموں کے سربراہوں کی ایک میٹنگ بلوائی تھی اور اس میں ان پر یہ واضح کر دیا گیا کہ وہ اور ان کے ماتحت سٹاف سے یہ سو فیصدی توقع کی جاتی ہے کہ وہ وزیر اعظم کے ہدایت نامہ پر عمل کریں گے اور وہ انتخابات میں سو فیصدی غیر جانبدار رہ کر ، ہر چیز سے ماوراء ہو کر انتخابات کا منصفانہ انعقاد کرائیں گے" ۔

میں اس سے پہلے انتخابات کے انعقاد کے بارے میں جنرل ضیاء کے ریمارکس کا حوالہ دے چکا ہوں ۔ جو حکومت کا تختہ الٹنے کے فوراً بعد اس نے دئے تھے ۔ میں اس پر پھر اصرار

کروں گا کہ اس نے کہا تھا "فوج کے پاس یہ ثبوت موجود ہے کہ مسٹر بھٹو بدعنوانی کے ذمے دار نہیں تھے" ۔

بدعنوانی کا الزام لگا کر قطعی طور پر مجھے انتقام کا نشانہ بنایا جا رہا ہے ۔ میں نے جب حزب اختلاف سے بات چیت کی تو بہتر تعلقات پر قومی اسمبلی میں پر زور انداز سے اصرار کر چکا تھا۔ یہ وہ اہم امور ہیں جن سے قرطاس ابیض نے جان بوجھ کر پہلو تہی کی ہے ۔ ہم نے انتخابات میں صاف ستھرے انداز میں مقابلہ کیا جیسے کہ سویز کے مشرق میں منصفانہ انتخابات ہو سکتے ہیں ۔

میرے پاس ایسی کئی وجوہات ہیں جن کی بنا پر منصفانہ انتخابات ضروری تھے ۔ اور میں اس کا اعتراف کرتا ہوں وہ تمام وجوہات ایثار پر مبنی نہیں تھیں ۔ اور میں یہ جانتا ہوں:

(ا) اپوزیشن دھڑوں میں تقسیم اور نااہل تھی ۔
(ب) میری حکومت کی کامیابیوں کا ریکارڈ شاندار تھا ۔
(ج) عوام میرے اور میری پارٹی کے ساتھ تھے ۔ بالخصوص آبادی کا اسی فیصدی دیہاتی حصہ ۔
(د) میں پاکستان کی تاریخ کو ایک بے مثال موڑ دے کر ، بہتر اور سول برتری دینا چاہتا تھا۔
(ر) میں تاریخ میں اپنے آپ کو "انتخابات میں بدعنوانی کرنے والا" کی حیثیت سے زندہ رکھنا نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی "انتخابات میں سازباز" کرنے والے کی حیثیت دینا چاہتا تھا ، جیسے کہ میرے بیشتر پیشرو تھے ۔
(س) اور ان سب سے بڑھ کر اور اہم خصوصیت رکھنے والا سبب یہ تھا کہ میں اقتدار کے بھوکے جرنیلوں کے لئے تو معمولی ترین موقع فراہم کرنا نہیں چاہتا تھا ، تاکہ وہ مداخلت کر کے اس نامکمل کام کی تکمیل کر سکیں جو ان کے بے وقعت پیشرو یحییٰ خان نے شروع کیا تھا ۔ میرا یہ طویل خوف محفوظ اور محتاط زبان میں بیان ہوا ہے اور مارشل لا کے صفحہ ۳۹۰ پر بھی اس کا ذکر موجود ہے ۔

"وزیر اعظم نے اس سلسلے میں اطمینان و مسرت کا اظہار کیا ۔ ایک روز پہلے ہونے والی میٹنگ میں یہ محسوس کیا گیا تھا کہ کسی قسم کی رعایت پی این اے کو نہیں دی گئی ۔ اور ان سے کہا گیا کہ جو جس سمجھوتے تک پہنچ گیا ہے وہ اس کے پابند رہیں ۔ ڈیڈ لاک کے نتائج پر غور و فکر کیا گیا ۔ اہم ترین مسائل تھے جیسے ، ملک کا امیج ، استحکام ، اور اس کا مستقبل ۔ اگر اس سمجھوتے پر عمل نہ ہوا تو پی این اے احتجاج کا سلسلہ شروع کر دے گی اور یہ بھی فرض کیا گیا کہ اگر احتجاج پر کنٹرول کر لیا گیا اور امن و امان بحال کر دئیے

گئے تو کسی مرحلے پر مفاہمتی مذاکرات دوبارہ شروع کئے جا سکتے ہیں ۔ تاہم محض امن و امان کی بحالی اور کنٹرول سے ہی مسئلہ حل نہ ہو گا ۔ ایک دوسرا اہم عنصر یہ تھا اگرچہ مسلح افواج حکومت کے ساتھ کھڑی ہیں لیکن اگر دوسرا احتجاج ہوا تو شدید ترین تناؤ میں آ سکتی ہیں" ۔

ان خیالات کا اظہار کابینہ کی ایک میٹنگ میں کیا گیا ۔ مجھ سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ میں اپنے وزیروں کو یہ بتاتا کہ ان میں موجود بعض ہوس پرست احمقوں نے دوسرے ہوس پرست بزعم خود اپنے بارے میں چا کلیٹ سیزر کی رائے رکھنے والوں کے لئے دروازے کھول دئے ہیں کہ وہ اقتدار پر قبضہ کر کے ایک باز نطینی تدفین کر سکیں!

(۷)

انتخابات میں بدعنوانی یا منصفانہ رویہ

اس سے قطع نظر کہ یہ ثابت کرنے میں مکمل ناکامی ہوئی کہ میری حکومت نے انتخابات میں بدعنوانی کی تھی اور یہ کہ میری حیثیت کو نقصان پہنچانے میں پوری آزادی کے باوجود یہ تماشا بھی خوب ہے کہ ۳۴۲ ریاستی دستاویزات مارکیٹ میں پھینک کر قانون کے ساتھ دھوکہ بازی کی گئی ۔ کیونکہ سرکاری دستاویزات کو خفیہ رکھا جاتا ہے ۔ میں نے ایک بھی سرکاری دستاویز کو لوگوں کے سامنے اس وقت تک نہیں رکھا جب تک کہ طے شدہ چینلز پر عمل نہ کر لیا ہو ۔ اس کی ایک مثال دیتا ہوں کہ جب میں وزیراعظم کی حیثیت سے خارجہ پالیسی کے حوالے سے "دوطرفہ تعلقات" پر لکھ رہا تھا ، تو میرے خصوصی معاون نے ایک سرکاری خط ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۶ کو سیکرٹری وزارت خارجہ کے نام بھیجا ۔ جس میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ وزارت خارجہ ، وزیراعظم پاکستان کو وزارت خارجہ کی بعض دستاویزات کی اشاعت کی اجازت دیدے ۔ ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۶ کو وزارت خارجہ کے سیکرٹری نے جواب دیا اور اس میں لکھا کہ وہ ان دستاویزات کی اشاعت کی اجازت دیتے ہیں ۔ جن کا ذکر منسلکہ فہرست میں دیا گیا ہے ۔

قرطاس ابیض میں کئی بار "باوقار نشستوں" کا ذکر آیا ہے ۔ اس حوالے کو بار بار دہرانے کا مقصد صفحہ ۳۴۲ پر سامنے آتا ہے ۔ مسٹر یحییٰ بختیار کے کیس پر بات کرتے ہوئے کہا گیا ہے "باوقار نشستوں" کے خفیہ اشارے کو کھولا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ نشستیں ہر قیمت پر جیتنی ہیں ۔ یقیناً اس راز اور کوڈ کے معنی موجودہ مارشل لا حکام کا انکشاف ہے ۔ کیونکہ کسی دوسرے کے نہ تو اتنے ذرائع ہو سکتے ہیں اور نہ ایسی زبردست قوتِ متخیلہ کہ ایسی دریافت کر سکے ۔ "باوقار نشستیں" کے الفاظ تو انتخابات میں عام طور پر استعمال ہوتے ہیں ۔

ہر بار جب موجودہ حکومتی ٹولہ مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات کا گھیراؤ کرتا ہے تو کمشنر ہزارہ ڈویژن کا نام ضرور لیا جاتا ہے ۔ اس کا حوالہ "پرسنلٹی کلٹ" کے باب میں صفحہ ۶۵ اور ۶۶

"بدعنوانی" کے باب میں صفحات ۲۴۵ سے ۲۴۹ تک ، اور پھر صفحات ۲۵۳ سے ۲۵۷ تک ملتا ہے ۔ محسوس ہوتا ہے کہ وہ خاص پسندیدہ فرد ہے ۔ سپریم کورٹ میں بیگم نصرت بھٹو کی آئینی درخواست کی سماعت کے وقت بھی اس کا نام حوالہ بنا ۔ میں نے جواب دعویٰ کے طور پر شامل کئے جانے والے اپنے بیان حلفی میں اس کے "مارکو پولو کے بحری سفر" کا جواب دیا تھا ۔ ہزارہ ڈویژن کے کمشنر کی رپورٹ مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۷۷ تضادات سے بھری ہوئی ہے اور قانون کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ۔ یہ ایسی ناقص رپورٹ ہے کہ خود کمشنر نے اس رپورٹ کے پہلے صفحے پر تسلیم کیا ہے کہ "چونکہ ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے ، اس لئے یہ ممکن نہیں کہ صحیح طور پر ٹھیک ٹھیک یہ نشاندہی کی جا سکے کہ ہروی آئی پی فرد نے افسروں کو کرنے کے لئے کیا کہا تھا" ۔

کمشنر کا دعویٰ ہے کہ وہ مہذب انسان ہے ۔ قانون کا احترام کرتا ہے اور ایک صاحبِ ضمیر انسان ہے ۔ اگر اس میں ان خوبیوں میں سے کوئی ایک خوبی بھی ہوتی تو اس کا یہ فرض تھا کہ وہ تحریری رپورٹ اپنے صوبائی وزیر اعلیٰ کے سامنے پیش کرتا اور اس میں میٹنگ کی تفصیلات بیان کر کے اپنی پوزیشن واضح کر لیتا ۔ کمشنر نے اتنے دنوں اور مہینوں تک اپنے وزیر اعلیٰ کو تاریکی میں کیوں رکھا؟ اور وہ ان انکشافات کے ساتھ ۲۱ ستمبر ۱۹۷۷ کو ہی سامنے کیوں آیا جبکہ یہ اس کا فریضہ تھا کہ وہ اپنے صوبائی چیف ایگزیکٹو کو ۵ یا ۶ مارچ ۱۹۷۷ کو یہ رپورٹ پیش کرتا؟

یہ تمام مہینے اس نے اپنے ضمیر کی چبھن کو محسوس کرتے انتظار میں گزار دئے ۔ لیکن اس کی رپورٹ کی کوئی اہمیت اور قیمت نہیں اور کوئی بھی ایسا ثبوت پیش نہیں کرتی جسے قانونی اصطلاح میں قانونی ثبوت کہا جا سکے ۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ سرکاری افسروں نے سیاسی صورتِ حال پر بحث کی ۔ سیاسی صورت حال پر تبادلہ خیالات کرنے میں کیا نقصان تھا؟ مارچ میں سیاسی صورتِ حال فزوں تر ہوئی اور اس موضوع پر ہر طرف بات چیت ہو رہی تھی ۔ اس تحریک شدہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ افسروں نے میری قیادت کے بارے میں اندازے پیش کئے ۔ ایسے اندازے لگانے میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں ہے ۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے میری جو قدر و قیمت متعین کی اس قدر و قیمت اور اندازے سے زبردست یکسانیت رکھتی ہے جو چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نے میری قیادت اور پاکستان کے لئے ناگزیر قرار دی تھی ۔ ان دنوں میں جب میں وزیر اعظم تھا اور اس کے بعد بھی تہران کے اخبار "کیہان انٹرنیشنل" تک میں ۔

اگر سرکاری افسروں میں کوئی انتخابات کے نتائج کے بارے میں پیشگوئی کرتا ہے تو اس سے ان پر کسی جرم کے الزام کا بوجھ نہیں پڑتا ۔ ان دنوں ہر شخص ایسی پیشگوئیاں کر رہا

تھا ۔ جن میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی شامل تھا ۔ اگر میں اصغر خاں اور گوہر ایوب کی شکست کے بارے میں ایسے شدید محسوسات رکھتا تھا کہ میں نے اپنے اعلیٰ افسروں کو اس لئے ایبٹ آباد بھیجا کہ انہیں یقین دلا دیں کہ "وہ کسی طرح بھی اپنے نشستوں پر کامیاب نہیں ہو سکتے" ۔ تو پھر وہ دونوں کس طرح سے منتخب ہو گئے ۔ اگر میں انتخابات میں بڑے پیمانے پر ، بلکہ قومی سطح پر بد عنوانی کے لئے حرب اختیار کر سکتا تھا تو پھر یہ کیسے ہوا کہ ملک کے ایک دور افتادہ حصے میں میں ضروری اور مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکا؟ اور خاص طور پر اس صورت میں جبکہ میں نے اپنے ملٹری سیکرٹری اور سیاسی مشیر کو یہ ذمے داری سونپی کہ وہ سیدھے ایبٹ آباد آ کر اصغر خاں اور گوہر ایوب کو ان کی ناکامی کی ضمانت دیدیں کہ وہ کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو سکتے" ۔ اس کے علاوہ اگر میرے سرکاری افسر صوبہ سرحد اور ہزارہ ڈویژن میں انتخابات میں بد عنوانی کے لئے خصوصی ہدایات لے کر گئے تھے تو پھر ان کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ میرے احکام کو ایسی آسانی سے نظر انداز کر دیتے اور ہزارہ کے کمشنر سے اسی لمحے متفق ہو جاتے جب اس نے کچھ بے ہودہ اعتراضات کئے تھے ۔ میں ایک پسندیدہ شخص کی گھڑی ہوئی کہانی پر اب مزید وقت ضائع کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا ۔

ایک پورا باب جو مسٹر یحییٰ بختیار کے لئے وقف کیا گیا اس کے علاوہ ساتویں باب کا ایک حصہ جو صفحات ۲۴۵ سے ۲۵۲ پر محیط ہے ، اور انفرادی کیسوں کے بارے میں ہے ، جیسے کہ آٹھواں باب ہے ۔ موت کی اس کوٹھڑی میں مجھے وہ سہولتیں حاصل نہیں کہ میں ہر ایک انفرادی کیس سے نمٹ سکوں ۔ افراد نے اپنی انفرادی حیثیتوں میں جو بد عنوانیاں کیں ، ان سے میرا کوئی تعلق ہے اور نہ ہی میں اس میں ملوث ہوں ۔ یہ بد عنوانیاں میری کی ہوئی نہیں ہیں ، الیکشن کے قوانین اور الیکشن ٹریبونلز متاثرہ اور مجروح فریقین کے لئے اندمال فراہم کرتے ہیں ۔ رٹ دائر کرنے کی سہولت بھی انہیں حاصل ہے ۔ اس کے علاوہ میں نے اچھی نیت سے الیکشن کمیشن کو ایسے اختیارات سے مسلح کیا تھا کہ وہ ایسی شکایات کا فیصلہ خود کر سکتا تھا ۔ ان غیر معمولی اختیارات کو کیوں واپس لیا گیا ۔ اس کی وجوہات بیان کی جا چکی ہیں ۔

بہرحال اپنی اخلاقی ذمے داری کو پورا کرنے کے لئے بے ترتیبی سے سبھی میں چند انفرادی کیسوں پر بات کروں گا ۔ ان میں یہ کیس شامل ہیں ۔

(ا) مسٹر یحییٰ بختیار ، اٹارنی جنرل پاکستان ۔

(ب) مسٹر ممتاز علی بھٹو ، لاڑکانہ ضلع سے وفاقی وزیر ۔

(ج) مسٹر غیبی خان احمد سلطان چانڈیو ، ضلع لاڑکانہ ۔

(د) مسٹر ذوالفقار علی بھٹو، وزیراعظم پاکستان ۔

غیبی خان اور ممتاز علی بھٹو کو اس حوالے سے یہ اعزاز نہیں دیا گیا جو ذیلی عنوان "بلامقابلہ انتخابات" میں آتے ہیں ۔ اس سلسلے میں اس سادگی کو اپنی جگہ مد نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ کم از کم یہ دو ایسے کیس ہیں جن کے بارے میں موجودہ حکومتی ٹولے نے یہ عنائت کی ہے کہ یہ دونوں بلامقابلہ، کسی بد عنوانی کے بغیر منتخب ہو گئے تھے ۔ یہ ایک تباہ کن صورت ہو گی کہ موجودہ مارشل لا حکام کو سچائی کے ساتھ کسی قسم کی وفاداری اور وابستگی کا اعزاز دیا جائے ۔ شاید میں وہ حوالہ بھول گیا ہوں ۔ ایک دوسرے متن میں، غیبی خان چانڈیو کو بھی نہیں بخشا گیا ۔ مزید بر آں، چونکہ ممتاز علی بھٹو اور غیبی خان چانڈیو کا تعلق ایک دیہی قصبے اور "گٹالی منصوبے" سے ہے اور وہ بلامقابلہ کامیاب ہوئے تھے ۔ اس لئے میں ان کے کیسوں پر بات کروں گا ۔

ان چار کیسوں کو چنتے ہوئے میں اس عدم مساوات اور بے تدبیری کے بارے میں کوئی عناد نہیں رکھتا جو قرطاس ابیض کے صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں ۔ ان میں سے بہت سی باتوں کا میں پردہ چاک کر چکا ہوں ۔

قرطاس ابیض یہ ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے کہ میری حکومت یا میں بطور وزیراعظم پاکستان مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات میں کسی قسم کی بدعنوانی اور دھاندلی میں ملوث ہوئے ہیں ۔ اس میں ایسی کوئی شہادت پیش نہیں ہوئی جس سے میں ذاتی طور پر بدعنوانی کرنے کے احکامات جاری کرنے یا انتخابات میں بدعنوانی کرنے میں ملوث ہوا ہوں ۔

چیف الیکشن کمشنر مسٹر سجاد احمد جان کی شہادت نہیں لی گئی ۔ اگرچہ وہ اس سلسلے میں کلیدی اور ناگزیر گواہ تھے ۔ ان کے بارے میں جتنے حوالے دیئے گئے وہ سیکرٹری الیکشن کمیشن مسٹر زیڈ اے فاروقی نے "سنی سنائی" باتوں پر دیئے ہیں ۔ جنہوں نے نامعلوم وجوہات کی بنا پر جھوٹی اور معاندانہ گواہی دی ہے ۔ مسٹر فاروقی، این اے فاروقی کے بھتیجے ہیں جن کی بیوی مسعود محمود کی بیوی کی بہن ہے ۔ جو کہ لاہور میں مقدمہ قتل میں بڑا اور بنیادی وعدہ معاف گواہ ہے ۔

وائٹ پیپر اپنے تضادات خود پیش کرتا ہے ۔ یہ خود ساختہ شہادتوں اور مستند جھوٹوں سے بھرا ہوا ہے ۔ جو ایک سیاسی خودکشی ہے ۔ تمام دستاویزات جنہیں استعمال کیا گیا، انتہائی حد تک منتخبہ ہیں اور انہیں کتر بیونت کر کے سی کر الزامات کے مطابق تیار کیا گیا ہے ۔ یہ قسمت کی ایک عجیب چال ہے کہ قرطاس ابیض مجھے ہر الزام سے بری بھی قرار دیتا ہے اور میری حیثیت کا انتقام بھی لیتا ہے ۔

پنجاب ، بلوچستان ، اور صوبہ سرحد کے چیف سیکر ٹریوں نے اپنے بیانات میں مجھے بد عنوانی سے بری الزمہ قرار دیا ۔ بعض بیانات دوسروں سے زیادہ مثبت ہیں ، لیکن یہ تینوں چیف سیکر ٹری میری حمایت میں ہیں ۔ جبکہ کسی چیف سیکر ٹری کی شراکت اور اسے پھنسائے بغیر صوبائی سطح پر انتخابات میں بد عنوانی ہو ہی نہیں سکتی ۔ چوتھے اور سندھ کے چیف سیکر ٹری کا اس میں کوئی نام اور حوالہ نہیں ملتا ۔ اس کا بیان اس لئے خارج کر دیا گیا ہے کہ پی این اے نے وسیع پیمانے پر منظم تشدد کے ساتھ صوبہ سندھ میں جو بد عنوانیاں کیں ان پر الزام لگایا گیا ہے ۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس حاسدانہ دستاویز میں پی این اے کی بد عنوانیوں کا کوئی اندراج نہیں ملتا ۔

ڈی آئی جی / آئی ایس آئی نے مورخہ ۴ مارچ ۱۹۷۷ کی مشترکہ رپورٹ مین مجھے بد عنوانی سے بری الزمہ قرار دیا ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلح افواج نے ایک ادارے کی حیثیت سے مجھے اس میں نہیں پھنسایا ۔ مزید بر آں چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کے متعدد سرکاری بیانات جو اس نے حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد دئیے ۔ ان میں بھی مجھے ہر قسم کی دھاندلی اور بد عنوانی سے بری الزمہ قرار دیا گیا۔ لیکن ان حوالوں کا اندراج بھی قرطاس ابیض میں نہیں ملتا ۔

پنجاب کے کمشنروں کے بیانات ، جنہیں بطور خاص غیر مبہم الفاظ مین میں نے لاہور میں ۴ مارچ ۱۹۷۷ کو حکم دیا تھا کہ وہ بد عنوانی اور دھاندلی کی کسی طرح بھی اجازت نہ دیں ۔ اس کا قرطاس ابیض میں سرے سے ذکر موجود نہیں ہے ۔ نہ ہی انسپکٹرز جنرل آف پولیس اور اسی طرح کے کلیدی افسروں جیسے سیکر ٹری داخلہ کا ذکر ہی موجود نہیں ۔ سیکر ٹری داخلہ سندھ اور میرے سیکر ٹری افضل سعید کے بیانات اس وقت لئے گئے جب وہ مارشل لا کے گلیڈ یٹرز کی حراست و نظر بندی میں تھے ۔ میرا خیال ہے کہ سیکر ٹری داخلہ سندھ اب بھی نظر بند ہیں ۔ اور مسٹر افضل سعید کی نظر بندی ختم کر کے اسے گھر میں زیر حراست رکھا گیا ہے ۔

قرطاس ابیض ، ایک یک طرفہ ، جعلی اور جھوٹی اور گھڑی ہوئی مرتب کردہ دستاویز ہے جسے ۲۵ جولائی ۱۹۷۸ کو جاری کیا گیا ہے ۔ صرف ایک مقصد کے تحت ، کہ میرے خلاف عناد اور تعصب کو اس وقت پھیلایا جائے جبکہ موت کی سزا کے خلاف میری اپیل کی سماعت سپریم کورٹ آف پاکستان میں ہو رہی ہے ۔

میں اپنی ان وضاحتی معروضات کو ساتویں باب بعنوان "سٹریٹیجی" کے آخری پیراگراف پر ختم کرتا ہوں ۔ اس میں مسٹر وقار احمد کے بیان سے حوالہ دیا گیا ہے ۔ جو میرے سابقہ کیبنٹ سیکر ٹری تھے اور یہ بیان ان سے ۳ جنوری ۱۹۷۸ کو لیا گیا ۔ یہ قرطاس ابیض کے صفحہ

۲۵۱ پر ہے اور یوں بیان کرتا ہے :

"مجھے مسٹر اکرام شیخ نے اطلاع دی کہ انتخابات کے دن مسٹر بھٹو کنٹرول روم میں تھے اور بارہ بجے کے لگ بھگ وہ اشتعال میں آ گئے کہ پی پی پی ہار رہی ہے ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عین اس وقت متعدد ہدایات چیف سیکر ٹری پنجاب کو روانہ کی گئی تھیں جن کے نتیجے میں بد عنوانی اور دھاندلی ہوئی تھی ۔ اس وقت میں صرف انہی امور کو ہی یاد کر سکا ہوں ۔ لیکن میں بعض دوسرے امور پر بھی روشنی ڈالنے کے قابل ہو جاؤں گا ۔ اگر وہ میرے نوٹس میں لائے گئے یا میں بعد میں انہیں مجتمع کر سکا"۔

میں اپنی وزیر اعظم کی رہائش گاہ سے چلتا ہوا اس مشہور کنٹرول روم جو میرے سیکر ٹریٹ میں تھا ، میں اپنے فضائیہ کے اے ۔ ڈی ۔ سی خالد ہارون کے ہمراہ ۷ مارچ ۱۹۷۷ کو ساڑھے چار بجے سہ پہر کے لگ بھگ گیا ۔

رفیع رضا اور جنرل ٹکا خان نصف گھنٹے کے بعد وہاں آئے ۔ ہم چائے پر چائے پیتے رہے حتیٰ کہ ٹیلی ویژن پر نتائج آنے لگے ۔ نصف شب کے وقت جسے تقریباً بارہ بجے کہا گیا ہے ۔ ایسی کوئی سرسری اور معمولی سی وجہ بھی سامنے نہ آئی کہ جس سے میں مشتعل ہو جاتا اور کہتا کہ پی پی پی ہار رہی تھی ۔ بارہ بجے تک تو یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ پی پی پی بھاری اکثریت کے ساتھ جیت رہی ہے ۔ اس کی تصدیق ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی ٹیپوں ، فلموں اور دوسری دستاویزی شہادتوں سے کی جا سکتی ہے ۔

اس کے باوجود اگر یہ جھوٹ سچ تھا تو بتائیے کہ چیف سیکر ٹری پنجاب نے کس مواصلاتی سیارے کے ذریعے پورے صوبے میں پھیلے ہوئے ریٹرننگ افسروں کو یہ ہدایات پہنچائیں کہ وہ آخری لمحے میں نتائج تبدیل کر دیں؟ چیف سیکر ٹری پنجاب نے یہ الزام عائد نہیں کیا اور نہ ہی اکرام شیخ نے ۔ ایک بار پھر سنی سنائی کے اصول کا اطلاق کیا گیا ہے ۔ قرطاس ابیض کے مرتبین کو ایسے بے ہودہ جھوٹ کی تصدیق کی کوشش کرنی چاہئے تھی ۔ بارہ بجے تو پوری دنیا جان گئی تھی کہ پی پی پی شاندار جسامت کے ساتھ جیت رہی تھی ۔ یہ صرف میں تھا کہ جو اس بات پر مشتعل ہوا کہ پی پی پی ہار رہی ہے ۔ یہ پاگل پن کا بارھواں گھنٹہ ہے ۔ جھوٹ اس طرح سے گھڑے اور کہے جاتے ہیں کہ جھوٹ پر ایک مقالہ لکھا جائے کہ جھوٹ کس طرح بولنا چاہئے ۔

اس سفید جھوٹ پر اپنے اختتامی نوٹ کے بعد ، میں ان چار انفرادی کیسوں کی طرف لوٹتا ہوں ۔

چالیس سے زائد صفحات پر مشتمل ایک پورا باب مسٹر یحییٰ بختیار کے لئے وقف کیا گیا ہے ۔ جو سپریم کورٹ میں سزائے موت کے خلاف اپیل میں میرے سینیئر وکیل دفاع ہیں ۔

صفحہ ۳۴۱ پر قرطاس ابیض رقم طراز ہے:

''مسٹر یحییٰ بختیار کا کیس ایک خصوصی کیس ہے صرف اس لئے نہیں کہ یہ ان نشستوں میں سے ایک نشست ہے جو انتہائی مقابلے کی ملک میں نشستیں تھیں ،بلکہ اس لئے بھی کہ اس وقت مسٹر یحییٰ بختیار اٹارنی جنرل پاکستان کے عہدے پر فائز تھے ۔ اور اپنی اس حیثیت میں وہ قانون کی حکمرانی کے کسٹوڈین بھی تھے''۔

مسٹر یحییٰ بختیار کا کیس ایک بہت خصوصی کیس ہے ۔ اس کے بارے میں دو باتیں نہیں کہی جا سکتی ہیں ۔ تاہم اس کے خصوصی کیس ہونے کے بارے میں جو وجوہات قرطاس ابیض میں دی گئی ہیں ۔ وہ ان وجوہات سے قطعی طور پر مختلف ہیں ۔

سپریم کورٹ میں میری اپیل کے دوران ، جبکہ دو ماہ سے مسلسل مسٹر یحییٰ بختیار ، اپنے قدموں پر کھڑے دفاع کے لئے دلائل پیش کر رہے تھے ۔ ان سے فیڈرل انویسٹی گیشن ایجنسی کے ایک سرکاری افسر نے ان فوجداری اور عدالتی کاروائی کے بارے میں تفتیش اور پوچھ گچھ کی ، جو انتخابات میں بد عنوانی سے تعلق رکھتی تھیں اور الزام لگایا گیا تھا کہ ان کا ارتکاب مارچ ۱۹۷۸ میں ہوا تھا۔ بہرحال ان کے خلاف مقدمہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۷ کو اس وقت قائم کیا گیا جب لاہور ہائی کورٹ مجھے موت کی سزا سنا چکی تھی اور ۱۸ مارچ ۱۹۷۸ کو انہوں نے دوست ممالک سے یہ اپیل کی وہ پاکستان کی موجودہ حکومت پر اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں ۔ انہیں قبل از گرفتاری کی ضمانت کے لئے درخواست دینی پڑی ۔

سنگینوں کے ان کچوکوں پر سب سے اہم اور سرفہرست یہ قرطاس ابیض آتا ہے ۔ جس میں آنہیں ایک خاص کیس کی حیثیت دے کر علٰحدہ کیا گیا ۔ اس کا مقصد ان کا امیج تباہ کرنا ہے ۔ ان کی کارکردگی اور کردار کو نیست و نابود کرنا ہے اور لوگوں کی نظروں میں انہیں حقیر بنانا ہے ۔ اور انہیں یہ بتانا کہ وہ مسعود محمود اور غلام حسین اور دوسروں کو بھول جائیں کیونکہ ''خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے''۔ مقصد انہیں ہراساں اور خوفزدہ کرنا ہے ۔ انہیں دبانا اور پریشان کرنا ہے ۔ اس وقت جبکہ وہ میری اپیل میں دلائل دے رہے ہیں ۔ ایک ہی ہلّے میں عقاب ، ایک پنجے میں مو کل اور دوسرے میں اس کے وکیل کو صاف کر دینا چاہتا ہے ۔

انتقام کی بُو

مسٹر یحییٰ بختیار کو قائداعظم جانتے تھے ۔ میں نہیں سمجھتا کہ قائداعظم کے دیرینہ ساتھی اس سلسلے میں مجھ سے اختلاف کریں گے کہ اگر میں یہ کہوں کہ قائداعظم مسٹر یحییٰ بختیار کو بہت پسند کرتے تھے ۔ مس فاطمہ جناح ان پر اعتماد کرتی تھیں ۔ میں انہیں گذشتہ بیس برس سے جانتا ہوں لیکن وہ آغاز سے ہی کونسل مسلم لیگ میں رہے ۔ اکتوبر ۱۹۷۴ میں وہ مسلم لیگ چھوڑ کر پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے ۔ جبکہ اس وقت اصلی مسلم لیگ کی باقی چنگاریاں بھی بجھ چکی تھیں ۔ وہ پختہ ترین اصولوں کے مالک انسان ہیں ۔

پاکستان کے اٹارنی جنرل کی حیثیت سے رضاکارانہ روح کے ساتھ پاکستان کی خدمات انجام دیں اور پارلیمنٹ میں احمدیوں کے حساس ترین مسئلے کو پیش کیا ۔ انہوں نے بڑی کامیابی سے پاکستان کی عالمی عدالت انصاف میں بھارت کے ساتھ ، مشرقی پاکستان جانے والی ناجائز پروازوں اور بھارت میں پاکستانی جنگی قیدیوں کے امور میں نمائندگی کی ۔ وہ ریاست کی طرف سے نیپ کے ریفرنس اور دوسرے اہم کیسوں میں پیش ہوئے اور اب انہیں ان کی حب الوطنی کی سزا دی جارہی ہے ۔ انہوں نے تین انتہائی مفید اور متاثر کن جیورسٹس کانفرنسوں کا اہتمام کیا ۔ جن میں بعض ممتاز غیر ملکی قانون دانوں نے شرکت کی ۔ انہوں نے اپنا اعلیٰ عہدہ راست اور صاف ستھرے ریکارڈ کے ساتھ چھوڑا ۔ ان کا برتاؤ کسی کیٹرے یا مکڑی کا نہیں تھا ۔ وہ قانون کی حکمرانی کے اسی طرح محافظ اور کسٹوڈین تھے ، جس طرح ایک رومن گارڈ ہوا اپنے نظام میں انہوں نے ہمیشہ قانون کی بالادستی کی حفاظت کی ۔

وہ پارلیمنٹ میں آتے اور جوابدہ ہوتے تھے ۔ وہ اونچی ایڑیوں کو استعمال کر کے پنجوں کے بل چلتے ۔ کبھی گھٹیا سازشوں اور جوڑ توڑ میں شریک اور ملوث نہ ہوئے ۔ وہ باوقار آزادی کے ساتھ جمہوریت کے عمومی ڈسپلن کے تحت عمل کرتے تھے ۔ ۱۹۷۷ کے موسم بہار کی گڑبڑ کے دنوں میں ، انہوں نے اپنی ہی تحریک و منشا پر ، یحییٰ بختیار فارمولا پیش کیا ۔ میں نے اسے اچھی نیت کے ساتھ قبول کیا کیونکہ یہ ایک اچھے انسان کی طرف سے ایک اچھی نصیحت تھی ۔

مارشل لا کے زمانے میں اٹارنی جنرل کا دفتر جمہوریت کے چہرے پر ایک تھپڑ کے مترادف ہے ۔ قانون کے بغیر ایک نظام میں کسی اٹارنی جنرل کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی ۔

قرطاس ابیض میں یہ سمجھا گیا کہ اٹارنی جنرل قانون کی حکمرانی کا محافظ ہوتا ہے ۔ مارشل لا کے تحت ، اٹارنی جنرل کو سپریم کورٹ کو یہ بتانا ہوتا ہے کہ اس کے آقاؤں نے آئین کو منسوخ یا غصب کر لیا ہے اور تمام قوانین مارشل لا کے تابع ہو چکے ہیں ۔ اسے یہ بتانا چاہئیے کہ ضرورت کا تقاضا یہ ہے کہ پاکستان کے عوام خنزیر کا گوشت کھائیں ۔

دوسری جنگ عظیم کے تقاضے اور ضرورت کے تحت برطانوی عوام مچھلی اور چپس پر گزر اوقات کرتے رہے لیکن پارلیمنٹ بند نہ کی گئی ۔ وی ۲ طیاروں کی کانوں کو پھاڑ دینے والی آوازوں سے لندن ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ ہتھیاروں کے تصادم کے باوجود لارڈ اٹیکن میں یہ جرات تھی کہ لیورسیج بنام اینڈرسن مقدمے میں آزادیوں کی تخفیف پر ناراضی کا اظہار کیا۔ پاکستان میں ، فوجی ٹولے کا اٹارنی جنرل سپریم کورٹ میں یہ وکالت کرنے آتا ہے کہ فوجی جبر سے حکومت کا تختہ الٹنے والوں کو دستور پر فوقیت دی جائے اور جنرلوں کی حکمرانی کو قانون کی حکمرانی پر ترجیح دی جائے ۔ یہ ہے فرق ، دو اٹارنی جنرلوں میں ، ان کے کردار میں جو وہ بطور محافظِ قانون کے ادا کرتے ہیں ۔ یہ حکومت ان پر قابل اعتراض ناقص نکات کو اپنی مضبوط ترین دلیلوں کی حیثیت سے پیش کرنے میں خصوصی مہارت رکھتی ہے ۔ اس حوالے سے قرطاس ابیض کے مصنفین نے یحییٰ بختیار کے بارے میں جو دلائل دئیے ہیں ۔ ان کا اندازہ ان حقائق سے کیا جا سکتا ہے ۔ انتقام کی بو دور سے سونگھی جا سکتی ہے ۔ یحییٰ بختیار کے خلاف ان کی نفرت ڈھکی چھپی نہیں ۔ مسٹر یحییٰ بختیار کے کیس میں انتقام کی بو صاف محسوس ہوتی ہے ۔ اور صرف اسی وجہ سے ، یہ ایک خاص کیس ہے ۔

قرطاس ابیض اپنے صفحہ ۳۴۲ پر بیان کرتا ہے ۔ "اس نشست کی کچھ بین الاقوامی اہمیت بھی تھی" ۔ قنوطیت جو اس ریمارک میں شامل ہے اسے کوئی بھی شخص خواہ سیاسیات سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو نظرانداز نہیں کر سکتا ۔ کیونکہ یہ نشست ایک سرحدی ضلع میں واقع ہے ۔ اسی طرح کے قبائل جیسے اچکزئی اور کاکڑ سرحد ہی کے علاقے میں آباد ہیں ۔ برطانوی افغان جنگوں کے زمانے سے ، صدر داؤد خان کی حکومت کے زمانے تک جب مخالفانہ کاروائیاں ختم کر دی گئیں ۔ چمن اور پشین انتہائی حساس علاقے تھے ۔ اور اب بھی ان کی حساسیت باقی ہے ۔ ماضی میں بہت سے سیاسی مسائل اور پریشانیاں اسی راستے سے آتی رہیں ۔ بلوچستان کا کوئی باسی خواہ وہ بلوچ ہو یا پختون ، اس پر یقین نہیں کرے گا جیسا کہ قرطاس ابیض میں کہا گیا ہے کہ ۔۔۔

"سرحدوں کے اس پار سے کچھ مداخلت قطعی ممکن ہے" صرف قرطاس ابیض کے

مرتبین ہی ، جو بلوچستان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے، اس بیان کو مسٹر یحییٰ بختیار یا میری وفاقی یا صوبائی حکومت کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں ۔

قرطاس ابیض ہمیں بتاتا ہے "مسٹر غازی خان جنہیں بطور خاص پنجگور سے چمن اس لئے منتقل کیا گیا تھا کہ وہ امن و امان کی صورت حال کی دیکھ بھال کر سکیں اور بطور خاص قبائلی علاقوں کے امن و امان کو دیکھیں ، دراصل انہیں چمن اس لئے تبدیل کیا گیا تھا کہ وہ انتخابات میں مسٹر یحییٰ بختیار کی مدد کر سکیں ۔ قرطاس ابیض کے صفحہ ۳۴۳ پر مسٹر غازی خان کے بیان کا حوالہ دیا گیا ہے ۔ جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ بلوچستان کے چیف سیکرٹری نے انہیں مسٹر یحییٰ بختیار کی مدد کے لئے بھیجا تھا ۔ صوبہ بلوچستان کے چیف سیکرٹری نے اس کی تردید کی ۔ مسٹر نیر آغا ، سابق اسٹنٹ کمشنر چمن نے بیان کیا ہے "مسٹر غازی خان کو قبائلیوں کے وراثتی کردار اور اس علاقے میں جو سماجی نظام رائج ہے اس کی وجہ سے کامیابی نہیں ہو سکتی تھی" ۔

چیف سیکرٹری بلوچستان کا کیا ارادہ تھا اور سابق اسسٹنٹ کمشنر چمن کا تجزیہ کیا کہتا ہے اس سے قطع نظر مسٹر غازی خان کا بیان اس تنازعے اور اختلاف کو ختم کر دیتا ہے ۔ مسٹر غازی خان نے کہا ہے "میں اس آئیڈیا کو کہ سرکاری امیدوار کی مدد چیف سیکرٹری کی خواہش کے مطابق کروں ، چھو بھی نہیں سکتا تھا ۔ مجھے یقین تھا کہ ہر طرح کے باثمر نتیجے کے باوجود ، اس کا نتیجہ امن و امان کے سنجیدہ نتیجے کی صورت میں نکلے گا" ۔ یہ بیان سارے مسئلے کو ختم کر دیتا ہے ۔ چیف سیکرٹری کا ارادہ ، جس کی چیف سیکرٹری نے پرزور تردید کی ہے ، اس پر عمل ہی نہیں کیا گیا تھا ۔ اس پر کیوں عمل نہ کیا گیا اس کی وضاحت اس مواد اور مسئلے سے باہر کی ہے ۔ مسٹر غازی خان نے خود صفحہ ۳۴۳ پر بیان کیا ہے کہ وہ "سرکاری امیدوار کی مدد کرنے کی جرات ہی نہیں کر سکتے تھے" ۔ اس کے بعد اس خواہش کا باقی حصہ "پلے بوائے" میگزین میں جا سکتا ہے ۔ قرطاس ابیض تسلیم کرتا ہے کہ اس "حلقہ انتخاب میں ماحول بڑا تند و تیز تھا" ۔ صفحات ۳۴۳ اور ۳۴۴ پر بلوچستان کے سابق چیف سیکرٹری نصر من اللہ کا حوالہ دیا گیا ہے ، جس میں وہ کہتے ہیں :

"وہ تین حلقہ ہائے انتخابات جہاں ۷ مارچ ۱۹۷۷ کو انتخابات ہونے والے تھے ان میں پشین خاص طور پر گڑبڑ کا مقام تھا جہاں بہت زیادہ تناؤ تھا ۔ پختون خواہ پارٹی نے اپنی بڑی قوت پشین میں اپنے سربراہ مسٹر محمد خان اچکزئی کی مدد اور حمایت کے لئے مرکوز کر دی تھی ۔ ایسی اطلاعات موجود تھیں کہ جہاں کہیں ان کی قوت موجود ہے وہاں وہ طاقت سے بھی اپنا راستہ بنائیں گے ۔ پی پی پی نے اپنے امیدوار اٹارنی جنرل کی مدد اور حمایت

کے لئے اپنی بڑی طاقت پشین میں مجتمع کر دی تھی ۔ کمشنر اور ڈی سی نے جس قدر زیادہ فورس حاصل ہو سکتی تھی اس کی حاضری کے لئے درخواست کی تھی ۔ اس کا انتظام پولیس ، بلوچستان کانسٹیبلری اور فرنٹیر کورپس کی تعیناتی سے کیا گیا ۔ فوجی اعانت بھی حاصل کی گئی ۔ مزید بر آں دوسرے اضلاع سے تعلق رکھنے والے افسروں کو بھی یہاں اس عرصے کے لئے ڈی سی پشین کی مدد کے لئے بلوایا گیا۔ ان افسروں کا انتخاب ڈی سی اور کمشنر نے کیا تھا ۔ یہ خالصتاً ایک انتظامی عمل تھا اور اس کے پیچھے کوئی سیاسی جواز نہیں تھا"۔

اگر سابق چیف سیکرٹری کے اس بیان کو جو تیز و تند ماحول کے بارے میں تھا تسلیم کیا جاتا ہے تو پھر اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ افسران کی منتقلی ایک انتظامی عمل تھا جس کا کوئی سیاسی مقصد یا جواز نہیں تھا ۔

اس کا ریفرنس سعید احمد کو جو اس وقت افسر آن سپشل ڈیوٹی حیدر آباد ٹریبونل تھے ، پیش کیا گیا ۔ میں نے سعید احمد کو بتایا کہ وہ تمام سیاسی امور سے نکل جائے اور حیدر آباد ٹریبونل میں صرف او ایس ڈی کی حیثیت سے شرکت کرے ۔ اسی لئے میں کسی طرح بھی اسے ایک انتخابی کام جو حساس اور ممتاز نشست" کے بارے میں تھا ، سونپ نہیں سکتا تھا ۔ سعید احمد مارشل لاکی تحویل میں رہا ہے ۔ اور قصوری کیس میں اس نے میرے خلاف گواہی دی ہے ۔ اس کا حوالہ دینا یا ذکر کرنا کوئی وزن نہیں رکھتا ۔

مسٹر افضل لُونی ، سابق ڈپٹی کمشنر کوئٹہ اور قرطاس ابیض کے مطابق "اس پورے ڈرامے کا ایک بنیادی گواہ" کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے ۔ مسٹر لونی کا کہنا ہے کہ اسے چیف سیکرٹری اور کمشنر نے یہ ہدایت دی تھی کہ وہ یہ یاد رکھے کہ یہ نشست کتنی اہمیت رکھتی ہے ۔ ایسا ہو سکتا ہے لیکن چیف سیکرٹری اور کمشنر دونوں نے اس سے انکار کیا ہے ۔ مزید بر آں صفحہ ۲۰۹ پر چیف سیکرٹری نے بیان کیا ہے کہ "یحییٰ بختیار مسٹر لونی کے بارے میں یہ رائے رکھتے تھے اور اس پر الزام دھرتے تھے کہ اس کا پختون خواہ کی طرف جھکاؤ ہے"۔

صفحہ ۳۵۱ پر اس وقت کے اسسٹنٹ کمشنر چمن نے بیان دیا ہے کہ مسٹر غازی خان نے "مسٹر یحییٰ بختیار کے لئے کچھ بھی نہیں کیا تھا" ۔ اس طرح مسٹر غازی خان کے بیان کی تصدیق ہو سکتی ہے ۔ اس وقت کے چمن کے اسسٹنٹ کمشنر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ "یہ چمن تھا جہاں مسٹر یحییٰ بختیار کو بہت کم ووٹ ملے ۔ اور یہاں یہ ہوا کہ پولنگ سٹیشنوں پر ان لوگوں نے قبضہ کر لیا جو مسٹر یحییٰ بختیار کے مخالف تھے" ۔

قرطاس ابیض میں انتخابات کے نتائج کے بارے میں شدید نوعیت کے تضادات پائے جاتے ہیں ۔ کہیں تو یہ کہا جاتا ہے کہ انتخابات کے نتائج کا اعلان بہت جلدی کر دیا گیا اور کہیں یہ کہا گیا ہے کہ نتائج کا بہت دیر سے اعلان کیا گیا ۔ اس کیس میں جو بات نکالی گئی وہ سب سے مختلف اور متضاد ہے ۔ یہ نظرانداز کر دیا گیا کہ ۸ مارچ کو نتیجے کا اعلان اس لئے ہوا کہ یہ حلقہ دور افتادہ علاقے میں واقع ہے ۔ علاقے کی پسماندگی اور مواصلات کی مناسب سہولتوں کے فقدان کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا ۔

قرطاس ابیض صفحہ ۳۵۱ پر رقم طراز ہے "یہ بات توجہ کے قابل ہے کہ اس طرح مسٹر یحییٰ بختیار نے یہ نشست صرف ۱۴۸۹ ووٹوں بہت کم اکثریت کے ساتھ حاصل کی" ۔ یہ تو انتخابات کے منصفانہ ہونے کی ایک دلیل اور اعتراف ہے ۔ اگر میری حکومت نے اس نشست کو جیتنے کے لئے زمین آسمان ایک کر دئیے تو پھر فتح کا یہ فرق اتنا کم نہیں ہونا چاہئے تھا ۔ اس کے بعد پھر ، قرطاس ابیض ایک منفی نتیجہ نکالتے ہوئے کہتا ہے "وہ ووٹ جو فائل بندی نہ تھے ان کی تعداد بہت زیادہ ، ۱۰،۹۹۳ تھی" ۔ ایسا کیوں ہوا اس کی دو بڑی وجوہات ہیں ۔ ایک یہ کہ اس حلقۂ انتخابات میں امن و امان کا ماحول ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اور دوسری وجہ یہ کہ پی این اے نے بلوچستان میں انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا تھا ۔ بعض حلقۂ ہائے انتخابات جیسے پشین اور کوئٹہ میں اس کے ووٹروں نے ووٹ کی پرچیوں پر دوہری مہریں لگا دی تھیں ۔ تاکہ وہ اپنے احتجاج کو ریکارڈ کرا سکیں ۔ یہ حلقۂ انتخاب ملک کے انتہائی پسماندہ علاقے میں ہے ۔ جہاں لوگ ووٹ کی پرچی پر نشان لگانے میں غلطی کر جاتے ہیں ۔ قبائلی علاقوں میں زیادہ آبادی بھی نہیں ہے ۔ شہری مراکز جہاں پی این اے نے ایسا ہی عمل کیا وہاں اوسطاً پندرہ سے بیس فیصدی ووٹ کاسٹ کرنے کی شرح ہے ۔

صفحہ ۳۵۴ پر مسٹر لونی ڈپٹی کمشنر اور ریٹرننگ افسر نے کہا ہے کہ ۷ مارچ ۱۹۷۷ کی صبح چیف سیکرٹری نے پشین کا دورہ کیا اور انہیں ہدایت دی کہ "پی پی پی کے امیدوار کی حمایت کے لئے کچھ کروں" اس سے پہلے اسی صفحے پر وہ یہ بتاتا ہے کہ اس نے کس طرح "پی پی پی کے امیدوار کی حمایت کے لئے کچھ کیا" ، "مجھے چمن کے اسسٹنٹ کمشنر مسٹر نیر آغا سے رپورٹیں موصول ہو رہی تھیں کہ چمن میں مسٹر محمود خان اچکزئی کے حامیوں نے بعض پولنگ سٹیشنوں پر کس طرح جھگڑا کیا ہے ۔ پولنگ سٹاف کو باہر نکال پھینکا گیا اور محمود اچکزئی کی حمایت میں غیر قانونی ووٹ بھگتائے گئے" ۔

یہ بات کسی بھی جھگڑے سے زیادہ اہم ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سرکاری افسروں

سے ان کے اختیارات چھین لئے گئے ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تشدد کے ذریعے ، جارحیت سے ، ووٹ کے تقدس کو مجروح کیا گیا۔ یقیناً جوتا دوسری ٹانگ میں ہے ۔ مسٹر لونی صفحہ ۳۵۵ پر مزید کہتے ہیں کہ ایک پولنگ سٹیشن پر انہوں نے باہر کھڑے لوگوں کو بلوایا اور انہیں کہا کہ وہ مسٹر یحییٰ بختیار کی حمایت میں ووٹ ڈالیں ۔ اس میں وہ مزید یہ اضافہ کرتے ہیں کہ وہ "سب مسٹر اچکزئی کے حامی تھے" ۔ وہ پی پی پی کے ووٹروں سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے تھے کہ مسٹر اچکزئی کو ووٹ ڈالیں ۔ یہ ایک بے معنی بات ہے کہ ان لوگوں کو اس امیدوار کے لئے ووٹ ڈالنے کو کہا جائے جسے وہ ووٹ ڈالنے آئے تھے ۔

اسلام بہادر خان کمشنر کوئٹہ کی شہادت صفحات ۳۵۵ اور ۳۵۶ اور اس کا اختتامی حصہ صفحہ ۳۵۶ پر ہے جس میں کہا گیا ہے "مندرجہ بالاحقائق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پختو نخواہ نیپ کے حامی اور اسی طرح آزاد امیدواروں کے حامیوں نے دانستہ سوچ سمجھ کر امن و امان کے لئے سنگین مسئلہ پیدا کیا جس کے نتیجے میں امن و امان قائم کرنے والی ایجنسیوں کو غیر مؤثر بنا کر رکھ دیا ۔ چمن کے علاقے میں کم از کم ۱۰/۹ پولنگ سٹیشنوں پر پختون خواہ نیپ کے حامیوں نے قبضہ کر لیا ۔ پی پی پی ، پولنگ سٹاف اور الیکشن ایجنٹ سے ہاتھا پائی کے بعد انہیں باہر پھینک دیا گیا ۔ اسی طرح قلعہ عبداللہ ، کربلا ، پیر علی زئی اور بار شور کے علاقوں میں بھی مقامی انتظامیہ کو بدامنی کی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا" ۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرطاسِ ابیض کے نویں باب کا نام "مسٹر محمود خان اچکزئی کا کیس" ہونا چاہئیے تھا ۔ نہ کہ "مسٹر یحییٰ بختیار کا کیس" کیونکہ مسٹر یحییٰ بختیار نے نہیں بلکہ مسٹر محمود اچکزئی نے بے قاعدگیوں کا ارتکاب کیا اور صورتِ حال کو قبضہ میں لے کر اپنے مفاد میں استعمال کیا ۔ بلوچستان کے چیف سیکرٹری نے صورتِ حال کی مزید تصدیق صفحہ ۳۵۶ پر ان الفاظ مین کی ہے ۔ "پشین پہنچنے پر مجھے ڈپٹی کمشنر نے اطلاع دی کہ چمن میں کچھ پولنگ سٹیشنوں پر پختون خواہ کے کارکنوں نے طاقت سے قبضہ کر لیا ہے" ۔

اگر قرطاسِ ابیض پر یقین کیا جائے تو پھر ایف آئی اے کے افسروں کو مسٹر بختیار کو نہیں بلکہ مسٹر اچکزئی کے خلاف کاروائی کرنی چاہئیے اور مسٹر اچکزئی کو ہی ضمانت قبل از گرفتاری کی درخواست دینی چاہئیے ۔

صفحہ ۳۵۷ کے زیریں حصے اور صفحہ ۳۵۸ پر سابق چیف سیکرٹری بلوچستان کے ریمارکس قابل توجہ ہیں ۔ یہ کہنا غلط ہے کہ ڈپٹی کمشنر مسٹر لونی ، ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر مسٹر غازی خان کسی بھی دوسرے سرکاری افسر کو کسی بھی مرحلے میں میں نے ہدایات دی تھی کہ وہ پی پی پی کے امیدوار کی مدد کریں ۔ انتظامیہ کے ساتھ میرا رابطہ عمومی طور پر کمشنر کے ذریعے تھا ۔ مسٹر یحییٰ

بختیار مسلسل افسروں کے خلاف شکایات کر رہے تھے ۔ ان کا یہ الزام تھا کہ ان کی اکثریت کا جھکاؤ پختون خواہ کی طرف ہے ۔ انہوں نے بطور خاص ایڈیشنل کمشنر پشین مسٹر اعظم خان اور اے۔ ڈی۔ وی۔ جی مسٹر عزت عزیز کرد کے خلاف شکایت کی ۔ ان کی یہ بھی شکایت تھی کہ پریزائڈنگ افسروں اور پولنگ سٹاف کی اکثریت پختون خواہ کی حامی ہے ۔ چمن اور بعض دوسرے مقامات پر جس طرح پولنگ سٹیشنوں پر قبضہ کیا گیا وہاں کے پریزائڈنگ افسروں کے کردار کا خود اظہار کرتا ہے ۔ مسٹر بختیار کا خوف قطعی بے بنیاد نہیں تھا"۔

چیف سیکرٹری نے قطعی اور حتمی انداز میں نہ صرف اس کی تردید کی کہ انہوں نے مذکورہ افسروں میں سے کسی کو پی پی پی کے امیدوار کی مدد کے لئے ہدایت نہیں دی تھی ۔ اس سے بھی آگے جا کے وہ مسٹر بختیار کے خوف کو بیان کرتے ہیں کہ پولنگ سٹاف اور پریزائڈنگ افسروں کی اکثریت کا جھکاؤ پختون خواہ کی طرف تھا ۔ اور "یہ خوف قطعی طور پر بے بنیاد نہیں تھا"۔ چیف سیکرٹری نے مسٹر بختیار کے اندیشوں کی تصدیق ، پولنگ افسروں ، پولنگ سٹاف اور اپنے افسروں کی جانبداری اور پختون خواہ امیدوار کی طرف جھکاؤ کی بنیاد پر کی ہے ۔ اپنی غیر جانبداری کا انہوں نے اس حد تک دفاع کیا ہے کہ نہ صرف اپنے ماتحتوں کو کسی قسم کی ہدایت دینے کی تردید کی ہے کہ وہ مسٹر یحییٰ بختیار کی مدد کریں ، بلکہ صفحہ ۳۵۸ پر وہ مزید یہ بیان دیتے ہیں :

"مسٹر یحییٰ بختیار نے متعدد مواقع پر مجھ سے رابطہ قائم کیا لیکن اپنے پس منظر کی وجہ سے وہ مجھ پر اعتماد نہیں کر سکتے تھے ۔ یوں مجھے ایسی خوش قسمت حیثیت حاصل ہو گئی کہ مسٹر بختیار نہ مجھ سے کچھ طلب کر سکتے تھے نہ ہی مجھے ہراساں کر سکتے تھے ۔ غالباً یہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے افسروں کے ساتھ ان کا معاملہ ہو" ۔

اگر یحییٰ بختیار کی "ممتاز" اور "بین الاقوامی اہمیت" کی نشست اہم ترین نشستوں میں سے ایک تھی کہ مجھے پشین میں بطور خاص دورہ کرنا پڑا ، اگر ذاتی اور سیاسی وجوہات قومی اور بین الاقوامی اسباب کے اعتبار سے ، یحییٰ بختیار کی کامیابی ضروری تھی تو پھر میں بلوچستان میں ایک ایسا چیف سیکرٹری مقرر نہ کرتا جس پر بلوچستان میں میرے انتہائی طاقتور ساتھی کو اعتماد تک نہ تھا ۔ چیف سیکرٹری کے قول کے مطابق یہ بداعتمادی اتنی گہری تھی کہ سابق اٹارنی جنرل اس قابل نہیں تھے کہ وہ چیف سیکرٹری سے 'کچھ مانگ سکتے' یا 'انہیں ہراساں کر سکتے' ۔ یوں یہ معاملہ ختم ہو جاتا ہے ۔ جس پیمانے پر بدعنوانی اور دھاندلی کا الزام لگایا گیا ہے ، بلکہ دوسری طرح بھی عملاً چیف سیکرٹری کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں جو کہ صوبے کا بنیادی افسر ہوتا ہے ۔ چیف سیکرٹری بڑی شدومد سے اپنی جانبداری کا اظہار کرتا ہے ۔ وہ بیان کرتا ہے کہ

اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا تھا ۔ ان حالات میں اس پر انحصار کرنے یا اس سے مدد لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ بد عنوانی کرنے کی اجازت دی جائے گی ۔ یہ بیانات خود واضح کرتے ہیں کہ اس کا کسی قسم کی بدعنوانی اور دھاندلی میں ہاتھ نہیں تھا ۔

پھر یہ بھی تو قابل غور ہے کہ اگر میری حکومت اس 'ممتاز' نشست کے لئے ناتجربہ کاری سے ہی سہی ، غور و فکر کر رہی تھی تو میں انتخابات سے چند ماہ پہلے مسٹر نصر من اللہ کو صوبہ بلوچستان کا چیف سیکرٹری مقرر نہ کرتا ۔ صفحہ ۳۹۰ پر مسٹر نصر من اللہ کا بیان ہے کہ مسٹر یحییٰ بختیار بلوچستان کے ان دو پی پی پی کے سیاست دانوں میں سے صرف واحد امیدوار تھے جو وزیراعظم کی حمایت سے کبھی محروم نہ ہوئے' ۔ اگر سابق اٹارنی جنرل صوبے کے کسی بھی دوسرے پی پی پی کے سیاست دان کے مقابلے میں مجھ پر زیادہ اثر ورسوخ رکھتے تھے تو وہ آسانی سے مجھ سے یہ بات منوا سکتے تھے کہ میں صوبہ بلوچستان میں ایسا چیف سیکرٹری نہ بھجواؤں جن پر وہ اعتماد نہیں کرتے ۔ مسٹر یحییٰ بختیار اور چیف سیکرٹری کے مابین تعلقات میں تناؤ موجود تھا ۔ لیکن میری حکومت کسی چیف سیکرٹری کو انتخابات میں دھاندلی یا کسی غلط مقصد کے لئے استعمال کرنا نہیں چاہتی تھی ، اگر مسٹر یحییٰ بختیار کے چیف سیکرٹری کے ساتھ دوستانہ مراسم نہیں تھے تو اس سے بھی معمولی سا فرق نہیں پڑ سکتا تھا ۔

پختون خواہ

صفحہ ۳۵۸ پر چیف سیکرٹری نے بیان کیا ہے کہ "قیاس غالب ہے کہ ان کے (مسٹر بختیار) افسروں سے تعلقات تھے" ۔ صفحہ ۳۷۲ پر مسٹر نصر من اللہ پھر بیان کرتے ہیں "مسٹر یحییٰ بختیار کا الیکشن ایک اداس کہانی تھی ۔ جونیئر افسروں نے جو بد عنوانی کی وہ انتہائی دباؤ کے تحت کی ہوگی ۔ اور ان پر یہ شدید دباؤ، اٹارنی جنرل کی بجائے ان کے مخالف دوسرے گروہ کا تھا" ۔ لیکن اس سے پہلے مسٹر نصر من اللہ نے صفحہ ۳۵۸ پر بیان دیا تھا کہ ماتحت عملے اور پولنگ سٹاف کے پختون خواہ کی طرف جھکاؤ کے بارے میں مسٹر یحییٰ بختیار کے اندیشے قطعی طور پر بے بنیاد نہیں تھے ۔ پختون خواہ کے کارکن ، مقامی انتظامیہ کے تعاون کے بغیر پولنگ سٹیشنوں پر قبضہ نہیں کر سکتے تھے ۔ اس پشت پناہی کے بغیر یہ بات ناقابل عمل ہی نہیں بلکہ ناقابل قیاس بھی ہے ۔ لیکن پختونخواہ کارکنوں اور مسٹر اچکزئی کے حامیوں نے کئی پولنگ سٹیشنوں پر زبردستی قبضہ کر لیا تھا ۔ یہ وہ بات ہے جو چیف سیکرٹری نے صفحہ ۳۵۸ پر بیان کی ہے ۔ "وہ

تمام گڑبڑ جو چمن پر خی اور یوراک میں ہوئی تھی ، اسے دیکھنے کے بعد ، میں ڈی سی پر برس پڑا اور اسے کہا کہ وہ ضمانت دے کہ یہ گڑبڑ دوسرے علاقوں بالخصوص بارشور میں نہیں ہوئی" ۔

اسی بیان میں ہی صفحہ ۳۵۸ پر چیف سیکرٹری نے کس طرح پختون خواہ کے غول اور ٹولوں کو قانون شکنی کرتے ہوئے نہ روکا گیا اور بتایا" یہ آدھی رات کا وقت تھا جب کمشنر نے مجھے اطلاع دی کہ ڈی ۔ سی واپس آگیا ہے ۔ اس کی حالت خراب ہے اور اسے راستے میں ایک ہجوم نے روک کر پکڑ لیا اور انہوں نے اسے زدوکوب بھی کیا" ۔ اسی صفحے پر مسٹر محمد اعظم ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر پشین نے بیان کیا "پولنگ کے دن" چیف سیکرٹری نے پشین ریسٹ ہاؤس میں ہدایت جاری کی کہ "جس قدر (زیادہ) ممکن ہو پولنگ سٹیشنوں پر قبضہ کر کے بیلٹ پیپروں پر مسٹر یحییٰ بختیار کے حق میں مہریں لگادو" ۔ مسٹر محمد اعظم مزید بتاتے ہیں "لیکن میں نے فوراً جواب دیا نہیں جناب ، یہ ممکن نہیں ہے" ۔

ایک عجیب تصویر ظہور میں آتی ہے ۔ چیف سیکرٹری اپنے ملوث ہونے سے انکار کر کے اپنے ماتحتوں کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے ۔ اس کے ماتحتوں کا دعویٰ ہے کہ مداخلت کرنے کے بارے میں انہوں نے چیف سیکرٹری کے احکامات کی خلاف ورزی کی اور امن و امان برقرار رکھنے کی کوشش کرنے والوں کو اچکزئی کے حامیوں نے پیٹ ڈالا ۔ یوں اس طرح اس ممتاز نشست کو جو بین الاقوامی اہمیت رکھتی تھی ، لاڑکانہ کے ماڈل پلان میں مستحکم کیا گیا تھا ۔

کوئٹہ کے کمشنر اسلام بہادر خان کا اکثر حوالہ دیا گیا ہے ۔ صفحہ ۳۵۵ پر ان کا بیان ہے کہ دونوں امیدوار اتنے ذرائع رکھنے والے اور بارسوخ تھے کہ "انتخابات جیتنے کے لئے یہ اہلیت رکھتے تھے کہ امن و امان کی سنگین صورتِ حال پیدا کر سکیں" ۔ اگرچہ اس نے دونوں امیدواروں کو یکساں صلاحیت کا مالک قرار دیا ہے ۔ تاہم صفحہ ۳۶۲ پر وہ بیان کرتا ہے "جب پولنگ ختم ہو گئی تو یحییٰ بختیار نے بھی مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا اور نتائج جاننا چاہے ۔ جو معلومات اس وقت فراہم تھیں ان کی بنیاد پر میں نے بتایا کہ اس کی پوزیشن بہت کمزور ہے" ۔

یہ اچانک یحییٰ بختیار کی پوزیشن کس طرح "بہت کمزور" ہو گئی ۔ اس کی وضاحت کوئٹہ کے کمشنر کے اسی بیان میں موجود ہے ۔ وہ اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے صفحہ ۳۶۲ پر بتاتا ہے ۔ "اس دوران میں نیپ پختون خواہ کے حامیوں نے مکمل طور پر پشین ریسٹ ہاؤس کا گھیراؤ کر لیا ۔ جہاں میں الیکشن سٹاف کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا ۔ قانون نافذ کرنے والی ایجنسیاں بشمول اے ۔ سی پشین پختونخواہ نیپ کو وہاں سے ہٹانے میں غیر موثر ہو گئے" ۔

اگر کمشنر کے الزام کے مطابق ، حکمران پارٹی کے امیدوار کی پوزیشن خراب ہوئی تو اس کی ذمہ داری اپوزیشن کی غنڈہ گردی اور بدعنوانی پر عائد ہوتی ہے ۔ ٹیلی فون کالیں اور ہدایات ،

اگر واقعی دی گئی تھیں ، جس پر میں یقین نہیں کرتا کہ یہ سچ ہے ، تو اٹارنی جنرل نے اس لئے دی تھیں کہ امن و امان کو بحال کیا جائے اور پختون خواہ کے ہاتھوں میں بیلٹ باکس جانے سے بچائے جائیں ۔ یہ امر کہ انتظامیہ غیر موثر ہو گئی یا اس نے خود اپنے آپ کو غیر موثر بنالیا ، اس کا اعتراف چیف سیکرٹری نے قرطاس ابیض کے صفحہ ۳٦۴ پر یوں کیا ہے:

"صوبے میں پی پی پی کے رہنما ، یحییٰ بختیار اور ان کے ایجنٹ زور و شور سے چیخ و چلا رہے تھے کہ ان کے پولنگ ایجنٹوں کو زدوکوب کیا جا رہا ہے اور متعدد پولنگ سٹیشنوں سے انہیں پختون خواہ کارکنوں نے زبردستی نکال دیا ہے ۔ اور انتظامیہ انہیں تحفظ دینے کے لئے کچھ بھی نہیں کر رہی تھی ۔ سات تاریخ کی سہ پہر جب پی پی پی کے صوبائی صدر مسٹر رئیسانی مجھے پشین ریسٹ ہاؤس میں ملے تو انہوں نے کہا "ایسا منظر آتا ہے کہ یہاں پختون خواہ کی حکومت ہے نہ کہ پی پی پی کی حکومت ۔ میں نے پشین میں دیکھا ہے کہ انتظامیہ نے اس وقت مداخلت کرنے کی زحمت تک گوارا نہ کی جب پختون خواہ کے کارکن پولنگ سٹیشنوں پر طاقت سے قبضہ کر رہے تھے ۔ میں نے انہیں بتایا کہ انتظامیہ نے امن و امان بحال رکھنے کی پوری کوشش کی ہے ۔ اور یہ منصفانہ رویہ تھا خواہ حکومت پی پی پی کی ہے یا پختون خواہ کی" ۔

چیف سیکرٹری نے ، مسٹر رئیسانی سینیئر وزیر اور سابق گورنر بلوچستان کو بڑی بے باکی سے بتایا کہ انتظامیہ نے امن و امان بحال کرنے کی پوری کوشش کی ہے ۔ اور یہ اس کا منصفانہ رویہ تھا ۔ اپنے ایک ضمنی بیان میں چیف سیکرٹری صفحہ ۳٦۷ پر بیان کرتا ہے:

"واحد نشست جس میں دھاندلی ہوئی ، پشین کی نشست تھی اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے وہاں یہ دھاندلی بڑے پیمانے پر ہوئی ۔ تاہم اس نشست پر بڑی دھاندلی اس وقت ہوئی جب الیکشن ختم ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے جو کچھ ہوا ، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انتظامیہ نے بہت سے طریقوں سے جو عمل کیا وہ یحییٰ بختیار کے مفادات کے خلاف تھا ۔ کئی پولنگ سٹیشنوں پر پی پی پی کے امیدوار کے خلاف کئی صورتوں میں جبری طور پر نہیں ہو سکتا تھا۔ کئی مقامات پر اغلباً پولنگ سٹاف نے مسٹر یحییٰ بختیار کے مخالفوں کے کھیل میں حصہ لیا ۔ انتخابات کے دن ، پشین سے واپسی کے بعد ، یحییٰ بختیار نے جو کچھ کہا تھا ، میں اس پر بہت حد تک قائل ہو چکا تھا کہ جونیئر افسروں کی پختون نوازی کے بارے میں انہوں نے جو کچھ کہا تھا وہ بے بنیاد نہیں تھا"۔

یہاں ہمیں چیف سیکرٹری کے وہ الفاظ مل جاتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ

مقامی انتظامیہ نے مسٹر یحییٰ بختیار کی نہیں بلکہ اچکزئی کی مدد کی تھی ۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ یہ اعتراف ایک ضمنی بیان میں کیا گیا ہے ۔ قرطاس ابیض میں کئی افسروں کے ضمنی بیانات شامل ہیں ۔ اور یہ جنرل بیانات سے مطمئن نہ ہوتے ہوئے جو جبری استبدادی ہتھکنڈوں سے حاصل کئے گئے تھے ۔ مزید استبداد و جبر کے بعد وہ بیانات حاصل کئے گئے اور غلط انداز میں ضمنی بیانات کے نام سے لئے گئے ۔ اس بنا پر بیشتر ضمنی بیانات زیادہ تر الزامی حیثیت میں سامنے آتے ہیں ۔ وہ بیان جو زیر حوالہ ہے ، چیف سیکرٹری نے زیادہ معلومات فراہم کی ہیں ۔ لیکن چونکہ وہ ذہین ہے اس لئے اس نے سچائی کے کچھ چھینٹے بھی ڈال دیئے ہیں ۔ صفحہ ۳۶۷ سے عیاں ہوتا ہے کہ کمشنر کوئٹہ کو پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کی وفاقی یا صوبائی حکومت سے کوئی لگاؤ نہیں تھا ۔ قرطاس ابیض میں بتایا گیا ہے کہ وہ ایک صاف ستھرے ریکارڈ کا حامل ہے ۔ اس کا یہ نفیس ریکارڈ اس لئے تھا کہ کیونکہ:

ڈیرہ اسماعیل خان کے ڈی سی کی حیثیت سے اس نے اپنے آپ کو مرحوم شیرپاؤ کی مخالف سمت میں پایا ۔ کیونکہ وہ مقامی پی پی پی کے کارکنوں کو خوش نہیں کر سکتا تھا اور اس لئے بھی کہ اس کا صوابی میں حقیقی بھائی جماعت اسلامی کا ایک پرجوش کارکن تھا ۔ جو فطری طور پر پی پی پی کے خلاف کام کر رہا تھا ۔ واحد حکمران سیاست دان جس کے ساتھ اس کا لگاؤ تھا وہ اس وقت کے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ مفتی محمود تھے"۔

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ باب اسلام بہادر خان سے کیوں بھرا ہوا ہے ۔ فطری امر ہے کہ وہ پی پی پی کے کارکنوں کا اتنا ہی مخالف تھا جتنے کہ پی پی پی کے کارکن اس کے صوابی میں رہنے والے حقیقی بھائی کے خلاف تھے فرق تھا تو یہ کہ کمشنر کی حیثیت سے اسلام بہادر خان پی پی پی کے کارکن اور ان کی حکومت کو نقصان پہنچا سکتا تھا ۔ جبکہ پی پی پی کے کارکن اس کے بھائی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس پس منظر کو جانتے ہوئے ، میں نے اسلام بہادر جیسے آدمی کو کمشنر کوئٹہ ڈویژن کے عہدے پر تقرری کی اجازت دے دی ، جس سے بطور ایک منتظم میری غیر جانبداری کا ثبوت ملتا ہے ۔ اس کے باوجود کہ اس شخص نے اتنے جھوٹ بولے اور حقائق کو مسخ کرتا چلا گیا ۔ وہ صفحہ ۳۷۳ پر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا ۔۔۔

"مندرجہ بالا حقائق سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تمام امیدواروں نے ووٹروں کے ساتھ ساتھ سرکاری افسروں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کی ۔ نیپ پختون خواہ اور دوسرے آزاد امیدواروں نے الیکشن میں دھاندلی وحشیانہ طاقت کے ساتھ کی ۔ جبکہ یحییٰ بختیار نے اپنے طاقتور اور موثر سرکاری عہدے کو ، کیونکہ وہ بہت طاقتور اٹارنی جنرل آف پاکستان تھے استعمال کیا"۔

یہ خاصی دلچسپ اور پر لطف بات ہے کہ مسٹر یحییٰ بختیار کے الیکشن میں بد عنوانی کو ثابت کرنے کے لئے وہی طریقے استعمال کئے گئے ہیں جو میرے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں استعمال کئے گئے تھے ۔ استغاثہ کے گواہوں اور شہادتوں میں اور ان دونوں کیسوں میں یہ طریقے مشترکہ تھے :

(ا) مسٹر ٹیلی فون ۔

(ب) سنی سنائی گواہیاں اور

(ج) بیوروکریٹ ۔

اس میں اور بھی بہت سی مشترکہ چیزیں شامل ہیں جو وہ میرے جیسے مبتدی پر بھی پوری طرح عیاں ہیں ۔ افسروں کو ڈرایا دھمکایا اور خوفزدہ کیا گیا۔ انہیں اس طرح ضمنی بیانات دینے پڑے جیسے وعدہ معاف غلام حسین نے ایک ضمنی بیان کوٹ لکھپت جیل سے دیا ۔ وہ ایک دوسرے پر الزام عائد کرتے ہیں تاکہ اپنے آپ کو بری الزمہ قرار دے سکیں ۔ مسعود محمود نے ساری ذمے داری اپنے ماتحتوں پر ڈال دی اور انہوں نے اس پر پھینکنے کی کوشش کی ۔ یہی کچھ اس کیس میں ہوا ہے ۔ چیف سیکرٹری بد عنوانی میں ملوث ہونے سے انکار کرتا ہے اس کے ماتحت یہ کہتے ہیں کہ اس نے انہیں حکم دیا کہ وہ یحییٰ بختیار کی مدد کریں ، لیکن انہوں نے اسے بتایا ''نہیں سر ، یہ ممکن نہیں ہے'' ۔

اس سے میں لاڑکانہ میں تین بلامقابلہ جیتنے والوں کے موضوع پر آتا ہوں ۔ پہلے مسٹر ممتاز علی بھٹو ۔

جیسا کہ عیاں ہے قرطاس ابیض ان کے بلامقابلہ انتخابات کے بارے میں خاموش ہے ۔ میں اس پر دو مختصر آراء دوں گا ۔ یہ میری پختہ رائے ہے کہ کراچی اور حیدر آباد کی چند نشستوں اور شاید دیہی سندھ میں ایک نشست چھوڑ کر ، پی پی پی کے امیدوار اور میری حمایت سے مسٹر ممتاز علی بھٹو باقیماندہ صوبہ سندھ میں زبردست کامیابی حاصل کر سکتے تھے ۔ وہ نشست جس پر وہ بلامقابلہ کامیاب ہوئے اس میں نصف علاقہ وہ شامل ہے جس میں سے ان کے والد نبی بخش خان بھٹو نے ۴۶۔۱۹۴۵ میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے حصلہ لیا تھا ۔ انہوں نے مسلم لیگی امیدوار قاضی فضل اللہ کو شکست دی تھی ۔

اب میں مسٹر احمد سلطان چانڈیو کا ذکر کروں گا۔ قومی اسمبلی میں ۲۸ مارچ ۱۹۷۷ کو میں نے اپنی تقریر میں جو کچھ کہا ، اس کا حوالہ میں قرطاس ابیض کے صفحہ ۹ اور ۱۰ سے دے کر اس کی تصدیق کرتا ہوں ۔

"میں پھر یہ بات دہراؤں گا کہ اگر مجھ سے یہ پوچھا جائے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی سب سے اہم اور بڑی کامیابی کیا ہے تو میں جواب دوں گا کہ میرے خیال میں یہ وسیع اور اجتماعی سطح پر عوام کی سوچ میں تبدیلی ہے ۔ ایک عمدہ ترین اضافہ جو ان کے نظریات میں ہوا یہ مجھے دہرانے دیجئے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی جدوجہد کا سب سے شاندار پہلو ہے" ۔

آج اس چیمبر میں بہت سے ایسے افراد بیٹھے ہیں جو اپنے اپنے علاقوں کی نمائندگی کرتے ہیں ۔ ان میں میرے ضلع کا ایک شریف آدمی موجود ہے جو نہ صرف پاکستان بلکہ برصغیر ہندو پاکستان کا سب سے بڑا جاگیردار تھا۔ وہ ایک بڑا جاگیردار سردار تھا ۔ اس کے پڑوسی ہونے کے ناطے سے میں ان کی سابقہ جاگیر دیکھ چکا ہوں ۔ جب میں جوان تھا تو میں دیکھا کرتا تھا کہ وہ کس طرح اپنے مزارعوں سے ملتا ہے ۔ اور میں جانتا ہوں کہ اس کے ممتاز و پر وقار آباو اجداد اور بزرگ کس طرح اپنے مزارعوں سے ملتے تھے ۔ پچھلے سال میں سیلاب کے دنوں میں وہاں گیا تو میں نے ایک ایسی تبدیلی ان لوگوں میں دیکھی کہ ایک لمحہ کے لئے تو میں سیلاب کو بھی بھول گیا ۔ یہ غیبی ڈیرو کا واقعہ ہے ۔ ایک جوان لڑکے کی عمر میں مَیں نے دیکھا کہ لوگ کس طرح ادب سے جھکے ہوئے آتے اور اس وقت تک اپنے گھٹنوں کے بل جھکے رہتے جب تک ان کے جاگیردار آقا اپنی چھوٹی انگلی سے انہیں اٹھنے کا اشارہ نہیں کرتے تھے ۔ اور آج وہ اپنے ملک کے وزیراعظم اور سابق جاگیردار آقا کے پاس بیٹھ سکتے تھے ۔ جنہیں وہ آج بھی اپنا روحانی سربراہ سمجھتے ہیں اور ان سے برابر کی سطح پر بات چیت کرتے ہیں ۔

اس تبدیلی کو دیکھ کر بے حد مسرور ہوا ۔ یہ وہ مظہر ہے جسے سمجھنے میں بعض لوگ ناکام رہے ہیں ۔ آپ کو چاہئے کہ اسے صحیح انداز میں سراہنے کے لئے خود دیکھیں کہ کس قسم کی تبدیلی رونما ہو چکی ہے ۔

میرا خیال نہیں کہ معزز رکن یہاں اور باہر مجھ سے اختلاف کرے گا کہ میں نے انہیں بطور مثال پیش کیا ہے ۔ کیونکہ ایک وقت تھا جب وہ برصغیر پاک و ہند کے سب سے بڑے جاگیردار اور انتہائی طاقتور قبائلی سردار تھے ۔ بمشکل دس سال نہیں گزرے کہ میں نے ان کے علاقے میں بدلتا ہوا رویہ ، لوگوں کا طرز عمل اور بدلتے ہوئے نظریات کا مشاہدہ کیا ہے ۔ اور پچھلے سال جب میں وہاں گیا تو میں نے وہاں مکمل تبدیلی دیکھی ۔ جیسے کہ وہ مختلف لوگ ہوں ۔ ان کا ذہن بدل چکا تھا ۔ نظر آتا تھا کہ وہ اپنی زنجیریں توڑ چکے ہیں ۔ صدیوں سے انہوں نے غلامی کا جو طوق پہن رکھا تھا اسے اتار پھینکا ہے ۔ بلاشبہ یہ پاکستان پیپلز پارٹی کی جدوجہد کا ثمر ہے ۔ اور یہ واضح کرتا ہے کہ پارٹی کس طرح زبردست اکثریت کے ساتھ حالیہ انتخابات میں مینڈیٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی"۔

میں اب بھی اس حیثیت کا مالک ہوں ۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے میں اس عظیم تبدیلی پر فخر کرتا ہوں جو میری حکومت نے ہمارے جاگیردارانہ نظام میں پیدا کی ہے ۔ یہ واحد اور عظیم خراج تحسین ہے جو میری پارٹی کو ملتا ہے اور اس کے حوالے سے آنے والی نسلوں میں بھی اس کی شناخت کی جائے گی ۔

تاہم قرطاس ابیض اس حوالے سے بلامقابلہ منتخب ہونے والے امیدوار سلطان احمد چانڈیو کے بارے میں مجھ سے قیاس پر مبنی اختلاف کرتا ہے ۔ صفحہ ۱۰ پر بیان کیا گیا ہے :

"اتفاقی طور پر ، مسٹر احمد سلطان چانڈیو مارشل لا ہیڈ کوارٹرز کراچی کی طرف سے جاری کردہ ایک پریس ریلیز مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۷ کے ذریعے ایک مختلف انداز کی روشنی میں سامنے آئے ۔ یہ پریس ریلیز دوسرے دن کے اخباروں میں شائع ہوا ۔ پریس ریلیز میں بتایا گیا ہے:

"سردار احمد سلطان اور اقبال فیروز پر حال ہی میں ایک خصوصی ملٹری کورٹ کراچی میں مقدمہ چلا ۔ دونوں کو دھوکہ دہی اور فریب کاری کا مجرم پایا گیا۔ عدالت نے سردار احمد سلطان چانڈیو کو دو سال قید بامشقت کی سزا دی ۔ اس کے علاوہ ۵ لاکھ روپے جرمانہ کیا گیا اور جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید چھ ماہ قید بامشقت کی سزا سنائی ۔ اقبال فیروز کو چار سال قید بامشقت اور پانچ لاکھ روپے جرمانہ کی سزا ہوئی ۔ جرمانے کی عدم ادائیگی کی صورت میں ایک سال مزید قید بامشقت بھگتنی ہوگی ۔ وہ ایک ٹریول ایجنسی چلا رہے تھے ۔ جو جعلی پاسپورٹ اور جھوٹے ویزے جاری کرتی تھی ۔ ان کا کاروبار جب تک وہ گرفت میں نہ آئے ، زبردست کامیابی سے چل رہا تھا"۔

چانڈیو سردار

آئیے ریکارڈ کو خود بولنے دیں ۔ اس کی تصدیق حکومت سندھ کے ریکارڈز ، حکومت پاکستان اور غیر منقسم ہندوستان کے اس ریکارڈ سے کی جا سکتی ہے جو بھارت کے پاس نئی دہلی میں محفوظ ہے کہ چانڈیو کی جاگیر برصغیر کی سب سے بڑی جاگیر تھی ۔ یہ معلومات "دی ہسٹری آف لینڈ ایلینیشن" جلد اول اور جلد دوئم میں بھی موجود ہیں ۔ میرا خیال ہے کہ اس کا ذکر رچرڈ برٹن کی مشہور کتاب "دی ریسز اینڈ ٹرائیبس آف سندھ" میں بھی موجود ہے ۔ ریونیو ریکارڈ بھی دستیاب ہیں ۔

چانڈیو جاگیر ایک بہت بڑے علاقے لاڑکانہ اور دادو کے اضلاع پر مشتمل تھی اور لاکھوں ایکڑوں اور میلوں تک پھیلی ہوئی تھی ۔ چانڈیو قبیلہ سندھ کے بڑے قبیلوں میں سے ہے ۔

بلوچستان اور پنجاب میں بھی چانڈیو کثیر تعداد میں آباد ہیں ۔ صدیوں سے چانڈیو کے سردار کو غیبی خان کے لقب سے پکارا جاتا ہے ۔ چانڈیو سردار ایک حقیقی نواب ہوتا ہے ۔ جیسے کہ نواب محمد خان بگٹی اور نواب خان بخش خان مری ۔ وہ ایک سچا نواب ہوتا ہے ۔ جس کے صاحبزادے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ نواب یا نوابزادہ کہلوائے ۔ نواب غیبی خان علی نواز خان چانڈیو ، جو نواب غیبی خان سلطان احمد خان چانڈیو کے دادا تھے ، سندھ میں برطانوی حکمرانی کے سو سالہ عرصے میں چوتھے اور آخری سر کے خطاب یافتہ تھے ۔ انہیں نائٹ کا یہ اعزاز ۱۹۴۶ میں دیا گیا تھا ۔

مری میں میری نظربندی کے ایک ہفتے میں ایئرمارشل نور خان مجھے ملنے کے لئے آئے ۔ گفتگو کے درمیان انہوں نے آنے والے واقعات کی طرف اشارہ کیا ۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے سلطان احمد چانڈیو کی ٹریول ایجنسی کی نگرانی کی ہے لیکن اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں ۔ انہوں نے کہا کہ وہ سلطان احمد چانڈیو کو بلوائیں گے اور انہیں کہیں گے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو قابو میں رکھیں ۔ میں یہ اشارہ پا گیا ۔ نور خان جیسا آدمی یقیناً جانتا تھا کہ سلطان احمد چانڈیو میرا انتہائی قریبی دوست ہے ۔ میں نے انہیں بتایا کہ چانڈیو ایک بہادر اور حوصلہ مند انسان ہے وہ اس انتقامی کاروائی کا بہادری سے سامنا کریں گے ۔ چانڈیو نے اپنی ہی وجوہات کی بنا پر اپنے آپ کو انتقام کا نشانہ بنایا ۔ اگست ۱۹۷۷ میں انہیں دوبارہ مارشل لا حکام نے طلب کیا اور انہیں صاف الفاظ میں بتایا کہ اگر انہوں نے میرے ساتھ اپنے تعلقات ختم نہ کئے تو وہ اپنی گردن پھنسا بیٹھے گا ۔ اس نے یہ پھندہ گلے میں ڈال لیا ۔ قرطاس ابیض نے صفحہ ۱۰ پر بڑی ڈھٹائی سے اس انتقامی کاروائی کی تشہیر کی ہے ۔ تاہم یہ میری بنیادی زرعی اصلاحات کے لئے ایک خراج تحسین کی حیثیت رکھتا ہے کہ برصغیر کا سب سے بڑا جاگیردار ، چانڈیو سرداروں میں پہلا شخص تھا جس نے ایک عام آدمی کی طرح کام کرتے ہوئے اپنی اقتصادی زندگی کا آغاز کیا ۔ برطانیہ کی آمد سے پہلے تک لاڑکانہ کو چانڈکا کہا جاتا تھا ۔ غیر ملکی آقاؤں نے اسی طرح اس ضلع کا نام بدل دیا جس طرح ہمارے داخلی آقاؤں نے کراچی سٹیل ملز اور اسلام آباد کے کلچرل کمپلیکس کا نام تبدیل کر دیا ہے ۔

اور آخر میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ۔ اس سے میں اپنے بلامقابلہ انتخابات کی طرف آتا ہوں ۔ اپنی منشا اور مسرت کے ساتھ میں اپنے الیکشن کے متعلق تاریخی پس منظر کے ساتھ تفصیلات تک جاتا ہوں ۔ ضلع لاڑکانہ اور صوبہ سندھ میں انتخابات کی تاریخ میں اس زمانے تک جا سکتا ہوں جب پہلے انگریز کو سندھ کا نمائندہ نامزد کیا گیا تھا ۔ اس کے بعد ۱۹۰۹ کی منٹو مارلے صلاحات اور پھر مونٹیگو ۔ چیمسفورڈ اصلاحات ۱۹۱۹ ۔ جبکہ میرے والد کو امپیریل کونسل میں

منتخب کیا گیا۔ جب ان کی عمر ۳۲ برس تھی اور سندھ کے مسلمانوں کے واحد ترجمان اور نمائندے تھے ۔ میں سندھ میں انتخابات کی تاریخ اس زمانے سے دریافت کر سکتا ہوں ۔ حکومتِ سندھ کے مشیر اعلیٰ اپریل ۱۹۳۷ میں زندگی میں پہلی بار انتخابات "کھو" بیٹھے ۔ جس کے چالیس برس بعد مارچ ۱۹۷۷ میں ان کے بیٹے کو بطور وزیر اعظم پاکستان بنادیا ۔ میں اس تاریخ و واقعات سے اپنی ذاتی تسکین کے لئے بہت کچھ اخذ کر سکتا ہوں ۔

بہرحال مجھے لاڑکانہ کے عوام کے جذبات پر بات کرنی ہے ۔ میں جانتا ہوں کہ اگر میں ان کی اپنے ساتھ وابستگی اور تعلق کا ذکر کروں تو وہ اس پر کچھ خفا بھی ہو سکتے ہیں ۔ اگر میں اپنا وقت یہ ثابت کرنے کی کوشش پر ضائع کروں کہ انہوں نے مجھے ووٹ دئے تھے تو وہ اس میں اپنی اہانت محسوس کریں گے ۔ میں جان محمد عباسی سے ۱۹۶۲ میں اس وقت ملا جب میں لاڑکانہ ضلع کے واحد ترجمان کی حیثیت سے قومی اسمبلی کے لئے بلامقابلہ منتخب ہوا تھا ۔ ان دنوں وہ میرے کزن پیر بخش بھٹو کا "سپیئر وہیل" تھا اور اس کے اپیرن کی ڈوریوں کے ساتھ منسلک تھا ۔ صرف ایک ایسے الیکشن میں جن میں کسی قسم کی دھاندلی کی ضرورت نہیں اور وہ میرا الیکشن ہے ۔ اور مخالف صرف ایک امیدوار ہے اور جس کے خلاف دھاندلی کی کوئی ضرورت نہیں اور وہ جان محمد عباسی ہے ۔

قرطاس ابیض کے خیالات کے تسلسل کا محاسبہ کرتے ہوئے جو انفرادی کیسوں کے متعلق ہیں ، یہ قطعی واضح ہو جاتا ہے کہ مصنف کو بلوچستان کے حالات کا قطعاً کوئی علم نہیں ۔ اگر وہ کسی طرح بھی بلوچستان کے حالات سے واقف ہوتا تو وہ کبھی پشین اور چمن کی بین الاقوامی اہمیت کو کمتر نہ بناتا ۔ اگر اسے سندھ کی شخصیات کے بارے میں معمولی سا شعور ہوتا تو وہ چانڈیو سرداروں کا مضحکہ نہ اڑاتا ۔

قرطاس ابیض بتاتا ہے کہ میں نے انتخابات کی منصوبہ بندی کا آغاز اگر جلدی نہیں تو ۱۹۷۴ میں کیا ۔ اور میں نے ماڈل پلان بنائے اور مرعوب کرنے والی مشینری منظم کی ۔ اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ۔ لیکن میں نے یہ سب احتیاطی تدابیر کیوں اختیار کیں؟ اگر میرے مزاج اور طریق کار کو دکھانا مقصود ہے تو پھر کوئی جھگڑا نہیں ۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں اکملیت اور قطعیت کو تلاش کرتا اور اس کے لئے پوری تیاری کرتا ہوں ۔ اور محض یہی عادت اور میری شخصیت کا پہلو بد عنوانی کے الزام کی نفی کر دیتا ہے ۔ بد عنوانی دھاندلی تو منصوبہ سازی اور تیاری کا اینٹی تھیسس ہے ۔ بد عنوانی کے جو خطرات ہوتے ہیں جو میں اپنے تحریری احکام میں بھی بیان کرتا رہا اور کانفرنسوں میں بھی اس کا اظہار ہوتا رہا ، ان سے قطع نظر ، دھاندلی کی ضرورت نہیں پڑی تھی ۔

اپوزیشن چوں چوں کامربہ تھی ۔ بھانت بھانت کے افراد کاایک عجیب امتزاج ، یہ زیرو جمع زیرو جمع زیرو مساوی زیرو کی ایک سچی مثال تھی ۔ اپوزیشن کی واحد قوت غیر ملکی کرنسی کے لاکھوں صفروں میں تھی ۔ جہاں تک مختلف العناصر سیاسی خانہ بدوشوں کے اس سطحی اتحاد کا تعلق ہے ، تو قرطاس ابیض بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ میں نے اس کی پیشگوئی انتخابات سے بہت پہلے کر دی تھی ۔ یہ ہماری سیاست کے ڈھانچے کے عین مطابق تھا ۔ اس کی پہلے سے مثالیں موجود تھیں ۔ اس لئے میں کسی غیر معمولی بصیرت کا اعزاز نہیں لینا چاہتا ۔ راؤرشید کے نام اپنے ایک نوٹ مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۷۶ کو میں نے رائے دی تھی:

''اپوزیشن UDF کے اندر اور باہر متحد ہو رہی ہے ۔ یہ مصالحت کی کوشش کر رہے ہیں اور اپنے اختلافات کو کم کر رہے ہیں ۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کوشش میں شدت آ جائے گی ۔ اور جب انتخابات قریب ہوں گے تو پھر مخالف اور مختلف سیاسی عناصر زیادہ شدت سے مجبور ہو جائیں گے کہ وہ اتحاد کے مفاد کے لئے سمجھوتے کریں ۔

ہم اس حقیقی اتحاد کو روکنے اور ہم آہنگی کے مواقع کو کم کرنے کے لئے ان کے باہمی تضادات اور اختلافات کو پھیلانے اور نمایاں کرنے میں کیا کر رہے ہیں؟ ہمیں متحرک ہو جانا چاہئے ۔ ہمیں اپنے پلان تیار کر لینے چاہئیں ۔ وہ جو قدم اٹھاتے ہیں ہمیں اسے بغور دیکھنا ہو گا ۔ جونہی وہ متحرک ہوتے ہیں ہماری جوابی تحریک تیار ہونی چاہئیے ۔ ہمیں انہیں انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر توڑنا چاہئے ۔ ہم مختلف طریقے اور ذرائع استعمال کر کے ان کی صفوں میں انتشار پیدا کریں گے ۔ تاکہ وہ ایک دوسرے کو مشکوک اور مشتبہ سمجھنے لگیں ۔ تاکہ وہ ایک دوسرے کی مخالفت کریں ۔ ہمارے پاس اس کے لئے کوئی مشینری نہیں ہے ۔ ہم محض اتنا کر دیتے ہیں کہ مجھے تسلی بخش رپورٹیں بھیجتے رہیں کہ اپوزیشن مرحلہ بہ مرحلہ آگے بڑھ کر جو عظیم اتحاد حاصل کرنے والی ہے ، اسے کم از کم ترقی بتا کر مجھے تسلی دی جا رہی ہے ۔ اپوزیشن اس ماہ کے آخر میں لاہور میں پھر سے ایک ماہ میں دوسری بار ، اکٹھا ہو رہی ہے ۔ کیا اس میٹنگ کے لئے ہمارے پاس کوئی تیار شدہ منصوبہ موجود ہے؟ کیا ان میں سے کسی کے ساتھ ہمارا رابطہ ہے جو انہیں راستے سے اتار سکے ۔۔۔۔؟ میں اس ضمن میں بہت مشکوک ہوں''۔

مَیں نے یہ نوٹ پورا نقل کر دیا ہے کیونکہ قرطاس ابیض نے اسے صفحات ۱۷۸ اور ۱۷۹ پر پورا ہی نقل کیا ہے ۔ میں نے پہلے سے حالات کا اندازہ لگا لیا تھا اس نوٹ میں یہ تجویز کیا گیا ہے کہ غیر ہم آہنگ عناصر کو جہاں تک ممکن ہو ہم آہنگ نہ ہونے دیا جائے ۔ اور بیرونی خلا سے

کوئی ایسا جادوگر پاکستان نہیں اترے گا جو ان نو جنگلی بلیوں کی دمیں ایک ساتھ باندھ سکے ۔ میں نے کھیل کے اصولوں کے استعمال کے بارے میں تجویز پیش کی ۔ یہ کھیل سیاست میں یونان کی شہری ریاستوں کے زمانے سے کھیلا جا رہا ہے ۔ اور یہی کھیل اب بھی کھیلا جا رہا ہے ۔

مَیں نے ایسی کوئی تجویز پیش نہیں کی ان کے متحد ہونے کی صورت میں میری حکومت کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں اس لئے بدعنوانیوں اور غلط کارروائیوں کا سلسلہ شروع کیا جائے ۔ اس کے برعکس میں نے مناسب تیاریوں کے لئے بروقت انتباہ کیا نہ کہ بدعنوانیوں کے لئے کہا۔ یہ تو بدعنوانی اور دھاندلی کے خلاف ایک انتباہ تھا۔ یہ ایک حکم تھا کہ ایک متحدہ اپوزیشن کے خلاف انتخابات کے لئے تیار ہو جاؤ ۔ جس چیز نے مجھے حیران کیا اور جو میں دیکھ نہ سکا وہ صف آرا قوتیں تھیں جو اپوزیشن کے پیچھے کھڑی تھیں ۔ یہ قوتیں دسمبر ۱۹۷۶ کے وسط میں جمع ہونا شروع ہو گئی تھیں ۔

جنوری ۱۹۷۷ میں خفیہ ہاتھوں کے بارے میں مجھے رپورٹیں ملنے لگیں ۔ اسی مہینے میں رفیع رضا نے میرے ساتھ ساڑھے چار گھنٹے کی ملاقات کی ۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ پی این اے ایک وجود حاصل کر رہی ہے ۔ انہوں نے بتایا کہ پی این اے کا صدر کون ہو گا اور اس کے دوسرے عہدیدار کون ہوں گے ۔ انہوں نے مجھے اس کے ڈھانچے ، ڈیزائن حکمت عملی اور مقاصد کے بارے میں وجوہات بتائیں ۔ اپنے انکشافات کے آخر میں انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے پاس تین متبادلات ہیں ۔

(ا) مَیں نیوکلیر پروسیسنگ پلانٹ کو بھول جاؤں اور اپوزیشن کبھی متحد نہ ہو سکے گی ۔

(ب) انتخابات ملتوی کر دوں یا

(ج) انتہائی سنگین نتائج کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہوں ۔

وہ اصرار کرتے رہے کہ مَیں ان پر ان کے ذرائع کے انکشاف پر دباؤ نہ ڈالوں ، تاہم جو کچھ ہو رہا تھا اسی کے بارے میں وہ پورے علم و یقین کے ساتھ بتا رہے تھے ۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ میں ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کو فراموش کر دوں ۔ انہوں نے مجھے مطلع کیا کہ انتخابات کے زمانے میں اپوزیشن ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کو مسئلہ یا موضوع نہیں بنائے گی ۔ کبھی کبھار وہ نیوکلیر پاور پلانٹس کا ذکر عوام کو جُل دینے کے لئے اس امید کے ساتھ کریں گے کہ لوگوں کو نیوکلیر پاور پلانٹس اور ایک نیوکلیر ری پروسیسنگ پلانٹ کا فرق معلوم نہیں ہے ۔ رفیع رضا نے مجھے متنبہ کیا کہ میرے اردگرد کے وہ لوگ جو بڑا جذباتی شور مچا رہے ہیں اور مجھے مشورہ دے رہے ہیں کہ مَیں ایک انچ پیچھے نہ ہٹوں، جب پردہ گرے گا تو ان میں سے ایک بھی پاس نہ ہو گا۔

ہم نے یہ بات چیت ڈنر پر بھی جاری رکھی ۔ آخر میں مَیں نے اُن کی قیمتی معلومات اور مشورے پر ان کا شکریہ ادا کیا ۔ تاہم مَیں نے انہیں بتایا کہ اب انتخابات کے ملتوی کرنے میں بہت تاخیر ہو چکی ہے ۔ اور نہ ہی نیو کلیر ری پروسیسنگ پلانٹ ہی ترک کیا جا سکتا ہے ۔ مَیں نے انہیں مزید بتایا کہ ہم منصفانہ طریقے سے انتخابات جیت لیں گے لیکن اگر ہم ایسا نہ کر سکے تو پھر یہ اپوزیشن کی مرضی ہے کہ وہ ری پروسیسنگ پلانٹ ترک کر دے یا اس کے معاہدے میں کوئی ترمیم کر لے ۔ رفیع رضا نے مجھے بتایا کہ انہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم منصفانہ مقابلے میں انتخابات ضرور جیت لیں گے ، لیکن انہیں یہ معقول خدشہ ہے کہ ہمیں فتح کے ثمرات سے فائدہ اٹھانے نہیں دیا جائے گا ۔ چونکہ وہ کھل کر بتانا نہیں چاہتے تھے اس لئے مَیں نے رائے دی ۔ ''اچھا تو ہم انتخابات میں ہار جائیں گے یا ہمیں اپنی فتح کے ثمرات کھانے کی اجازت نہیں دی جائے گی ۔ اپنی سینگ کی بنی ہوئی عینک کے شیشوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے اور اپنے سر کے ایک طرف اور پیچھے بالوں کو ہاتھ سے کنگھی کرتے ہوئے رفیع رضا نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا ''لیکن سر، مَیں آپ کو یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ایک الیکشن یا ایک عہدے سے زیادہ بڑی چیز داؤں پر لگی ہے'' ۔ مَیں نے پُراسرار لہجے میں جواب دیا ''میں تمہارا نکتہ سمجھتا ہوں اور تم میرا جواب سن چکے ہو'' ۔

جانے سے پہلے انہوں نے مجھ سے ایک سوال پوچھنے کی اجازت چاہی ۔ مَیں نے کہا ''ضرور یقیناً'' اس پر انہوں نے پوچھا ''آپ یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں؟ کس وجہ سے آپ اپنے اور اپنے خاندان کو اتنے بڑے خطروں میں کیوں ڈال رہے ہیں ؟ مَیں نے انہیں بتایا کہ میں یہ اس لئے کر رہا ہوں کہ ایک فلاحی نظام قائم کر سکوں اپنے ملک کو توانا اور جدید بنا سکوں ۔ ان لوگوں کے لئے خوشیاں لا سکوں جو اس لفظ کے معنی سے بھی آشنا نہیں ۔ مَیں نے اسے بتایا کہ آنسو ہمیشہ بہتے رہیں گے لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ کم آنسو بہیں اور کم تلخی کے ساتھ بہیں ۔

میرے معالج نصیر شیخ میرے وزیر پیداوار کے رخصت ہونے کے بعد آئے ۔ ڈاکٹر نے مجھے بتایا کہ اے ڈی سی کے کمرے میں ان کی ملاقات رفیع رضا سے ہوئی ہے ۔ ڈاکٹر جو مشاہدہ کرنے والی نظر رکھتے ہیں نے مجھے بتایا کہ رفیع رضا پریشان اور گھبرائے ہوئے دکھائی دے رہے تھے ۔ انہوں نے کہا ''سر وہ اتنے سپید نظر آ رہے تھے جیسے کوئی بھوت'' ۔ نصیر شیخ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں سختی سے پیش آیا تھا۔ میں اس وقت کھوئے ہوئے موڈ میں تھا ۔ میں نے جواب دیا نہیں ، میں ان کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آیا ۔ وہ موضوع جس پر ہم بات کر رہے تھے وہ سخت تھا'' ۔

پی این اے کی تشکیل حیران کن نہیں تھی ۔ میں سابقہ مثالوں کی بنا پر پہلے سے اس کی توقع رکھتا تھا ۔ رفیع رضا نے مجھے اس کا بلیو پرنٹ کے ساتھ اس کا بارود بھی دکھا دیا تھا۔ جس سے اس نے دھماکہ کرنا تھا ۔ فرق یہ تھا کہ جگتو فرنٹ ، سی سی ایف اور ڈی اے سی (ڈیک) ایک "دیسی" کام تھا ۔ پی این اے کا اتحاد ایک "دیسی" سازش نہیں تھی ۔ رفیع رضا وہ پہلے فرد تھے جنہوں نے مجھے اس کے غیر ملکی رنگ بیان کر کے بتائے ۔ قرطاس ابیض صفحہ ۳۸۴ پر کہتا ہے کہ جب میں قومی اسمبلی اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس منعقدہ ۲۳ اپریل ۱۹۷۷ سے خطاب کر رہا تھا تو میں نے کہا تھا "یہ ایک دیسی سازش نہیں ہے یہ ایک بین الاقوامی سازش ہے ۔ یہ بہت بڑی ، عظیم الجثہ سازش ۔۔۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خلاف" ۔ میں اس وقت بالکل صحیح کہہ رہا تھا ۔ اس کے بعد کے نتائج اس سے بھی زیادہ سچے تھے ۔ انہوں نے کیل کے سر پر کاری ضرب لگا دی تھی ۔

پُرامن مقاصد کے حصول کے لئے پاکستان کے نیو کلیر پروگرام کی تباہی اور اسے منتشر کرنے کی خصوصی ذمہ داری ، پی این اے اور موجودہ فوجی ٹولے پر عائد ہوتی ہے ۔ اسی وجہ سے اس کھیل کے دونوں طرف کے اداکار کھلے عام ایک دوسرے سے ہاتھ ملا رہے ہیں ۔ غیر ملکی حکومتیں اپنی پالیسیوں پر عمل پیرا ہوں گی ۔ صرف ہم ، پاکستان میں ایسی حکومتیں ہیں جو غیر ملکی حکومتوں کی پالیسیوں کی پیروی کرتی ہیں ۔ وہ جتنا زیادہ خود انحصاری کی بات کریں گے اتنا ہی زیادہ وہ دوسروں پر انحصار کریں گے ۔ وہ جتنا زیادہ عدم مداخلت پر بولیں گے اتنا ہی زیادہ مداخلت کی اجازت دیں گے ۔ وہ جتنا زیادہ آزادی کی بات کریں گے اتنا ہی زیادہ دوسروں کے محتاج ہو جائیں گے ۔

۲۵ جولائی ۱۹۷۸ کو جاری کی جانے والی دستاویز کو قرطاس ابیض کا نام دیا گیا ہے ۔ جو مارچ ۱۹۷۷ کے عام انتخابات کے انعقاد اور عمل کے بارے میں ہے ۔ انتخابات میں پی پی پی اور پی این اے نے بڑے انہماک سے حصہ لیا ۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے پر تشدد اور بدعنوانیوں کے الزام لگائے گئے ۔ سخت مقابلے کی جنگ ہوئی قرطاس ابیض میں پی این اے پر کسی قسم کی تنقید موجود نہیں ہے ۔ اس کے برعکس اس میں پی این اے کے لئے معذرتیں کی گئی ہیں ۔ اس میں اپوزیشن کے اتحاد کا ذکر کیا گیا ہے ۔ اس میں مجھے للکارا گیا ہے کہ میں یہ ثابت کروں کہ پی این اے نے باہر سے فنڈ لئے ۔ اس میں مجھ پر تنقید کی گئی ہے کہ پی این اے کے ساتھ میرا رویہ منصفانہ نہیں تھا ۔ قرطاس ابیض ایک یک طرفہ اور جانبدارانہ پیداواری ضیاع ہے ۔ جس میں پی این اے کی عدم موجودگی کو لولے لنگڑے بہانوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔ جیسے کہ ۱۲ اگست ۱۹۷۸ کے پاکستان ٹائمز میں اپنے کسی

صحافی سے یہ لکھا کر اپنے ضمیر کی چبھن کو کم کرنے اور لوگوں کو مغالطے سے بھرپور صفائی پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرطاس ابیض تو انتہائی محدود قسم کی تفتیش پر مبنی ہے جو انتخابات کے انعقاد اور روپے تک محدود ہے اور انتہائی کم سمجھ انسان بھی یہ جانتا ہے کہ انتخابات پی این اے نے نہیں کروائے تھے"۔

اس وجہ سے ، اس مضمون میں کہا گیا ہے کہ پی این اے کو قرطاس ابیض میں شامل نہیں کیا گیا ۔ اس کے تعصب اور عناد کے لئے اس سے بڑی فرد جرم پیش نہیں کی جا سکتی ۔ نہ ہی اس سے بڑی جانبداری اور حمایت ہی کہیں دیکھی جا سکتی ہے جو پی این اے کے لئے قرطاس ابیض پاکستان پیپلز پارٹی پر بدعنوانی اور دھاندلی کے الزامات لگا کر بے حد خوشی کا اظہار کرتا ہے ۔ لیکن پی این اے کی سرگرمیوں کے بارے میں بڑی فیاضانہ خاموشی اختیار کر لیتا ہے ۔ جس طرح پی پی پی نے انتخابی مہم تیار کی اور چلائی اسی طرح پی این اے نے بھی انتخابی مہم بنائی اور اس بنیاد پر قرطاس ابیض میں اس کی بداعمالیاں شامل ہونی چاہئیں تھیں ۔

صداقت تو یہ ہے کہ جو وضاحت اوپر ایک صحافی کی طرف سے موجودہ فوجی حکومت نے پیش کی ہے وہ کسی طرح کسی بھی ذہانت والے شخص پر عیاں نہیں ہو پاتی ۔ بے کار بے معنی دلائل سے خلا کبھی پُر نہیں کئے جا سکتے ۔ وہ غلطی جو ہو چکی ہے اسے کھوکھلے انداز میں چھپانے کی کوشش نے قرطاس ابیض کو اور زیادہ ننگا کر دیا ہے ۔ ایک معمولی اور سرسری سی دلیل کے ساتھ بڑی غلطیاں نہیں چھپائی جا سکتی ہیں ۔ معمولی لیپاپوتی سے دراڑیں کس طرح چھپ سکتی ہیں ۔ ایسے حیلے بہانے بھلا کون قبول کر سکتا ہے ۔ شاید ایک احمق ہی اتنا اندھا ہو سکتا ہے ۔ یہ کہیں زیادہ صحیح ہوتا اگر یہ حکومتی ٹولہ سیدھے اکھڑ طریقے سے اس دستاویز کو "مارچ ۱۹۷۷ کے عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی کے کردار اور رویے پر قرطاس ابیض کا نام دے دیتا ۔ بالکل واضح ہے کہ اس کا انتخاب میری حکومت اور میری پارٹی پر حملے کے لئے کیا گیا ہے ۔ ۳۴۲ دستاویزات میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو پی این اے کی سرگرمیوں سے تعلق رکھتی ہو ۔ پی این اے کی وحشیانہ دھاندلیوں کا ایک واقعہ بھی اس میں نہیں دیا گیا جو پی این اے نے کراچی ، حیدرآباد ، میرپورخاص ، سکھر ، رحیم یارخان ، ملتان ، ساہیوال ، لاہور ، سرگودھا ، فیصل آباد ، سیالکوٹ ، گجرات ، گوجرانولہ ، کوئٹہ ، پشین ، مردان ، ڈیرہ اسماعیل خان اور کئی دوسرے مقامات پر کیں ۔ اس میں پی این اے کی ایک دستاویز بھی شامل نہیں کی گئی ۔ حتیٰ کہ وہ دستاویز بھی نہیں جس میں مسلح افواج کو بغاوت پر اکسایا گیا تھا ۔

حقیقت میں قرطاس ابیض نے اپنے لئے خود ہی کنواں کھودا ہے ۔ چاہ کن را چاہ در پیش کی کہاوت کے مصداق یحییٰ بختیار کے خلاف ایک مقدمہ قائم کرنے کی کوشش میں اس نے

محمود اچکزئی کے خلاف ایک مقدمہ بنا دیا ۔ یہی بات دوسرے تمام کیسوں پر بھی پوری اترتی ہے ۔ حکمران جماعت کے مفاد کو تشدد اور ابتری پیدا کر کے پورا نہیں کیا جا سکتا ۔ حکمران جماعت کے مفادات اور مقاصد کو پولنگ سٹیشنوں پر جبری قبضہ اور گھیراؤ کر کے نقصان پہنچایا جاتا ہے ۔ پی این اے نے پولنگ سٹیشنوں پر قبضہ کرنے کے لئے ہنگامے کئے اور تشدد کو بھڑکایا ۔ پی این اے کے تشدد اور ہنگاموں کا ایک نمونہ پشین کے انتخابات ہیں ۔

پی این اے کے اعمال کے بارے میں قرطاس ابیض کے حوالے سے بات کرتے ہوئے میں اپنی اس مخلصانہ درخواست کو پھر دہراتا ہوں جو میں نے جنوری ۱۹۷۷ میں قومی اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کی تھی ۔ میں اس سے پہلے بھی اس کا حوالہ دے چکا ہوں ۔ "مجھے توقع ہے کہ آنے والے انتخابات صاف ستھرے اور منصفانہ انتخابات ہوں گے ۔ لیکن صرف میرا وعدہ اس کے لئے کافی نہیں ہے ۔ دوسری جماعتوں کو بھی اس خواہش اور پالیسی میں شرکت کرنی چاہئیے ۔ دوسری طرف سے بھی اس کا مظاہرہ ہونا چاہئے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ صاف ستھرے اور منصفانہ انتخابات کا کیا مطلب ہے ۔ (صفحہ ۳ ۔ تعارف) میں نے اس میں باہمی تعاون کی اپیل وسیع تر قومی مفاد کے لئے کی تھی ۔ میں یہاں پی این اے کے رویے میں تعاون کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں ۔

(ا) مسٹر اصغر خان نے کئی مواقع پر متعدد بار انتخابات کے انعقاد سے پہلے یہ دعویٰ کیا کہ اپوزیشن انتخابات جیت چکی ہے ۔ اور بس ایک رسمی کارروائی ہی ۷ مارچ ۱۹۷۷ کو ہو گی ۔ انہوں نے کہا کہ پی این اے انتخابات کے فیصلوں کو جو ریڈیو پر نشر کئے جائیں گے ، اگر وہ پی این اے کی فتح کے برعکس ہوئے تو قبول نہیں کریں گے ۔ اس سے واضح تر اشارہ اور کیا مل سکتا ہے کہ پی این اے منصفانہ طور پر انتخابات میں حصہ لینا ہی نہیں چاہتی تھی ۔

(ب) ملک کو مفلوج کرنے کے لئے پی این اے کے رہنماؤں نے عام انتخابات سے ایک ہفتہ پہلے عام ہڑتال کرائی ۔ وسیع پیمانے پر بدامنی پھیل گئی ۔ کراچی میں دو بسوں کا جلایا جانا پوری ٹریفک کو روک دینے کے لئے کافی تھا ۔ پی این اے کے حامیوں نے لوگوں کو خوفزدہ اور ہراساں کیا ۔ پی پی پی کے امیدواروں کی املاک پر بھی حملے کئے گئے ۔ تاکہ ان کی انتخابی مہم میں رکاوٹیں ڈالی جائیں ۔ پی این اے کے کارکنوں نے پی پی پی کے جلسوں کو اکھاڑنے اور گڑبڑ کرنے کے لئے ہر کوشش کی ۔ پی پی پی کے پرچم جلائے گئے ۔ پی پی پی کی خواتین کارکنوں کے جلوس کو انتہائی غلیظ زبان میں گالیاں دی

گئیں ۔ پنجاب میں گوجرانوالہ ، ڈسکہ اور سیالکوٹ میں متشددانہ حملے کئے گئے ۔

(ج) پی این اے پاگل ہوگئی تھی ۔ مجھے اس شکایت کی ایک نقل بھجوائی گئی تھی جو وفاقی وزیر تعلیم مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ نے کراچی کی صورتِ حال پر چیف الیکشن کمشنر کو بھجوائی تھی ۔ اس میں انہوں نے بیان کیا تھا کہ کس طرح پی این اے نے کھلے عام غنڈہ گردی ، بدمعاشی اور تشدد کا بازار گرم کیا ہے اور کس طرح کی غلیظ اور اشتعال انگیز زبان پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف استعمال کر رہے ہیں ۔ انہوں نے ایک شرمناک مہم شروع کر رکھی ہے ۔ جس میں کئی انتخابی قوانین و ضوابط کی خلاف ورزی کی گئی ہے ۔

(د) اور پھر انتخابات کے دن ، ۷ مارچ ۱۹۷۷ کو پی این اے نے وسیع تر پیمانے پر جو دھاندلیاں کیں اس سے قطع نظر انہوں نے غنڈہ گردی بھی کی ۔ کراچی کے اندر کئی پولنگ سٹیشنوں پر انہوں نے مسلح حملہ کیا تاکہ خاتون ووٹروں کو خوفزدہ کیا جا سکے کہ وہ بھاگ جائیں ۔ پی پی پی کے دو کارکن گن شاٹ سے زخمی ہو کر جاں بحق ہو گئے ۔ اور آٹھ کو ہسپتال میں داخل کیا گیا ۔ ملیر توسیعی کالونی ، کورنگی ، پیر الہٰی بخش کالونی اور لیاقت آباد میں پی پی پی کے انتخابی دفاتر جلادئے گئے ۔

(ر) انتخابات کے بعد پی این اے نے احتجاج بھی اسی انداز سے کیا ۔ انتخابات سے پہلے انہوں نے گڑبڑ اور بدامنی پھیلانے کی کوشش کی ۔ یوں وہ پاگل ہو گئے تھے ۔ قطعی طور پر دیوانے ، جیسے کہ امریکن کہتے ہیں ۔ اور پھر یہ عجوبہ کہ ۔ چیف الیکشن کمشنر کے دونوں بیٹوں آصف سجاد اور وسیم سجاد کی بیویوں نے انتخابی نتائج کے خلاف احتجاجی جلوسوں کی قیادت کی ۔

ان کے غلط رویوں کی یہ چند مثالیں ہیں ۔ اس کے بدلے میں انتہائی اشتعال انگیزی کے باوجود میری حکومت نے اس کا تبادلہ نہیں کیا کیونکہ ہم دیوانے نہیں ہوئے تھے ۔

اپوزیشن جماعتوں کی پالیسی ہی یہ تھی کہ صاف ستھرے اور منصفانہ معیار کے مطابق انتخاب نہ لڑا جائے ۔ یہ وہ روشن حقیقت ہے جو انتہائی کم ترین سوجھ بوجھ رکھنے والوں پر بھی ظاہر ہے ۔ پی این اے کے کارناموں کو قرطاس ابیض سے حذف کرنا ، اسکا ایک امتیازی پہلو ہے ۔ یہ اتنا یکطرفہ ہے کہ جیسے لارڈ نیلسن کی دوسری آنکھ بند ہو جائے ۔ اس حکومت نے دہرے معیار کا اطلاق دگنی خوراکوں سے کیا ہے ۔

(۸)

اندر کا سرطان

ایک قانون کا اطلاق اپنے پسندیدہ لوگوں کے لئے اور دوسرے کا اطلاق ان کے خلاف جن کے لئے نفرت پیدا کرنا ہے ۔ اس حکومت نے عوام کے اعتماد اور مورال کو متزلزل کر دیا ہے ۔ عام آدمی اس نظام پر اعتماد کھو چکا ہے ۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں ۔ توڑ پھوڑ کا عمل ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو شروع نہیں ہوا تھا ، بلکہ اس کا آغاز اس وقت ہوا جب پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی اکتوبر ۱۹۵۴ میں توڑ دی گئی تھی ۔ اور وفاقی عدالت پاکستان نے دانشورانہ دھندلے نظریۂ ضرورت کے تحت اسمبلی کے توڑے جانے کو جائز قرار دیدیا تھا۔

دوسرا دھچکا اس وقت لگا جب غیر قانونی اور اوٹ پٹانگ انداز سے ایک یونٹ کا نفاذ ہوا۔ تیسرا ہلا دینے اور پیچھے لے جانے والا واقعہ اکتوبر ۱۹۵۸ میں ہوا جب ۱۹۵۶ کے آئین کو مارشل لا لگانے کے لئے ایک طرف رکھدیا گیا۔ اس کے بعد ہانس کیلسن کے نظرئے ، "قانون کا خالص نظریہ" کی غلط تشریح کر کے مارشل لا کو جائز قرار دیا گیا۔ ایوب خان نے ملک کو سمری ملٹری کورٹس سے داغدار کر دیا ۔ سمری ملٹری کورٹس کا مقصد "اعلیٰ اور طاقتور" افراد کو سزا دینا اور عام آدمی کو تیزی سے انصاف دینا تھا ۔ سمری ملٹری عدالتوں کو اپنا کام کرتے ایک ماہ بھی نہ ہوا تھا کہ ایوب خان نے اپنی کابینہ کا اجلاس کراچی میں منعقد کیا اور انہیں فوراً ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مغربی پاکستان کے گورنر اختر حسین اور مشرقی پاکستان کے گورنر ذاکر حسین نے اس فیصلے سے اتفاق کیا ۔ جنرل برکی نے اس فیصلے کی اس بنا پر مخالفت کی کہ اس طرح مارشل لا میں تخفیف ہو جائے گی ۔ منظور قادر نے بڑی تفصیل سے وضاحت کی کہ کیا ہو رہا ہے اور یہ کیوں ضروری ہو گیا ہے کہ سمری ملٹری کورٹس کو سمیٹ لیا جائے ۔ جب وہ اپنی عالمانہ تقریر ختم کر چکے تو انہوں نے جنرل برکی کی طرف منہ کیا اور اپنے مہذب کیمرج کے لہجے میں کہا "جنرل، انتخاب مارشل لا کی تخفیف اور پاکستانی افواج کی تذلیل کے مابین ہے" ۔ سمری ملٹری کورٹس کا خاتمہ کر دیا گیا ۔

اس کے بعد دوسرا دھچکا دوسرے مارشل لا کے نفاذ سے لگا جو جنرل یحییٰ خان نے لگایا

تھا۔ ایک بار پھر سمری ملٹری کورٹس بھنبھنانے لگیں ۔ چھ ماہ سے بھی کم عرصے میں یحییٰ خان جیسا بے حس شخص بھی ان عدالتوں کی کارروائی کی رپورٹوں سے گڑبڑا اٹھا۔ جنرل پیرزادہ ، وہ آدمی جو جنرل یحییٰ خان کی انتظامیہ چلا رہا تھا نے سوچا کہ ان کا جزوی جواب اور علاج یہ ہے کہ ٹریبونلز کو جلدی سے حرکت میں لایا جائے ۔ جنرل پیرزادہ کے فارمولا نے صرف تذلیل کی رفتار کو تیز تر کر دیا ۔

اب ملک پر تیسرے مارشل لا نے وار کیا ہے ۔ اس مارشل لا کو سابقہ مارشل لاؤں کا سرطان زدہ ورثہ ملا ہے ۔ اس کے علاوہ اس نے خود اپنا ایک ناسور پیدا کیا ہے ۔ ایوب خان کے لئے جو تین برس کا عرصہ تھا وہ یحییٰ خان کے لئے صرف تین ماہ کا عرصہ بنا ۔ اور یحییٰ خان کے جو تین مہینے تھے وہ ضیاء الحق کے لئے تین ہفتے بنے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ واقعات کی حرکت میں تیزی پیدا ہوئی ہے ۔ عوام میں بیداری پیدا ہو چکی ہے ۔ لوگوں نے ۱۹۵۸ میں جو کچھ طوعاً و کرہاً پسند نہیں کیا تھا اسے اب ۱۹۷۸ میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں ۔

۱۹۷۸ کی بنیادی حقیقتوں میں سے ایک حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کو اس کا شعور حاصل ہو چکا ہے کہ مارشل لا کوئی قانون نہیں ہے ۔ یہ ایک ایسی حکومت ہے جو قانون کے ذریعے قائم نہیں ہوتی ۔ اس کی کوئی نسبت قانون کے ساتھ قائم نہیں کی جا سکتی ۔ ایک ایسی حکومت جس نے ملک کے اعلیٰ و برتر قانون کو گڑھے میں پھینک دیا ہو ، اسے یہ اخلاقی اختیار حاصل نہیں کہ یہ کہے کہ کوئی بھی قانون سے برتر نہیں ۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کو بھی قانون سے ماورا قرار دیا جائے ۔ لیکن میں قطعی طور پر چاہتا ہوں کہ مارشل لا کی لاقانونیت سے محفوظ رہا جائے ۔ میں چاہتا ہوں کہ پوری قوم اور ہر شہری اس لاقانونیت سے محفوظ رہے ۔ قانون کی حکمرانی کے لئے میری جدوجہد یہ ثابت کرتی ہے کہ میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ کوئی بھی قانون کی عظمت سے بچ نکلے ۔

ایوب خان اور یحییٰ خان اس حد تک ضرور دیانت دار تھے کہ وہ یہ تسلیم کرتے تھے کہ مارشل لاء ایک عارضی چارۂ کار ہے ۔ قانون نہیں ۔ یہاں ایک آدمی کا قانون چلتا ہے ۔ جو ذاتی احکام دیتا ہے اور اس کے پیچھے فوج ہوتی ہے ۔ اس کے برعکس عوام کی مرضی کے پیچھے قانون کا سلسلہ ہوتا ہے ۔ ایک صورتِ حال میں عوام کو ہوس کی قوت کی غلامی میں جکڑ دیا جاتا ہے اور دوسری صورت میں آبادی رضا کارانہ طور پر پارلیمنٹ کے ساتھ ایک رشتہ قائم کرتی ہے ۔ ایک صورتِ حال میں یہ ہوتا ہے کہ طاقت کے مرکز سے سنگینیں کس طرح آبادی کے مرکز میں پہنچتی ہیں اور دوسرے میں یہ کہ ایک آواز کس حد تک ، حکمرانوں اور حکومت کئے جانے والوں کے مابین سفر کرتی ہے ۔ اس لئے ایک کو فوجی حکومت اور دوسرے کو حکومت کہا جاتا ہے ۔

مارشل لاء فوج پر انحصار کرتا ہے قانون پر نہیں ۔۔۔

ایک ایسی فوجی حکومت جو آئین کو معطل یا ترک کر دے ، اور ملک کو اپنی منشا اور مرضی کے مطابق چلائے ، اسے اپنے ہونٹوں پر 'قانون' کا لفظ لاتے ہوئے شرم آنی چاہئے ۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ ملک کے ساتھ زنا کر کے زنا کی سزا کی تجویز پیش کی جائے ۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے یہ کہا جائے کہ مقدس قرآن کو معطل کیا جاتا ہے لیکن کوئی شخص حدیث سے انکار نہیں کر سکتا۔ ایک اور ہراساں کر دینے والی صورتِ حال اس وقت سامنے آئے گی جب فوجی ٹولہ صدر پاکستان کو ہٹائے گا ۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ کی افتتاحی تقریر کے مطابق صدر فضل الہی کو آئین کے تسلسل کی علامت کے طور پر رکھا گیا ہے ۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے گراہم گرین کو قانونی ناول لکھنا پڑے ۔ بد قسمتی سے ، اگاتھا کرسٹی کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے ، مجھے شبہ ہے کہ وہ اس قتل کا معمہ کیسے حل کرتیں ۔

اس فوجی ٹولے نے یہ اعلانات کئے ہیں کہ کوئی بھی قانون سے نہیں بچ سکے گا ۔ اس میں جو گھناؤنا امتیاز ہے اس سے بڑھ کر گھناؤنا پن نہیں ہو سکتا ۔ قانون کے شکنجے صرف پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کی قیادت کے لئے ہیں ۔ اس انتخاب اور چناؤ میں بھی ، پاکستان پیپلز پارٹی کے بد نام عناصر ، وہ افراد جو پارٹی کے لئے باعث تذلیل تھے ، انہیں ''قانون'' سے خارج کر دیا گیا ہے ۔ کارکردگی کے مضحکہ خیز ڈرامے کے نام پر باقیماندہ ایرے غیروں کو بھی محض اس لئے قانون سے بر تر قرار دیدیا گیا کہ انہوں نے اپنے سر مارشل لا کے خلیفہ کے سامنے جھکا دئیے تھے ۔

واحد سیاسی پارٹی جو 'قانون' کے سائے کی زد میں آتی ہے پاکستان پیپلز پارٹی ہے ۔ واحد سیاسی قیادت جو 'قانون' سے بچ نہیں سکتی ، پاکستاک پیپلز پارٹی کی قیادت ہے ۔ اس کے علاوہ ہر ایک کو قانون کی زد سے نکال اور آزاد کر دیا گیا ہے ۔ اس حد تک کہ برطانوی قانون کو ختم ہوئے تیس برس ہو چکے ہیں ۔ اس کے باوجود برطانوی قانون دوبارہ رائج کر کے قیادت میں سے ایک کو لندن میں پکڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔ نااہل قرار دینے والے ٹریبونلز صرف پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کی قیادت کے لئے وجود رکھتے ہیں ۔ جیسے کہ اس لفظ ''کارکردگی'' کی گلوٹین صرف پیپلز پارٹی کے سروں پر لٹک رہی ہے ۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے بینک لوٹنے والے ان لوگوں کے بینک اکاؤنٹ کی تصدیق کریں جنہیں لوٹا گیا ہے اور ان کو رہائی فراہم کر دی جائے جو ڈاکے کے خلاف سزا کے طریقے بتائیں ۔

جیسا کہ قرطاس ابیض میں دکھایا گیا ہے ۔ پی این اے نے کسی قسم کی دھاندلی کی نہ بد عنوانی ۔ پی این اے ایک برف جیسی سپید ، سفید بطخ ہے جو سوان لیک میں ہے ۔ یہ وہ نرم و نازک ، چھوٹی معصوم چیز ہے جو کوئی غلط کام کر ہی نہیں سکتی ، کیا کوئی قانون اس طرح کی

علیٰحدگی اور جانبداری کا مظاہرہ کر سکتا ہے کہ حقیقی جرم کے حصہ داروں کو چھوڑ دیا جائے ۔ مطلق العنان مارشل لاء کو صرف پی پی پی اور اس کی قیادت تک محدود کر دیا گیا ہے ۔ قانون کی سزائیں پی پی پی اور اس کی قیادت کے لئے محدود اور مخصوص کر دی گئی ہیں ۔ صرف پی پی پی اور اس کی قیادت ہی پھانسی کے پھندوں ، کوڑوں ، جیلوں ، جرمانوں ، ضبطگیوں اور نااہلیتوں سے ماورا نہیں ہے صرف پی پی پی اور اس کے رہنماؤں کو ہی قانون کے تنوعات سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں مارشل لاکی لاقانونیت کی صحیح تعریف ملتی ہے ۔ میں قانون سے خارج نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس ملک کا قانون کسی برتر اور طاقتور اور عام آدمی میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ میں عوام کا ایک دریوزہ گر ہوں ۔ برتر و اعلیٰ اور طاقتور تو پی این اے ہے اس لئے اسے قانون سے آزاد کر دیا گیا ہے ۔ اس فوجی حکومت نے عام آدمی جیسے پی پی پی کے ایک کارکن اور اس کے چئیرمین اور برتر و قوی پی این اے کے "سیٹھ" اور اس کے لیڈروں کے درمیان امتیاز برتا ہے ۔

میں خود اپریل ۱۹۷۷ میں حیدرآباد ٹریبونل توڑنے والا تھا ۔ لیکن ایک بنیادی سیاسی مسئلہ پیدا ہو گیا جو افغانستان سے متعلق تھا اور اس کا حیدرآباد ٹریبونل کی قانونی تنقیحات سے تعلق بنتا تھا۔ جس کا طے ہونا ضروری تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کن وجوہات پر فوجی ٹولے نے حیدرآباد ٹریبونل ختم کر دیا ہے ۔ یہ سوال اس وقت زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ حال ہی میں عطا اللہ خان مینگل کا ایک بیان آیا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ بلوچ لیڈروں نے معاہدے میں اپنے حصے کی پاسداری کی ہے جبکہ فوجی حکومت نے ایسا نہیں کیا۔ یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہے کہ موجودہ فوجی حکومت اپنے معاہدوں اور وعدوں کو توڑتی ہے لیکن قوم کا یہ استحقاق ہے کہ وہ جانے کہ اس معاہدے کی شرائط و مشمولات کیا ہیں ۔

اس معاہدے کا انکشاف نہ صرف یہ کہ اس اسرار کو ختم کرنے کے لئے ضروری ہے بلکہ اس سے پاکستان کے کمزور اور نرم و نازک اتحاد کے بارے میں بھی صحیح اندازہ لگ سکے گا۔ یہ ایک اچھی بات ہی سہی کہ ان برتر اور قوی افراد کو آزاد کر دیا گیا کیونکہ وہ دو دو بار سردار اور خانوں کے خان پیدا ہوئے تھے اور وہ قانون سے بالاتر تھے اور ایک عام آدمی ذوالفقار علی بھٹو نہیں تھے ۔ پاکستان کا یہ سابق صدر اور وزیراعظم ایک ایسا عام آدمی ہے کہ جہاں الزام میں خود اعتراف کرنے والے اور ملزموں کو ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی میں یہ دعوت عام ہے وہ اپنے رشتے داروں سے ایک ہفتے میں سات سے آٹھ بار گھنٹوں ملاقات کر سکیں ۔ وہاں میری بیوی اور بیٹی کو مسلسل شکایت اور احتجاج کرنا پڑتا ہے کہ وہ مجھ سے ہفتے میں صرف ایک بار ملاقات کر سکتی ہیں ۔

جب ہم برتر و قوی لوگوں کی بات کر رہے ہیں تو یہ بے جا نہ ہو گا کہ یہ پوچھا جائے کہ اس

برتر و اعلیٰ افراد کے ساتھ کیا بیتی جب پاکستان کے مرتے ہوئے خالق کو ماری پور میں شدید گرمی میں تین گھنٹوں تک ایک بے کار اور ٹوٹی پھوٹی ایمبولنس میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ کیا وجہ تھی کہ ان کے معالج کرنل الٰہی بخش نے جو کتاب لکھی اسے ضبط کر لیا گیا؟ اس برتر و قوی کے ساتھ کیا ہوا جس نے لیاقت علی خان کو قتل کرنے کی سازش تیار کی تھی ؟ جو پاکستان کے پہلے وزیر اعظم تھے اور راولپنڈی میں دن دیہاڑے ایک جلسۂ عام میں قتل کر دئے گئے ۔ وہ پولیس افسر جس نے قاتل کو ہلاک کر دیا ، اسے کیوں ترقی دی گئی؟ اسے اس لئے ترقی دی گئی تھی کہ مردہ آدمی کہانیاں نہیں بتایا کرتے ۔

میں یہ بھی پوچھنا چاہوں گا کہ وہ جنرل جنہوں نے اب فوجی حکومت بنائی ہے اس وقت اتنے کیوں بوکھلا رہے تھے جب مجیب الرحمٰن نے محاسبے کے لئے ڈھاکہ میں مقدمات کرنے کی دھمکی دی تھی ؟ وہ اتنے فکرمند کیوں تھے کہ وہ مقدمات قائم نہ ہوں ؟ اگر یہ دلیل دی جائے کہ فوجی ٹولہ ماضی کے نقصانات و حادثات کا ذمے دار نہیں اور یہ فوجی ٹولہ اس لئے محاسبہ کر رہا ہے کہ ماضی میں بڑی بڑی غلطیوں کا ارتکاب ہوا ہے تو پھر کئی ٹھوس سوال پیدا ہوتے ہیں ۔

(ا) فوجی ٹولے کو اس محاسبے کا اختیار اور مینڈیٹ کس نے دیا ہے؟

(ب) یہ محاسبہ قطعی طور پر یکطرفہ اور مستند طور پر امتیازی کیوں ہے ؟

(ج) کیا یہ محاسبہ قانونی ہے کہ فوجی ٹربیونلز قائم کئے جائیں جہاں وہ ان کے سامنے دھکیلا اور کھینچا جائے گا ان کا دفاع وکلا نہیں کر سکتے؟

یہ فوجی حکومت محاسبہ نہیں کر رہی ۔ اس فوجی حکومت کو یہ استحقاق ہی حاصل نہیں کہ محاسبہ کر سکے ۔ یہ غیر قانونی ، امتیازی سزائیں محاسبہ نہیں ہیں ۔ یہ انتقام اور بدلے کی انتہائی وحشیانہ قسم ہے ۔

اگر یہ عام آدمی جو گڑھی خدا بخش بھٹو سے تعلق رکھتا ہے ، پاکستان کی تاریخ میں پہلا مجرم ہے تو اسے محاسبے کا کوئی خوف نہیں ۔ لیکن وہ اس محاسبے کا مطالبہ عوام سے کرتا ہے ۔ ان ہاتھوں سے نہیں جنہوں نے ملک کے اعلیٰ ترین قانون کو بڑے تکبّر سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے ۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ کو قوم کے نام اپنے خطاب میں ، پاکستان کے منتخب صدر کی حیثیت سے ، کیونکہ میں پہلا سربراہ ریاست اور سربراہ حکومت تھا ، میں نے یہ کہا تھا کہ محاسبہ ہو گا ۔ لیکن یہ محاسبہ عوام اور پارلیمنٹ کے ذریعے ہو گا ۔ ان بغاوت اور گڑبڑ کرنے والوں کے ٹولے کے سامنے نہیں جو بارکوں سے نکل کر بے انصافی اور جرم کو محاسبے کے پردے میں جاری رکھتے ہیں ۔

فوج سیاست میں

اب میں اہم ترین موضوع سول ، ملٹری تعلقات پر آتا ہوں ۔ میں آزادی سے اب تک ان تعلقات کا کھوج لگانے کا ارادہ نہیں رکھتا ۔ نہ ہی میں ان باتوں کو دہرانا چاہتا ہوں ۔ جو میں نے سپریم کورٹ میں مارشل لا کو چیلنج کرنے والی آئینی درخواست کے بیان حلفی میں کہی تھیں ۔ نہ ہی میں ان باتوں کو دہرانا چاہتا ہوں جو مارشل لا آرڈر نمبر ۱۲ کے تحت اپنی حراست پر میں نے اس سنسرڈ بیان حلفی میں کہی تھیں جو لاہور ہائی کورٹ میں ہے ۔ نہ ہی ان واقعات کو دہرانا چاہتا ہوں جو میری حراست کے بعد رونما ہوئے ۔

تین مکمل مارشل لا عوام کے سامنے آئینے کی طرح کھڑے ہیں ۔ چونکہ چہرے پر بہت زیادہ میک اپ کیا گیا ہے اس لئے پہلے مارشل لا کے چہرے کو عوام صاف طور پر نہیں دیکھ سکتے ۔ دوسرے مارشل لا کے چہرے پر الزبتھ آرڈن کا کیا ہوا "میک اپ" برہم پترا بہا کر لے گیا تھا موجودہ مارشل لا کی وگ اور مصنوعی دانت اتر چکے ہیں اور دیکھو کہ عوام اس کے ننگے پن کا عکس آئینے میں دیکھتے ہیں ۔ اس وقت جبکہ ہم چٹان کے کنارے پر کھڑے ہیں دلیلوں کے لئے وقت نہیں رہا ۔ واقعات کی رفتار تیز تر ہو چکی ہے ۔ اگر ہم وقت گنوا نہیں بیٹھے تو اب کھونے کے لئے بہت کم وقت رہا ہے ۔ ہر وہ شخص جو اس وقت اخلاقی اور روحانی تقسیم کی گہرائی کو نہیں دیکھ سکتا ، احمقوں کی جنت میں رہتا ہے ۔ میں اس وقت کثرت اور وحدت ، سیکولرازم اور تھیوکریسی ، جمہوریت اور ڈکٹیٹر شپ پر اپنے دلائل چھوڑتا ہوں ۔

میں نقطۂ آغاز کے لئے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے ان ریمارکس کو لیتا ہوں جو انہوں نے ۲۷ جولائی ۱۹۷۸ کو کوئٹہ کے ہوائی اڈے پر دئیے ۔ جنرل ضیاءالحق نے کہا کہ مسٹر بھٹو نے کہا تھا کہ ملک میں تین طاقتیں ہیں ۔ عوامی لیگ ، پی پی پی اور فوج ۔ اور مسٹر بھٹو نے اپنی بہترین کوشش کی کہ دو کو ملیامیٹ کر دیں اور ایک کو پالیں ۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس ریمارک کا پہلا حصہ ۱۹۷۰ کے انتخابات کے حوالے سے ایک معروضی حقیقت کی حیثیت سے سامنے آیا تھا ۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پی پی پی دو بڑی سیاسی قوتوں کی حیثیت سے ظہور میں آئی تھیں ۔ تیسری قوت فوج تھی ۔ فوج نے کھلے عام ۱۹۵۴ میں ایک سیاسی قوت بننے کا آغاز کر دیا تھا ۔ اس وقت سے اس کا یہ کردار وسیع ہوا ہے کم نہیں ۔ ۱۹۶۹ میں فوج مارشل لا کی صورت میں پاکستان کی حکمران تھی ۔ دسمبر ۱۹۷۰ کے انتخابات اس لیگل فریم ورک کے تحت منعقد ہوئے جو فوج نے فراہم کیا تھا۔ فوج اپنی گردن

تک سیاست میں ملوث ہو چکی تھی ۔ یہ ایک ناخوشگوار اور ہراساں کر دینے والی باطل حقیقت تھی ۔

لیکن خوشگوار یا ناخوشگوار یہ ایک حقیقت تھی ۔

تین سیاسی قوتیں تھیں۔ عوامی لیگ، پی پی پی اور فوج ۔ عوامی لیگ اور پی پی پی کو سیاست کرنے کا ہر حق حاصل تھا۔ فوج سیاسی میدان میں راستہ پھلانگ کر اندر آنے والی مداخلت کرنے والی قوت تھی۔ جنرل کے ریمارک کا دوسرا حصہ مبہم اور اپنا تضاد اپنے اندر رکھتا ہے ۔ لیکن ہم اب تک دانائی کے موتیوں کے عادی ہو چکے ہیں۔ میں نے کس طرح ان دونوں کا صفایا کرنے کی کوشش کی اور ایک کو پا لیا؟ کیا وہ فوج کو عوامی لیگ کے ساتھ بریکٹ کر رہے ہیں؟ کیا اس سے یہ استنباط کیا جائے کہ فوج کو عوامی لیگ کے چھ نکات تسلیم کرنے میں کوئی پابندی نہیں تھی ؟ پاکستان کی مسلح افواج کی ،میں نے جو ساڑھے پانچ برس تک قابل فخر خدمات انجام دیں، اس کا صلہ اگر چیف آف آرمی سٹاف مجھے یہ شکرانہ پیش کرکے ادا کرتا ہے کہ میں نے فوج کو ملیامیٹ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تو میں صرف ایک بات ہی دہرا سکتا ہوں کہ مہربانی کو معاف کرنا بہت مشکل ہوتا ہے ۔

کیا میں نے فوج کو اس طرح ملیامیٹ کرنے کی پوری کوشش کی کہ میں نوے ہزار جنگی قیدیوں کو باوقار انداز میں واپس لے آیا ؟ دس برسوں سے امریکہ نے اسلحے کی سپلائی پر جو پابندی لگا رکھی تھی ،کیا جنرل ضیاالحق نے اسے اُٹھوایا ؟ کیا اس نے چین سے ہتھیار حاصل کئے؟ کیا اس نے ڈیڑھ ملین ڈالر سے زیادہ ہتھیاروں پر صرف کئے؟ کیا اس نے بحریہ کو جدید تر بنایا، لڑاکا طیارے فضائی فوج کو اور تینوں سروسز کو مزائل دیئے؟ کیا اس نے ڈیفنس سروسز کی تنظیم نو کی اور دفاعی پیداوار کی وزارت قائم کی ؟ کیا اس نے دفاعی اشتراک کے معاہدے مسلم ممالک سے کئے؟ کیا اُس نے نیو کلیر ری پروسیسنگ پلانٹ کا معاہدہ تکمیل تک پہنچایا، اگرچہ اُس نے واشنگٹن پوسٹ کے ایک نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے اُسے "میرا پلانٹ" کہا ہے؟ اگر میں نے فوج کو ملیامیٹ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تو ساڑھے پانچ سال تک میرے ماتحت ملازمت کیوں کی اور اس نے چیف آف سٹاف کا عہدہ کیوں قبول کر لیا ؟

جنرل ضیا کہتا ہے کہ اس پر میری مبینہ دھاندلیوں کا انکشاف حکومت کا تختہ الٹنے اور قبضہ کرنے کے بعد ہوا۔ اگر دھاندلیاں اس وسیع اور اجتماعی سطح اور پیمانے پر ہوئی تھیں ،جیسا کہ قرطاس ابیض میں بتایا گیا ہے تو یقیناً اسے اس نتیجے پر حکومت پر ناجائز قبضہ کرنے سے پہلے پہنچ جانا چاہیئے تھا۔

لیکن آئیے اس موضوع پر زیادہ بات نہ کریں کیونکہ انتخابات ایک سیاسی عمل ہوتا ہے اور جنرل کو اس کی لاعلمی پر معاف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر میں یحییٰ خان کے زمانے سے فوج کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں تو یہ ایک سپاہی کے لئے خاصا المباوقت ہے کہ وہ اس کھیل کو دیکھ سکے۔ آخر جنرل ضیاءالحق نے مجھے اتنے شاندار خطیبانہ خراج تحسین "پاکستان کا نجات دھندہ" مسلح افواج کا معمار کیوں پیش کیا ۔ اپریل 1976 میں کوئٹہ میں کمانڈ اور سٹاف کالج کوئٹہ نے میرے اعزاز میں ڈنر دیا ۔ جس میں جنرل ضیاء نے کہا ۔ اور یہ اس کے اپنے ہی الفاظ ہیں۔

"ہم میں سے وہ جو حقائق اور اعداد و شمار سے باخبر ہیں یقینی طور پر جانتے ہیں کہ پاکستانی فوج پر جو زبردست توجہ 1971 سے اب تک دی گئی ہے اس کی مثال 1971 سے پہلے کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

"اس کے ساتھ ، سر، میں ذاتی طور پر اور فوج کی طرف سے اس سے واضح اور روشن حقیقت آپ کو پیش نہیں کر سکتا۔ میں جو کچھ کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے شاید ایک دن ،اللہ کے فضل سے ، جب آپ بھی ہم میں موجود ہوں گے پاکستان کی یہ افواج ثابت کریں گی کہ آپ نے اس پر جو توجہ اور شفقت فرمائی ہے، بے کار نہیں گئی"۔

اپنے اس قصیدے کا چمکدار اختتام اس نے یوں کیا۔ "میں آپ کو مؤدب بہت اور سادہ الفاظ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے کہہ رہا ہوں کہ ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں ، سر، جو کچھ آپ کر رہے ہیں اور جو کچھ آپ نے ہمارے لئے بطور خاص کیا ہے"۔

اس جیسے شاندار خراج تحسین اس نے مجھے چیف آف آرمی سٹاف بننے سے پہلے اور بعد میں پیش کئے۔ اور جیسا کہ میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ مارشل لاء کے نفاذ کے فوراً بعد ہی اس نے میری تعریف آسمان تک چڑھا کر کی تھی۔

وہ اس تجویز کا ذمے دار تھا کہ اس نے مجھے آرمڈ کورپس کا کرنل ان انچیف بننے کے لئے کہا، اس نے کھاریاں میں رسم تشریف آوری پر جو تقریر کی وہ پوری کی پوری مدح و ثنا سے بھری ہوئی تھی۔ اگر واقعی میں فوج کا دشمن تھا اور اسے تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا تو پھر اسلام کا ایک سپاہی میرے شیطانی منصوبوں سے لاعلم نہیں رہ سکتا تھا نہ ہی ایک مومن میری ایک ممتاز سپریم کمانڈر کی حیثیت سے بار بار مدح و ثنا کرتا ۔ جبکہ وہ یہ بھی جانتا ہو کہ میں فوج کو تباہ کر رہا ہوں۔

یہ بات واضح طور پر ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ برصغیر ،لاطینی امریکہ نہیں ہے۔ لاطینی امریکہ کی تاریخی روایت، ماسوائے میکسیکو اور برازیل ،میں بادشاہی کے مختصر تجربے کے علاوہ یہ

رہی ہے کہ ایک کے بعد دوسری سپین اور پرتگال کی نو آبادیاتی آمریت قائم ہوتی رہی یا اپنے ہی ملک کی فوج حکومت کا تختہ الٹتی رہی۔ میکسیکو اور کیوبا میں انقلاب آئے۔ چلی کی مضبوط جمہوری روایت ہے ۔ وگرنہ، وسیع سطح پر، عام طور پر بھی یہی ہوا کہ خارجی نو آبادیاتی حکومتوں سے انتقال اقتدار داخلی نو آبادیاتی نظام کو منتقل ہوتا رہا۔

برصغیر افریقہ نہیں ہے۔ یہاں بھی، مضبوط بادشاہتوں کے علاوہ ، اقتدار کا نو آبادیاتی آمریتوں ، جیسے برطانیہ، فرانس اور پرتگال سے داخلی فوجی آمریتوں کو ہی انتقال ہوتا رہا۔ گنی ، تنزانیہ ، کینیا اور زیمبیا کے علاوہ ، افریقی رہنما جیسے نکرومہ، جنہوں نے اپنی قوموں کو آزادی دلوائی، ان کی حکومتوں کا تختہ بھی برازیل (لاطینی امریکہ) کے صدر گولاٹ کی طرح، فوج ہی الٹتی رہی ہے۔ شجاعانہ ابعاد کا ایک انقلاب الجزائر میں آیا۔ مشرق وسطیٰ میں بادشاہتیں مستحکم ہیں یا انقلابی حکومتیں قائم ہو چکی ہیں۔ شام اور عراق میں حکومتوں کا تختہ الٹنے کے بعد اس کا اختتام بعث پارٹی کے دونوں متصادم گروپوں کے اتحاد کے نتیجے میں پارٹی کے کنٹرول میں آگیا۔

ایک بار پھر جائزہ لیتے ہیں، بعض استثناء سے قطع نظر تیسری دنیا میں استحکام کی یہ صورتیں ہیں۔

(ا) قائم شدہ بادشاہتیں۔

(ب) انقلابی قومی تحریکیں۔

(د) پارلیمانی جمہوریتیں۔

جہاں کہیں حکومتوں کا فوجی طاقت سے تختہ الٹا گیا اس کے نتیجے میں اشتراکی انقلاب آیا یا خانہ جنگی یا پھر دونوں۔ مشرقی پاکستان کی علحدگی اسی نکتہ کا ایک کیس ہے۔ افغانستان کا موجودہ انقلاب بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ داؤد خان کی حکومت کا تختہ الٹنا ظاہر شاہ کی بادشاہت کے خاتمے کے مقابلے میں ایک ترقی پسند اور اشتراکی انقلاب کے لئے زیادہ آسان تھا۔ بہت سی وجوہات کی بنا پر برصغیر اپنی ہی طرز کی ایک قسم میں آتا ہے۔ اس کے خون میں جمہوری ادارے رچے بسے ہیں ۔ جیسے پنچایت اور پھر دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ برصغیر ایک وسیع و عریض سرزمین ہے ۔ جہاں بے حد بہت زیادہ آبادی ہے۔ تیسرے یہ کہ برصغیر میں عوامی تحریکیں اشوک کے زمانے سے متحرک رہی ہیں۔ اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ ان اور دوسرے متعلقہ عناصر و اسباب کو تسلیم کرتے ہوئے یہ بھی ہوا کہ 1857 کی جنگِ آزادی کے بعد، برطانیہ نے ہندوستان کے لوگوں کو قسطوں میں جمہوریت دی۔ جمہوریت کا یہ عمل نوے برسوں تک مسلسل جاری رہا۔ حتّٰی کہ 1947 میں مکمل آزادی حاصل کر لی گئی۔

تین عشروں سے زیادہ مدت تک قائداعظم اور گاندھی جیسے عوامی رہنماؤں نے برصغیر

کے عوام کی خود مختاری اور آزادی کے جدوجہد کے لئے قیادت کی۔ سیاسی شعور اور سیاسی بیداری کے بغیر، نمک کے ٹیکس، تحریکِ خلافت، ہندوستان چھوڑو اور راست اقدام کے احتجاجات ممکن نہ تھے۔ اور ان جھٹکوں اور احتجاجات کے بغیر برطانوی راج کے ستون بھی نہیں گر سکتے تھے۔ لاطینی امریکہ یا افریقہ یا شرق اوسط میں عوام کی بیداری اور جدوجہد کی روایت اتنی شدید اور مسلسل نہیں رہی، جتنی کہ برصغیر میں۔ برصغیر کے لوگوں مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں نے، اپنے عوامی رہنماؤں کی عظیم اور متحرک قیادت تلے، نہ صرف جدوجہد کی بلکہ قربانیاں دے کر نہ صرف اپنے نئے پرچموں کو لہرایا بلکہ آزادی اور جمہوریت کے ثمرات سے بھی فیض یاب ہوئے۔

آجکل ہمیں اکثر یہ بتایا جاتا ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر تخلیق ہوا تھا۔ یہ درست ہے۔ لیکن پاکستان کس نے تخلیق کیا؟ مسلمان عوام، جو قائداعظم کی پختہ اور عظیم عوامی قیادت میں جدوجہد کرنے والوں نے، نہ کہ جرنیلوں کے ایک ٹولے نے پاکستان تخلیق کیا۔ یہ ملک مسلمانوں کی عظیم تحریک کے نتیجے میں وجود میں آیا نہ کہ نصف شب حکومت کا جبری تختہ الٹنے سے۔ یہ مسلم آبادی تھی نہ کہ فوجی جرنیل جنہوں نے پاکستان تخلیق کیا تھا۔ یہ ملک عوام نے بنایا اور اس کی آزادی کو صرف عوام کے منتخب رہنماؤں کے ذریعے برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ صرف وہی جنہوں نے اسلام کے نام پر پاکستان بنایا وہی اپنے منتخب نمائندوں کو یہ حکم دے سکتے ہیں کہ کس طرح اس نام کو استعمال کر سکتے ہیں۔ ایک غاصب اور ایک فوجی ٹولے کو ایسا کوئی اعتماد و اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس کام کی تکمیل کر سکے۔ نہ ہی غاصب اور اس کا فوجی ٹولہ عوام کے ذریعے اقتدار میں آئے ہیں کہ وہ یہ فیصلہ کریں کہ اس ملک کا نظم و نسق اسلام کے نام پر چلایا جائے گا۔ اس کی تشریح اجتماعی طور پر پارلیمنٹ میں ہونی چاہیئے۔ اس کا فیصلہ کوئی فرد یا گروہ نہیں کر سکتا جن کے ہاتھ میں بند وقتیں ہوں۔ اسلام کا نام کسی بندوق یا اس کی نالی سے باہر نہیں آیا، میں اس پر مکمل اتفاق کرتا ہوں کہ پاکستان کے عوام کسی غیر ملکی تسلط و مداخلت کو برداشت نہیں کریں گے اور انہی بنیادوں، اسی منطق کے تحت، پاکستان کے عوام اندرونی سازش کو بھی قبول نہیں کریں گے۔ یہ دونوں سازشیں ایک دوسرے کو مکمل کرتی ہیں۔ اگر ہمارے عوام نے بے بسی سے اندرونی سازش کے آگے سر جھکا دیا تو وہ بیرونی سازش کے سامنے بھی جھک جائیں گے۔ یہ اس لئے ہے کہ غیر ملکی سازش کی طاقت اور اختیار اندرونی سازش کے مقابلے میں بہت بڑی ہے۔ اگر لوگ کمزور قوت سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے لئے ممکن نہیں رہتا کے وہ قوی طاقت کے سامنے مزاحمت کر سکیں۔ اندرونی سازش کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے بیرونی سازش کو بھی تسلیم کر لیا ہے۔ پاکستان کے عوام ان دونوں میں سے کسی کو بھی برداشت نہیں کریں گے۔ وہ ان دونوں سازشوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

پاکستان کو عوام نے اسلام کے نام پر تخلیق کیا ہے۔ یہ قابل قبول ہے۔ لیکن اسلام صرف پاکستان میں ہی وجود نہیں رکھتا۔ اسلام صرف پاکستان کے عوام کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے خدائے برتر کا آخری پیغام ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے کہ "خدا رب العالمین" ہے ۔ کائنات اور دونوں دنیاؤں کا خالق، اسلام دنیا بھر میں پھیلا، مسلم اقوام براعظم ایشیا، افریقہ اور یورپ میں آباد ہیں۔ حال ہی میں سعودی عرب کے دورے کے درمیان، چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر نے یہ اعلان کیا کہ چونکہ یہ اسلام کا روحانی مرکز ہے اس لئے سعودی عرب کو عالم اسلام کی قیادت و سربراہی کا حق دیا گیا ہے۔ بلاشبہ، سعودی عرب اسلام کا روحانی مرکز ہے لیکن کیا ایسے متنازعے امور کو پاکستان میں اُٹھانا چاہئے، کیا پاکستان میں اس سے لوگوں کو بہکایا جا سکتا ہے؟ سعودی عرب کے شاہی خاندان کی شاندار قیادت میں ، جس کے سربراہ شاہ خالد ہیں، شاہی حکومت کسی طرح کے ڈراموں کے بغیر آگے بڑھ رہی ہے۔ اس سے قطع نظر کہ اس فوجی ٹولے کے مسخرے کیا کہتے ہیں، پاکستان کے عوام اور ان کے منتخب رہنما مسلمان ہیں۔ سچا مسلمان وہ نہیں ہے جو حکومت کا فوج کے ذریعے تختہ الٹنے پر تیار ہو جائے۔ بلکہ سچا مسلمان وہ ہے جو ایک مجاہد کی طرح سازش سے کچلے ہوئے عوام کے سیاسی اور معاشی حقوق کی جنگ لڑے۔

ماضی میں یہ جدوجہد میدانِ جنگ میں کی جاتی رہی ۔ اب یہ لڑائی پارلیمنٹ میں لڑی جاتی ہے۔ 1960 یا 1961 کے موسم سرما میں وفاقی جمہوریہ جرمنی کے وزیر خارجہ وان برینٹانو راولپنڈی آئے۔ اسی وقت کے وزیر خارجہ منظور قادر اور مجھے کہا گیا کہ ہم ان کی صدر ایوب خان کے ساتھ ملاقات میں شریک ہوں۔ مذاکرات میں بہت سے مماثل نظریات سامنے آئے۔ صدر ایوب خان کے الوداعی الفاظ یہ تھے کہ بلاشبہ پاکستان کی بھی پروشیا جیسی روایات ہیں۔ وان برینٹانو جو ایک جرمن ارسٹو کریٹ اور اطالوی نژاد ہیں۔ غالباً دونوں ملکوں کی مشترکہ مماثلتوں اور روایات سے آشنا نہیں تھے یہ خیال ظاہر کیا یہ معلومات بہت دلچسپ ہیں" میں نے بون میں صدر ایوب کو سنا کہ وہ یہی بات چانسلر کو نارڈ ایڈینار اور وزیر خارجہ شریوڈر کو دہرا رہے ہیں ۔ یہی بات انہوں نے مسٹر والٹر یشل وزیر برائے اقتصادی تعاون سمندر پار ممالک سے لاہور میں کی جو اس وقت وفاقی جمہوریہ جرمنی کے صدر ہیں۔ ایوب خان معمولی آدمی نہیں تھے۔ وہ پاکستانی افواج کے نو یا دس برس کمانڈر انچیف رہے تھے۔ اس کے بعد وہ دس برس تک پاکستان کے صدر بنے رہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایوب خان کو یہ خیال کیسے آیا کہ یہ مماثلت اتنی قریبی ہے کہ وہ متعدد جرمن رہنماؤں کے سامنے دہراتے چلے گئے۔

"گھناؤنے اور خوفناک" نپولین بوناپارٹ سے نجات حاصل کرنے کے بعد، یورپ کے شہنشاہ اور بادشاہ آسٹرو ہنگری بن ایمپائر کے دارالخلافے وی آنا میں جمع ہوئے تاکہ یورپ میں امن

اور استحکام کا ایک معاہدہ طے کر سکیں۔ یہ شرفا کا عہد تھا۔ وہ 1789 کے انقلاب فرانس سے بچ نکلنے میں کامیاب رہے تھے۔ نپولین کو واٹرلو میں شکست دے چکے تھے۔ ان کا اعتماد بحال ہو چکا تو تاریخ نے یورپ کے نیلے خون کو دائمی حکمرانی کے لئے چُن لیا ہے۔ انہوں نے سابقہ دستور حکومت کا خاکہ بنایا۔ آسٹریا کا پرنس میٹرنیچ اس کی روح رواں تھا۔ ٹالبرانڈ کی نابغیت اور برطانیہ کے وزیر خارجہ لارڈ کسلیرک کے اشتراک کے باوجود کہ وہ فرانس کے لئے بہتر بن سہولتیں حاصل کر سکے، میٹرنیچ نے ستمبر 1815 میں ایک شاہی تقریب میں یورپ کے نئے نظام اور آرڈر کو نافذ کر دیا۔

وی آنا کی کانگریس نے "معاہدۂ وی آنا" کا اہتمام کیا تھا۔ جس میں یہ ضمانت دی گئی تھی کہ بادشاہ ہی ریاست ہے۔ ایک ایسا ملک جہاں شرفا کو خصوصی مراعات اور برتری حاصل تھی، اس میں مطلق العنانی اور جاگیرداری شامل تھی۔ کچھ چھینٹے سرمایہ داری کے دیئے گئے جس میں عوام سب سے پیچھے آتے تھے۔ اور وہ شرفا اور مذہبی ادارے کے شکنجے میں جکڑے گئے۔ 26 دسمبر 1815 کو روس پروشیا اور آسٹریا نے اس مقدس اتحاد پر دستخط کئے۔ لیکن پندرہ سالوں کے اندر اندر عوام پھر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ 1848 میں یورپ کی تقریباً تمام اقوام بغاوت کر رہی تھیں۔ انقلاب ہوا میں تھا۔ میزنی اور لوئی کوستھ جیسے رہنما عوام کی رہنمائی اور تحریک کے لئے ظہور پذیر ہو چکے تھے۔ اقتدار کا ڈھانچہ جسے وی آنا میں جوں کا توں برقرار رکھا گیا تھا، زمین پر آرہا تھا۔ اس کا معمار اور خالق پرنس میٹرنیچ بھاگ کر لنڈن چلا گیا بعد میں، بنجمین ڈزرائیلی اپنی بیوی اور داشتہ کو بتا رہا تھا کہ میٹرنیچ "بور" تھا۔

یورپ کے انقلابوں میں گھرے ہوئے، پروشین امیرزادوں نے اپنی افواج میں توسیع کر دی۔ وقت گزرنے کے ساتھ، پروشین فوج کی اس حد تک توسیع ہوگئی کہ پروشیا کے ذرائع کی کفالت سے بڑھ گئی۔ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ اس جسامت اور وسعت کے بوجھ کو پروشیا زیادہ دیر تک نہ اُٹھا سکے گا۔ صورتِ حال اتنی مضحکہ خیز اور تکلیف دہ بن گئی کہ یہ کہا جانے لگا۔ "پروشیا ایک فوج ہے جو ایک ملک میں ہے اور ایک ملک نہیں ہے کہ جس کی فوج ہو" پروشیا کے امیر زادے نتائج سے بخوبی واقف تھے۔ اب ان کے سامنے تین صورتیں تھیں یا تو

(ا) پروشیا اس حد تک پھیل جائے کہ جرمن فادر لینڈ کا مدار بن جائے۔

(ب) کثیر حاضر فوج میں تخفیف کر دی جائے۔

(ج) یا پھر پروشیا اس وسیع اور بڑی فوج کے بوجھ کے نیچے دب کر تباہ ہو جائے گا۔

پروشیا نے اپنے اس مسئلے کو تین توسیع بندی کی جنگیں لڑ کر حل کیا۔ پہلی جنگ ڈنمارک کے

خلاف 1864 میں لڑی گئی۔ دوسری آسٹریا کے خلاف 1866 میں اور تیسری فرانس کے خلاف 1870-1871 میں ان جنگوں کا منصوبہ پرنس اوٹووان بسمارک نے تیار کیااور جنرل وان موٹیک کی شاندار اور زبردست جنگی مہارت نے اسے عملی جامہ پہنایا۔ فرانس کے انقلاب کے بعد جرمنی کو متحد کرنے کا عمل مکمل ہوگیا۔ اپنی فوج کے ذریعے ، پروشیا نے اپنے فوجی بجٹ سے بھی کہیں زیادہ کئی دوسرے مسائل حل کئے۔ 18 جنوری 1871 کو ایک مغرور بسمارک نے جنرل وان مولٹکے اور دوسرے سیاست دانوں کی معیت میں ایک پرکشش تقریب میں اعلان کیا کہ کام مکمل ہوگیا ہے۔

پروشیا کی طرح پاکستان کی بھی ایک بڑی حاضر فوج ہے۔ پاکستان تین جنگیں لڑ چکا ہے۔ پاکستان نے یہ تین جنگیں 1948 ، 1961 اور 1971 پروشیا کی جنگوں کے اسی سال بعد لڑیں۔ 17 دسمبر 1971 کو ڈھاکہ ریس کورس میں جنرل ٹائگر نیازی نے جس تقریب میں شرکت کی ، وہ اس تقریب کے ایک سو برس منعقد ہوئی جس میں جنرل موٹیکے نے شرکت کی تھی۔

تہذیب کا مفہوم ہے شہریوں کی برتری ۔ فوجی بغاوتیں اور حکومتوں پر ناگہانی قبضے ایک تباہی ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ یورپ کے پاکستان ، میں ہٹلر نے بھی حکومت ایک فوجی بغاوت کے ذریعے حاصل نہیں کی تھی۔ اس نے 'دھاندلیوں' والے ایک انتخاب جیتے تھے۔ جس طرح جنرل یحییٰ خاں منتخب رہنماؤں کو اقتدار منتقل کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا اسی طرح چانسلر ہنڈنبرگ کو انتخابات قبول کرنے میں ہچکچاہٹ ہو رہی تھی۔ اس نے ہٹلر اور نیشنلسٹ سوشلسٹ پارٹی کو اس وقت اقتدار منتقل کیا جب بیرن وان پیپن نے بیمار چانسلر کو یقین دلایا کہ وہ ہٹلر کو سنبھال لے گا۔ مصطفےٰ کمال پاشا ترکی میں انقلاب کے ذریعے برسراقدار آئے تھے۔ انہوں نے یونانیوں کے خلاف شاندار فتح حاصل کی تھی۔ جسے فرانس اور برطانیہ کا تعاون حاصل تھا۔ رضا شاہ نے ایرانی قوم کی وحدت کو درپیش خطرات سے بچانے کے لئے ایک تحریک کی قیادت کی تھی۔

اَمر واقعہ یہ ہے اور انتہائی محتاط ہو کر کہوں گا کہ واحد فوجی بغاوت کے ذریعے حکومت پر قبضہ جو عوام کی شان و شوکت کے لئے تھا، وہ نپولین بوناپارٹ کی فوجی بغاوت تھی۔ لیکن نپولین ایک دیو قامت تھا۔ اس سے زیادہ کوئی مکمل انسان نہیں ملتا۔ اس کی کئی پہلوؤں والی نابغیت کا صرف ایک چہرہ اس کی فوجی ذہانت اور مہارت تھی اُس کا نپولین کوڈ آج بھی کئی ملکوں کے بنیادی قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ نپولین ایک ممتاز ناظم تھا۔ وہ ایک سکالر اور رومانی تھا۔ میری رائے میں اس کی نثر سے چارلس ڈیگال کی نثر برتر تھی۔ اس کے باوجود ، اپنی حقیقی نابغیت کے باوجود یہ فوجی ڈکٹیٹر بھی فرانس کو واٹرلو کے کربناک واقعہ تک لے گیا۔

وہ زمانے بہت مختلف تھے۔ ان میں ایک تاریخی تسلسل موجود ہے اس کے باوجود ہر دور کو اس کے اپنے زمان و مکان کے حوالے سے فیصلہ کیا جاتا تھا۔ آج کی دنیا میں ہمیں مغرب کو نظر انداز کئے بغیر عصری واقعات و حالات سے سبق حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اپنے تجربے کے علم کی بنیاد پر بھی اندازہ لگانا ہوتا ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ اس نظریے کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہماری قوم ان کے ہاتھوں میں ڈوب رہی ہے جو تیر نہیں سکتے ۔ ہمارے سامنے تین بار فوجی بغاوتوں کے نتائج موجود ہیں۔

پاکستان میں ہر سویلین حکومت کا مارشل لاء کے ذریعے تختہ الٹنے کی دُھن کا بنیادی عنوان "خانہ جنگی" بنتا ہے۔ بہر حال آنکھوں میں لگانے والی اس دوائی سے فوجی بغاوت کے امکانات کو کم نہیں کیا جا سکتا۔ **1951** میں لیاقت علی خان نے پاکستان کے چیف آف جنرل سٹاف میجر جنرل اکبر خان کی فوجی بغاوت کی کوشش کو کچل دیا۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان نے حکومت پر قبضہ کرنے کی اس کوشش کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی ۔ انہوں نے سازشیوں کو پاکستان کے دشمن اور جمہوریت کے دشمن کا نام دیا۔ انہوں نے جنرلوں کو وارننگ دی کہ وہ پاکستان کی بہبود اور وحدت کے لئے سیاست سے دور رہیں۔ انہوں نے بغاوت کے رہنماؤں کو خود غرض افراد قرار دیا۔ فوجی بغاوت کچل دی گئی اور خانہ جنگی نہ ہوئی۔ دوسری طرف اگر یہ فوجی بغاوت کامیاب ہو جاتی تو وہ اپنے آپ کو ، پاکستان کے نجات دہندہ کہلواتے۔ جنہوں نے بڑی ہچکچاہٹ کے بعد پاکستان کو خانہ جنگی سے بچانے کے لئے یہ اقدام کیا تھا۔

1972 کے اواخر اور **1973** کے اوائل میں، ایک سال کی تباہ کن خانہ جنگی کے بعد، جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان علٰحدہ ہو گیا، ایک اور فوجی بغاوت منظم کی گئی۔ فوجی بغاوتوں کے تمام ٹین کے برتن اپنی خاصیت کے حوالے سے ذاتی ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سازش انتہائی ذاتی تھی۔ چیف آف آرمی سٹاف جنرل ٹکا خان نے مجھے تعلقات کا ایک چارٹ دکھایا اور بتایا کہ بغاوت کی یہ کوشش "فیملی کورپس" کی تھی۔ کچھ سینئر اور کچھ جونئر افسر جو ایک سیاست دان کے رشتے دار اور دوست تھے اور خود پہلے مسلح افواج میں رہ چکا تھا۔ اس سازش کے تیار کرنے والے تھے۔ اس ہونے والی فوجی بغاوت کا طربیہ پہلو یہ ہے کہ ان سازشیوں نے بہت سا وقت اس بات پر ضائع کر دیا کہ اس فوجی بغاوت کے لئے کون سا مناسب اور موزوں جواز فراہم کیا جائے اس سیاست دان کا بیان انٹیلجنس جیسی ایجنسیوں کو خفیہ ٹھکانے تک لے گیا۔ ان سازشیوں پر مقدمہ ان کے اپنے بڑوں نے چلایا۔ جنرل ضیاالحق اس عدالت کا پریذائڈنگ افسر تھا۔

1951 ء کی کوشش کو حیدر آباد (اصل میں راولپنڈی کیس) سازش کیس کا نام ملا اور

1973 کی کوشش کو اٹک سازش کیس کہا گیا۔ جب مقدمے کی سماعت ختم ہوگئی تو میں نے جنرل ضیاالحق کو راولپنڈی طلب کیا۔ تاکہ وہ اپنے تاثرات دے سکے۔ انہوں نے مجھے اس سازش کے پس منظر میں کام کرنے والے اسباب و محرکات کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ میں اس ذاتی اور خود غرضانہ جواز پر حیران رہ گیا۔ جس نے ان سازشیوں کو بغاوت پر ابھارا تھا۔ اس کوشش کے لئے ایک بھی وجہ، جواز یا سبب سرے سے موجود نہ تھا۔ سازش کی بنیاد خود غرضی پر رکھی گئی تھی۔ اس میں المناک بات یہ تھی کہ پاکستان کے 1971 میں دو ٹکڑے ہونے کے بعد اتنی جلدی یہ بغاوت تیار کی گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تاریخی المیے جنہوں نے فوجی حکمرانی سے جنم لیا تھا وہ اقتدار کے اندھے افراد کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتے تھے۔ ان کے لئے خون اتنا ہی بے حقیقت تھا جیسے ایک بطخ کے لئے پانی، فوجی حکومت کی عظیم غلطیاں خواہ وہ خارجی تھیں یا بیرونی، ان کی وہ آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہ تھیں۔ مسلح افواج کی سیاست کے ساتھ آلودگی نے ان تک کوئی پیغام نہیں پہنچایا تھا۔ مشرقی پاکستان کی تباہی اور نوے ہزار جنگی قیدیوں کا ہتھیار ڈالنا، انہیں ایک بھی بنیادی اور ابتدائی سبق نہ سکھا سکا تھا۔

پاکستان 14 اگست 1947ء کو ایک اسلامی وفاقی جمہوریہ کی حیثیت سے قائم ہوا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ پہلی فوجی بغاوت کی کوشش جنرل محمد اکبر خان نے 1951 میں کی تھی پاکستان کی تخلیق کے صرف تین برس بعد۔ دوسری فوجی بغاوت اکتوبر 1954ء میں ہوئی۔ جب گورنر غلام محمد نے پاکستان کی خودمختار آئین ساز اسمبلی توڑ دی اگر پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان کی مکمل پشت پناہی نہ ہوتی تو یہ غیر آئینی اور غیر اخلاقی قانونی کارروائی باثمر نہ ہو سکتی تھی۔ اس مضبوط و توانا تعاون اور مدد کے بغیر غلام محمد ایسی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اور تیسری ظاہری فوجی بغاوت اکتوبر 1955ء میں ہوئی جب مارچ 1940ء کی قرارداد لاہور میں صوبوں کی خود مختاری ختم کر کے مکمل طور پر خلاف ورزی کرتے ہوئے مغربی پاکستان کو ون یونٹ بنا دیا گیا۔ یہ کام انہی فوجوں نے وہی طاقت استعمال کر کے کیا تھا، جنہوں نے ایک سال پہلے دستور ساز اسمبلی کو ختم کیا تھا۔

اکتوبر 1958ء میں سخت تر چیز ظہور میں آئی۔ جب جنرل ایوب خان نے فوج کے ذریعہ حکومت پر قبضہ کر لیا۔ مارچ 1969 میں جنرل یحییٰ خان نے فوج کے ذریعے حکومت سنبھالی ۔ مارچ 1973 میں بریگیڈیروں کی بغاوت کو کچل دیا گیا۔ 5 جولائی 1977 کو موجودہ فوجی بغاوت معرض وجود میں آئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کے قیام کے تیس برسوں میں یہاں

(ا) دو بار فوجی بغاوتوں کی کوشش کی گئی۔

(ب) دو بار بظاہر فوجی بغاوتیں ہوئیں۔

(ج) تین بار مکمل اور پوری فوجی بغاوتیں ہوئیں۔

وہ معمولی کوششیں جو خانہ جنگی کو روکنے کے لئے جنرل اعظم خاں کے مارشل لاء کی صورت میں احمدیوں کے خلاف 1953 میں لاہور میں احتجاج میں کی گئیں سے قطع نظر، پاکستان میں خانہ جنگی کو روکنے کے لئے گذشتہ تیس برسوں میں سات بڑی کوششیں کی گئیں۔ یہ بہت عجیب اور حیران کن محسوس ہوتا ہے کہ وہ مسلمان جنہوں نے متحد ہو کر پاکستان کے حصول کے لئے برطانوی استبداد و سامراج اور ہندو برتری کے خلاف جدوجہد کی اور اتحاد کے ایک معجزانہ مظاہرے کے ساتھ پاکستان حاصل کیا، وہی مسلمان بار بار جب موسم خزاں کی تعطیلات ختم ہونے والی ہوتی ہیں، خانہ جنگی پر تُل جاتے ہیں۔ ترقی اور توسیع کی بُھوک، تنگے اقتدار کی نہ بجھنے والی پیاس، ایک عادت بن جانے والے نشے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہ خانہ جنگی کے المیے کو جنم دے سکتی ہے!!

خارجی بُحران

آئیے پاکستان میں جو فوجی بغاوت ہوئی اور حکومت کا اچانک تختہ الٹ دیا گیا، اس کا موازنہ ایشیا اور افریقہ میں ہونے والی اسی قسم کی فوجی بغاوتوں سے کریں ۔ یہ بہت حساس موضوع ہے اور ایشیا سے دو اور افریقی ملکوں سے ایک ہی مثال دی جارہی ہے ۔ ایشیا میں، تھائی لینڈ میں فوج نے حکومت کا تختہ الٹا تو اس ملک میں علحٰدگی پسندی کی تحریکوں میں جان پڑ گئی اور شدید تر ہو گئیں ۔ اگر تھائی بادشاہت نے اتحاد کا ایک معاہدہ پہلے سے فراہم نہ کیا ہوتا تو ملک اس وقت تک ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہوتا ۔ فلپائن میں ایک سویلین صدر کے ذریعے مارشل لا لگایا گیا جس سے منڈ و ناؤ کے علاقے میں علحٰدگی کی تحریک تیز تر ہو گئی۔ اس کے برعکس ملائیشیا کے نئے اور لاغر اتحاد کو دیکھیئے جو ڈنکن سینڈیز کی ریتیلی زمین پر تعمیر کیا گیا تھا ۔ غیر متوقع طور پر مضبوط ہوتا دکھائی دے رہا ہے ۔ یہ سب جمہوریت کے طفیل ہوا ہے ۔ آئیے اپنے "عظیم اور پیارے" بھارت کی طرف دیکھیں۔ اگر بھارت کو بھی پاکستانی قسم کے مارشل لاؤں اور فوجی آمریتوں کو برداشت کرنا پڑتا تو بھارت اس وقت تک تین چار ٹکڑے ہو جاتا بھارت میں پاکستان سے کہیں زیادہ عدم ہم آہنگی پائی جاتی ہے ۔ لیکن اگر ایک وحدت کی صورت میں ہے تو اپنی جمہوریت کے شوروغل کی وجہ سے ہے۔ موریطانیہ میں جو حالیہ فوجی بغاوت ہوئی اور فوج نے حکومت قائم کی ہے اگر وہ اسی درجے میں آتی ہے جو زیر نمود ہے تو لازمی طور پر یہ بغاوت اسلامی جمہوریہ موریطانیہ کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے گی ۔ اور یہ دوسری اسلامی جمہوریہ ہوگی جو اس صورتِ حال سے دوچار ہو رہی ہے ۔

وہ موضوعات جو اس میں شامل ہیں بہت نازک اور سنگین ہیں ۔ لیکن موجودہ حکومت کو دیکھئے کہ وہ تو قرطاسِ ابیض تیار کر کے اپنا وقت گذار رہی ہے جو حقیقت میں "بے کار کاغذ" ہے اور اسے اسی کام کے لئے استعمال کیا جانا چاہئے۔ خدا کے لئے آئیے ہم خود سنگین قومی مسائل کے لئے اپنے آپ کو مخاطب کریں۔ اس سے پہلے جو پیچھے کو لے جانے والی تدابیر اس

فوجی حکومت نے اختیار کیں، انہیں چھوڑ کر ، میں نے بلوچستان کے کسانوں کو اراضی کی منتقلی کے لئے مارشل لا ریگولیشن ۱۱۵ نافذ العمل کیا تھا۔ اسے معطل کر دیا گیا ہے اور یہ معطلی ضرر رساں ہے ۔

یہ اصلاحات جس میں کہ اراضی سٹلمینٹ کا سروے مکمل ہو چکا ہے ، اس کی معطلی کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اسے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ بلوچستان کے سابقہ سردار، ان اصلاحات کی منسوخی میں آپ کے ساتھ نہیں ہیں۔ ایسی اصلاحات کا خاتمہ کر کے، آپ بلوچستان کے کسانوں کو بھی کھونا چاہتے ہیں۔ حتیٰ کہ بلوچستان کی بہت اچھی طرح بُجھی ہوئی "سمجھی" بھی علحدگی کے لئے بہتر کھاتا نہیں ہے۔

مارشل لا حکومت نے صرف یہی ناپسندیدہ اقدام نہیں اٹھایا۔ جسے چاروں صوبوں کا مینڈیٹ حاصل نہیں ہے۔ یہ قدرتی امر ہے کہ جب وہ شراکت کی حِس محسوس ہی نہیں کرتے اگر سیاسی طور پر انتشار اور جنگل کا سماں ہے تو پھر قومی وحدت مجروح ہوتی ہے اور علحدگی پسندی کے رجحانات کو فروغ ملتا ہے ۔ یہی رجحانات خارجہ پالیسی میں بھی در آتے ہیں بین الاقوامی خارجہ امور میں، میرا فرض مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں صرف سوالات اُٹھاؤں جن سے قومی مفادات کو نقصان پہنچ رہا ہے ۔

(ا) پاکستان افغانستان تعلقات

افغانستان کے مسئلے میں یہ متذبذبانہ پالیسی کام نہیں آئے گی وہ پیچیدہ اور اُلجھا ہوا جالا جو تاریخ کے تین سو، یا اس سے زیادہ عرصے کا ورثہ، اسے صرف صدر داؤد کا شالامار باغ میں ہاتھ اُٹھا کر یا افغان سفارت خانے کے استقبالیے میں شرکت کر کے ، ہٹایا نہیں جاسکتا ۔ اس کے لئے بہت کچھ کرنا پڑے گا ۔ فوجی حکومت ابتک افغانستان کی نئی حکومت کے ساتھ زیادہ رسم و راہ پیدا نہیں کر سکی۔ میری حکومت نے اس سلسلے میں بھی کامیابیاں حاصل کی تھیں ، جن سے اشتعال انگیزیوں کا خاتمہ ہوا تھا، موجودہ حکومت نے اس سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں کی بلکہ پسپائی کی ہے ۔

ایک خاصے عرصے کے جو بعد تناؤ اور پریشانیوں سے بھرا ہوا تھا ، جون ۱۹۷۶ء کے پہلے ہفتے میں، افغانستان کے سابق صدر سردار محمد داؤد نے مجھے کابل آنے کی دعوت دی تاکہ اس پر مذاکرات کئے جائیں اور تصفیہ کیا جائے جسے کابل والے پاکستان اور افغانستان کے درمیان "واحد

سیاسی اختلاف" کہتے ہیں۔ کابل میں جو شدید نوعیت کے مذاکرات ہوئے اسی کے نتیجے میں یہ بات سامنے آگئی کہ افغان چاہتے تھے کہ نیپ کے ان رہنماؤں کو رہا کر دیا جائے جنہیں حیدر آباد کے خصوصی ٹریونل نے سزا دی تھی ۔ اس کے بعد وہ تبادلے میں ڈیورنڈ لائن کو پاکستان اور افغانستان کے درمیان بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیں گے۔ میری طرف سے، یہ اصرار تھا کہ دونوں اقدام بیک وقت ایک معاہدے کی صورت میں کئے جائیں۔

چونکہ باتیں کسی حتمی نتیجے تک نہ پہنچ سکیں اس لئے یہ فیصلہ ہو کہ مذاکرات اور مفاہمت کو رکھنے کے لئے افغانستان کے سابق صدر پاکستان تشریف لائیں گے ۔ اس دوران میں، ایک تاریخی مشترکہ اعلامیہ، جو بنڈ ونگ کے بقائے باہمی کے اصولوں پر مشتمل تھا، کابل کے دورے کے خاتمے پر جاری کیا گیا۔ جب صدر داؤد اور ان کا وفد اگست ۱۹۷٦ء میں پاکستان آئے تو کابل میں جو مذاکرات ہوئے تھے ان کے تسلسل کو راولپنڈی کے مذاکرات میں جاری رکھا گیا۔ پہلے راؤنڈ کے بعد، پاکستان اور افغانستان کے وفود کو ان کے رہنماؤں نے یہ ہدایات جاری کیں کہ وہ ایک پیک وقت پیکج معاہدے کا فارمولا تیار کریں ، راولپنڈی سے دونوں رہنما اور ان کے وفود لاہور گئے جہاں صدر داؤد کو شالیمار باغ میں پرجوش استقبالیہ دیا گیا۔ دونوں جانبین کے وفود آدھی آدھی رات تک کام کرتے تھے تاکہ ایک تحریری فارمولا تیار کر سکیں۔ بالآخر یہ فارمولا مکمل ہو گیا ۔ اس میں اعلان کیا گیا تھا کہ افغانستان ڈیورنڈ لائن کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کرتا ہے اور اسی وقت پاکستان نیپ کے رہنماؤں کو آزاد کر کے، عام معافی دے گا۔ مسٹر عزیز احمد جو اس وقت وزیر مملکت برائے امور خارجہ تھے، اس تحریری فارمولے کو میرے پاس لاہور کے گورنمنٹ ہاؤس میں لائے تاکہ اس کی حتمی منظوری دی جا سکے۔ میں نے فارمولا کا مطالعہ کیا اور کہا" میں مطمئن ہوں" اس اطمینان کا اظہار صدر داؤد نے کیا تھا ۔ اب ایک رسمی تقریب میں اس معاہدے پر کابل میں دستخط ہونے تھے۔ اس کے بعد کے واقعات نے کابل کے دورے کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔

صدر داؤد مارچ ۱۹۷۸ کے اوائل میں پھر پاکستان آئے تاہم اس وقت وہ برتری کے اعتماد کا مظاہرہ کر رہے تھے اگست ۱۹۷٦ میں اُنہوں نے جس پاکستان کا دورہ کیا، یہ پاکستان اس سے مختلف تھا۔ وقت ان کی حمایت میں جاچکا تھا۔ ولی خان کی حمایت حاصل کرنے کے مشتاق، جو میرے اور پی پی پی کے خلاف تصادم کا کوئی موقعہ فروگذاشت نہ کرتے تھے، ولی خان اور دوسروں کو دوسری طرف تبادلے کے بغیر ہی رہا کر دیا ۔ اور سیاسی اختلاف باقی رہا۔ اس نئی صورت حال نے اس حل نہ ہونے والے اختلاف سے ،بلوچ اور پختون رہنماؤں کو مسلح کر دیا کہ وہ اسے اپنے مفادات کے لئے استعمال کر سکیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ فوجی حکومت نے معاہدے

کے ڈرافٹ کو ایک کر پڑنے والے مقصد کے لئے ترک کر دیا کہ اس طرح ینپ فوجی ٹولے کے ساتھ تعاون نہیں کرے گی۔ اس طرح ان کے سربر آوردہ رہنماؤں کی سیاسی خودکشی ہو جائے گی۔

جنرل ضیاء الحق کی صدر داؤد سے دو ملاقاتیں ہو چکی ہیں، ایک کابل اور ایک پاکستان میں ۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس معاہدے کے ڈرافٹ کو ایک باقاعدہ معاہدے کی صورت دینے کے لئے صدر داؤد کی حکومت کے خاتمے سے پہلے، امکانات پیدا کئے جاتے ۔ افغانستان میں انقلاب نے فوجی حکومت کو مشکل اور تذبذب میں پھنسا دیا ہے، افغانستان میں جو ہلچل پیدا ہوئی ہے اس کے بارے میں پھوہڑپن پر مبنی ردعمل ظاہر کیا جا رہا ہے ۔ موجودہ افغانستان حکومت کو تسلیم کرنے میں فوجی حکومت نے غیر ضروری تاخیر کر دی ہے ۔ غیر دانشمندانہ رویہ کے مطابق، انہوں نے اپنے کنٹرولڈ پریس میں افغانستان کے انقلاب پر حملوں کی اجازت دیدی ہے اور اس کے ساتھ پی این اے کے مسخروں کے معاندانہ بیانات شائع کئے جا رہے ہیں ۔ بصیرت کے فقدان کی وجہ سے، یہ فوج کے ذریعے حکومت کا اچانک تختہ الٹنا اور افغانستان میں جو انقلاب آیا ہے اس کے فرق اور اثرات کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں۔

اگرچہ انقلاب کی سربراہی اور سرکردگی مسلح افواج نے ہی کی تھی لیکن نئی حکومت پر سویلین پارٹی کے لیڈروں کا کنٹرول ہے جو سیاست کا فن جانتے ہیں۔ موجودہ افغان حکومت، سیاسی سطح پر اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے پاکستان کی موجودہ حکومت کی کمزوریوں اور غلطیوں کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے گی ۔ وہ پرندہ جس کا نام ادل بدل تھا ، وہ پنجرے سے اڑ گیا ہے۔ فوجی حکومت ایک دن سخت باتیں کرتی ہے اور دوسرے دن نرم، ایسی توقع رکھی ہی جانی چاہئے کیونکہ یہ حکومت کسی منصوبے کے بغیر چل رہی ہے ۔ اس وقت بہت ہی احتیاط سے قدم اٹھانے کی ضرورت ہے کیونکہ ڈیورنڈ لائن کے دونوں طرف مسلمان ہی بستے ہیں ۔ یہ سلسلہ چلتا رہا تو اس کی گونج اور دھمک ایران اور بھارت میں سنی جائے گی۔ کیونکہ ایران اور بھارت میں بھی مسلمان رہتے ہیں۔ غلط اور ناقص اقدام، جو غیر مؤثر اور ناقص فیصلوں کے تحت اٹھائے جائیں گے ان سے ہلکی موسیقی ایک سمفنی میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے۔

افغانستان اور پاکستان کے تعلقات پھر سے پیچھے لوٹ کر شروع ہو رہے ہیں ، یہ اس لئے اور بھی زیادہ المناک ہے کہ کشیدہ تعلقات کا باب ختم ہونے والا تھا۔ جب جنرل کابل گیا تو وہ آج کے مقابلے میں، خارجہ امور اور حکومت کے بزمیں زیادہ مبتدی تھا، پیشہ ور افراد ایک طرف کھڑے ہو کر اسے بد باطن افغان سفارت کار کے ساتھ سفارتی ڈیوئیل کے اکھاڑے میں داخل

ہوتے دیکھتے رہے۔ اس کے نتیجہ کی پہلے سے پیشگوئی ہو چکی تھی۔

قسمت اپنی سادیت کا کھیل اپنے ہی شوخ و شنگ انداز میں کھیلتی ہے۔ جون ۱۹۷۶ کو کابل روانہ سے پہلے پشاور میں ایک کانفرنس میں نے اس مقصد کے لئے بلوائی کہ اپنی حکومت کے سربر آوردہ افراد کے ان خیالات سے آگاہ ہو سکوں جو پاکستان افغانستان کے تعلقات کے مستقبل سے وابستہ تھے ۔ چیف آف آرمی سٹاف نے اس موقعہ پر کہا کہ کانفرنس کا حتمی وقت اسلئے ضائع نہیں کریگا کہ تھوڑا علم بہت خطرناک ہوتا ہے اسنے اپنی مختصر اور مؤدب تقریر کو یہ کہتے ہوئے ختم کیا کہ وہ جانتا ہے کہ افغانستان کے ساتھ ہونے والے مذاکرات میں، میرے (بھٹو) کام سے بہتر ہاتھوں میں نہیں ہو سکتے ۔ ہاں بلاشبہ، "تھوڑا علم ایک خطرناک چیز ہے لیکن شیکسپیئر پر کون اعتماد کرتا ہے؟

(ب) بھارت پاکستان تعلقات

اس ضمن میں بہت سے سوال جائز اور حقیقی ہیں، میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ برطانیہ کے وزیر اعظم کے اعزاز میں جو ضیافت دی گئی ۔ اس میں بھارت کو ایک پیارا اور عظیم ہمسایہ کہا گیا۔ یا پھر یہ کہ جنرل ضیاء نے "کچھ دو اور لو" کی ترکیب ، کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لئے "ایسے سمجھوتے اور جھکے ہوئے انداز میں اپنائی ہے ۔ بھارت کی سلامتی کو سلال ڈیم اور راجستھان نہر کے معاہدوں سے کیا خطرہ ہے؟ راجستھان نہر ایک کثیر المقاصد منصوبہ ہے، مزید بر آں چونکہ یہ آبپاشی کا ایک منصوبہ ہے یہ فوجی قلعہ بندی نہیں ہے ، جس سے پاکستان کی مضبوطی اور بی آر بی نہر بھی زد میں آتی ہے ۔ راجستھان نہر ایک جدید میگنوٹ لائن ہے ۔ اگر میری حکومت چار سالوں تک ایران کی حکومت کو یہ ترغیب دے سکتی ہے کہ وہ بھارت کو اس منصوبے کے لئے قرضہ نہ دے، تو یہ فوجی حکومت بھی ایسا کر سکتی تھی اگر وہ اس مسئلے کو سنجیدگی سے لیتی۔

پاکستان اور بھارت کو جس اہم ترین مسئلے کا سامنا ہے وہ مسئلہ کشمیر ہے ۔ شملہ میں مناسب اقدامات کئے گئے تھے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کن میکاویلین مقاصد کے لئے، کنٹرولڈ پریس بھی اور اس کے ان بے ہودہ صحافیوں نے، جو موجودہ قومی حکومت کے لئے محکمۂ اطلاعات اور نشریات میں کام کرتے ہیں، شملہ معاہدے میں ایک خفیہ شق کا شوشہ کیوں چھوڑا۔ موجودہ حکومت اچھی طرح جانتی ہے کہ ایسی کوئی خفیہ شق وجود نہیں رکھتی۔ اسکے باوجود اس جھوٹ اور فریب کی تشہیر جاری ہے۔ مقصد بالکل واضح ہے ۔ دراصل یوں مشروط اطاعت کی راہ بنانے کے لئے میرے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلائی جا رہی ہے ۔ اگر شملہ معاہدہ میں کوئی خفیہ شق

ہوتی تو وہ بہت عرصہ پہلے عوام کے سامنے آچکی ہوتی ۔ اندرا گاندھی اسے انتخابی مہم میں ظاہر کر دیتی۔ جنتا حکومت برسر اقتدار آنے کے بعد اسے سب کے سامنے رکھدیتی۔ اگر کوئی خفیہ شق واقعی وجود رکھتی ہے تو پھر ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو حکومت کا جبری تختہ الٹنے والی حکومت نے اس کو کیوں ظاہر نہ کیا۔

اس وقت اور اس کے فوری بعد بہت سی کہانیاں بنائی گئی تھیں تب وہ اتنے شرمیلے کیوں تھے کہ یہ بات نہ بتا سکے، حتٰی کہ مسٹر واجپائی جب فروری ۱۹۷۸ میں پاکستان آئے تو انہوں نے بھی ایسا کوئی بوگس انکشاف نہ کیا۔ کوئی مبہم بیان دینے کے بجائے وہ اس خفیہ معاہدے کا متن پیش کر کے اعلان کر سکتے تھے "سوری حضرات ، بھارت اور پاکستان ، ہماری سابقہ حکومتوں کے حوالے سے ایک خفیہ معاہدے میں بندھے ہوئے ہیں ، جسے میں آپ اور دنیا کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ اسے قبول کر لیا جائے۔" مسٹر واجپائی نے اس قسم کی کوئی بات نہ کہی بلکہ انہوں نے اس خفیہ شق کے متعلق اشارہ تک نہ کیا ۔ کیونکہ ایسی شق موجود ہی نہیں ہے ۔ اسکے برعکس انہوں نے شملہ معاہدہ، جیسا کہ موجود ہے اور وجود رکھتا رہا ہے اور اس کے وجود کا سلسلہ اسی کھلی شکل میں جاری ہے جس طرح جون ۱۹۷۲ میں طے پایا تھا اس کا وجود برقرار رکھنے پر زور دیا۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔

اس جھوٹ اور شر کا پروپیگنڈہ دو اہم وجوہات کی بنا پر کیا جاتا ہے ۔ اولاً یہ کہ کسی خفیہ مفاہمت کے عدم وجود کے تحت کشمیر کا تنازعہ اقوام متحدہ میں اُٹھایا نہیں جا سکتا ثانیاً سیز فائر لائن کی اصطلاح شملہ معاہدے میں لائن آف کنٹرول ، میں تبدیل کر دی گئی تھی ۔ شملہ معاہدے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو پاکستان کو تنازعۂ کشمیر کو اقوام متحدہ میں لے جانے کی راہ میں رکاوٹ بن سکے ۔ کشمیر کا تنازعہ تیس برسوں سے اقوام متحدہ کے سامنے ہے۔ اس کے باوجود یہ مسئلہ حل نہیں ہوا ۔ پی پی پی کی حکومت چاہتی تھی کہ اقوام متحدہ کی طرف رجوع کرنے سے پہلے تمام دوطرفہ تعلقات کو پوری طرح بروئے کار لائے ۔ اس حوالے سے پی پی پی کے دوطرفہ تعلقات کے نظریئے کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے ۔

کشمیر کا تنازعہ اب بھی اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر موجود ہے۔ اگر اقوام متحدہ کے راستے کو شملہ معاہدے سے بند کیا جاتا ہے تو پھر اس مسئلے کو اقوام متحدہ سے واپس لیا جاتا اطاعت گذاری سے خوشنودی حاصل کرنے والوں کے غبارے سے تو اس حقیقت سے ہی ہوا نکل جاتی ہے کہ یہ پی پی پی کی حکومت تھی جس نے کشمیر کا تنازعہ اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر برقرار اور بحال رکھا ۔ اقوام متحدہ اب بھی متنازعہ لائن کی نگرانی کرتی ہے ۔ اس کے فنڈز بہت تھوڑے ہیں۔ اگر تنازعہ کشمیر کو شملہ معاہدے کے ذریعے ختم کیا جاتا تو اقوام متحدہ کے فوجی دستے فوراً ہٹا

لئے جاتے ۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کے دور میں ہماری حکومت کو اتنی جرات نہیں ہوئی تھی کہ وہ اقوام متحدہ سے یہ درخواست کر سکے کہ متنازعہ لائن سے اقوام متحدہ کے دستے ہٹا لئے جائیں ۔ ۱۹۷۶ کے موسم سرما میں ڈنمارک کے وزیر دفاع نے ڈینش فوجی دستوں کا معائنہ کیا تھا جو اقوام متحدہ کی طرف سے کشمیر کی دونوں اطراف میں تعینات ہیں۔

بہر حال، حال ہی میں یہ رپورٹ دی گئی ہے کہ بھارتی وزارتِ خارجہ کے ایک ترجمان نہ کہ صحیح طور پر وزارت خارجہ کے ایک ترجمان، نے کہا ہے کہ جب جنرل بھارت آئے گا تو بھارت انہیں اقوام متحدہ کے مبصروں کو ہٹانے کے لئے کہے گا۔ بھارت کی وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے کہا کہ اقوام متحدہ کے فوجی دستوں کا انخلا پروان چڑھتے تعلقات کی روشنی میں ہو گا۔ جہاں تک "سیز فائر" اور کنٹرول لائن کا تعلق ہے تو دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے ۔ سیز فائر لائن ۔ کنٹرول کرنے کی ایک لائن ہوتی ہے اور کنٹرول لائن ۔ سیز فائر لائن ہوتی ہے۔ یہ باہم کر تبدیل ہونے والی اصطلاحات ہیں ۔ سیز فائر لائن کی اصطلاح کو کنٹرول لائن کی اصطلاح میں تبدیلی پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا تھا۔ گذشتہ پچیس برسوں سے سیز فائر لائن کی اصطلاح ایسی شدت اور فراوانی سے استعمال ہوئی ہے کہ یہ اپنی اہمیت کھو بیٹھی ہے ۔ اسے لائن آف کنٹرول میں تبدیل کر کے اس کی اہمیت بر قرار کی گئی اور متحرک بنایا گیا ہے ۔ اس سے بڑی زیادتی بنیادی فرائض کے ساتھ نہیں کی جا سکتی کہ قوم کو کنٹرولڈ پریس کے ذریعے ایسی گمراہ کن تشریحات کر کے دی جائیں جو ضرر رساں ہوں اور جو چیزیں پاکستان کے بہتر مفاد میں ہوں ان کی اہمیت کم کی جائے۔

پاکستان اور بھارت کے مابین "فروغ پذیر تعلقات" ۵ جولائی ۱۹۷۷ کے بعد سے اس طرح "فروغ" پا رہے ہیں،

(۱) مسٹر واجپائی کا دورۂ پاکستان۔
(۲) مسٹر آغا شاہی کا دورۂ بھارت۔
(۳) سلال ڈیم معاہدہ
(۴) ٹریڈ مشنز، ٹرانزٹ مفاہمت۔
(۵) کلچرل اور سپورٹس مشن وغیرہ۔

۱۷ اگست ۱۹۷۸ کو لیبیا کے وائس پریذیڈنٹ سے ملنے کے بعد، راولپنڈی ائرپورٹ پر صحافیوں سے غیر رسمی گفتگو کرتے ہوئے، چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نے لیبیا کے وائس پریذیڈنٹ کے ان ریمارکس پر خوشیاں منائیں کہ دونوں ملکوں کے اچھے تعلقات شخصیات کی وجہ نہیں تھے ۔ لیکن دوسرے ہی سانس میں، جب ان کی توجہ اس اعتراض کی طرف مبذول کی گئی، جو

بھارتی وزیر خارجہ نے شاہراہ قراقرم کے متعلق کیا تھا تو جنرل نے بین الحکومتی تعلقات میں شخصیات کے عناصر کو شامل کرتے ہوئے کہاکہ وہ ذاتی طور پر مسٹر واجپائی کا بے حد احترام کرتے ہیں، اس لئے وہ اب اس پر کوئی رائے نہیں دیں گے۔

وہ بے حد احترام جو چیف مارشل لاءایڈ منسٹریٹر کے دل میں ایک جنونی جن سنگھی لیڈر کے لئے کے پیدا ہوا، اسے اس پہلی ملاقات کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جو ان دونوں کے مابین اسلام آباد میں گذشتہ فروری میں صرف دونوں میں ہوئی تھی۔ عام طور پر بے حد احترام تو خاصا وقت گذرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے یہ کوئی راز نہیں ہے کہ ایک زمانے میں اٹل بہاری واجپائی ہندوستان کے مسلمانوں کا کٹر دشمن تھا، وہ مسلمانوں کا نمبر ایک دشمن تھا۔ اس کی پارٹی کے فرقہ وارانہ اغراض ومقاصد، جنہیں مسٹر واجپائی متعدد بار دہراتے اور ہوا دیتے رہے یہ تھے کہ ہندو مذہب اور برتری کو برصغیر پر مسلّط کیا جائے۔ عوامی زندگی میں اُس نے جو مقام بنایا وہ کٹر مسلم دشمنی کی وجہ سے بنا۔

چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر اپنی دانشمندی کا خود مالک ہے۔ لیکن اگر لیبیا کے نائب صدر کے ریمارکس کا حوالہ تصدیق و توثیق کے ساتھ دیا گیا تھا تو پھر کوئی ایسا جواز نہ تھا کہ شاہراہِ قراقرم جیسے اہم مسئلے پر جواب دیتے ہوئے ذاتی عنصر کو شامل کیا جاتا۔ جبکہ کسی بھی ہچکچاہٹ کے بغیر، چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر کو اس کا واضح اعلان کرنا چاہئے تھا کہ بھارت کا سرے سے اس معاملے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ شاہراہ قراقرم جیسے امور، جو اعلیٰ قومی مفاد سے تعلق رکھتے ہیں تو وہ بھارت کے اہانت آمیز سخت مداخلت کو یہ کہتے ہوئے نگل لیتے ہیں کہ وہ اس پر اس لئے کوئی رائے نہیں دیں گے کہ وہ مسٹر باجپائی کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جب میرے قتل کو روکنے کے لئے انہیں کہا جاتا ہے تو وہ چیخنے چلانے لگتے ہیں کہ یہ داخلی امور میں خارجی مداخلت ہے۔

دو ماہ پہلے، جب سے شاہراہ قراقرم کا افتتاح ہوا ہے، اسوقت سے بھارت اس شاہراہ کی "غیر قانونی" تعمیر پر چیختے ہوئے احتجاج کر رہا ہے۔ لوک سبھا میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ اس شاہراہ کی تعمیر کو سامنے رکھتے ہوئے، بھارتی وزیر خارجہ کو اپنا دورۂ چین منسوخ کر دینا چاہئے جو اس سال اکتوبر میں طے پاچکا تھا۔ بھارتی وزیر خارجہ نے لوک سبھا کے ارکان کو یقین دلایا کہ چین کے دورے کے دوران وہ یقیناً یہ مسئلہ چینی حکومت کے سامنے اٹھائیں گے کہ اس شاہراہ کی "غیر قانونی" تعمیر جو پاکستان اور چین کو ملاتی ہے، بھارت کے کشمیر کے غیر قانونی مقبوضہ علاقے میں کی گئی ہے۔

بھارت کے وزیر اعظم نے بھی ایسی ہی وجوہات کی بنا پر اس وقت اعتراض کیا جب حال ہی میں وہ سری نگر گئے تھے۔ اس نے کہا کہ پورا جموں اور کشمیر بھارت کا جزو ہے، بہرحال بلآخر جب چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر کو یہ موقع نصیب ہوا کہ وہ تمام غلط فہمیاں دور کر سکیں، اور لوگوں کو بتا سکیں کہ پاکستان بھی بھارتی مداخلت کو برداشت نہیں کرے گا۔ اور اس معاملے کا بھارت سے کوئی تعلق نہیں تو ایسا کرنے کے بجائے انہوں نے عذر لنگ کے ذریعے سچائی سے غداری کی۔ بھارت اور پاکستان کا تنازعہ کسی رقص سے حل نہ ہو سکے گا۔

(ج) غیر جانبدار کانفرنس

کیا غیر جانبدار ملکوں کی تعارفی کانفرنس منعقدہ بلغراد میں شرکت کرنے سے پہلے تمام عوامل اور امور کا جائزہ لے کر صحیح فیصلہ کیا گیا؟ پاکستان کو غیر جانبدار ملکوں کی اس مجلس اور اقوام میں دوسرے درجے کے شہری کی حیثیت دے کر پاکستان کی توہین کرائی گئی۔ ان پیچیدگیوں اور الجھاؤں کا پہلے سے اندازہ لگاتے ہوئے، میری حکومت نے کئی دوست غیر جانبدار ملکوں کی اس پیش کش کو قبول نہ کیا تھا کہ وہ پاکستان کو کولمبو میں منعقدہ اگست ۱۹۷۶ کانفرنس میں شرکت کی ذمے داری لیتے ہیں جب میں جنوری ۱۹۷۶ میں سری لنکا گیا تو وزیر اعظم بندرا نائیکے نے استفسار کیا کہ میں کانفرنس میں شرکت سے کیوں ہچکچاتا ہوں جبکہ پاکستان کے کئی غیر جانبدار دوست ملک یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان بطور "مبصر" اس میں شرکت کرے۔ میں نے مادام بندرا نائیکے کو بتایا کہ اگر اگست ۱۹۷۶ کی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تو بھی پاکستان بڑے ادب سے یہ دعوت قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ پاکستان ایک جانبدار ریاست ہے۔

پاکستان سینٹو کا طرفدار ہے نیٹو کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ پاکستان نے سینٹو کی فوجی مشقوں میں حصہ لیا جو سینٹو کے زیر اثر اور ذمہ سے باہر کے علاقے ہیں یہ مشقیں سکاٹ لینڈ میں ہوئیں تھیں۔ پاکستان کے لئے یہ کس قدر پیچیدہ امر ہے ایک طرف تو پاکستان نیٹو اور سینٹو کے ساتھ فوجی مشقیں کرے جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھیں، اپنے جانبدار کردار کو مضبوط کرے اور اسی وقت، جولائی ۱۹۷۸ کی غیر جانبدار تحریک کانفرنس میں ایک مبصر کی حیثیت سے بھی حصہ لے۔ یہ ایک بنیادی تضاد ہے جسے کسی طرح دور نہیں کیا جا سکتا۔

یوگو سلاویہ اور رومانیہ کی یہ مثالیں کہ وہ ان کانفرنسوں میں بطور مبصر حصہ لیتا ہے۔ پاکستان کی شرکت کے لئے کوئی جواز مہیا نہیں کرتی ہیں اور نہ پاکستان کے لئے یہ مناسب ہی ہیں۔ یوگو سلاویہ اور رومانیہ کے کسی ایک بھی غیر جانبدار ملک کے ساتھ علاقی تنازعہ نہیں ہے۔

پاکستان کے دو اہم اور بارسوخ غیر جانبدار ملکوں کے ساتھ انتہائی سنگین تنازعات موجود ہیں۔

پاکستان کے یہ دونوں ہمسائے ، غیر جانبدار کانفرنسوں میں دوسرے ملکوں کے رحم و کرم پر، محض مبصر کی حیثیت سے حصہ نہیں لیتے بلکہ بانی ارکان کی حیثیت سے شرکت کرتے ہیں، ایک مبصر کی حیثیت سے ان کانفرنسوں میں حصہ لے کر پاکستان اپنے آپ کو گویا سرو تے میں رکھ دے گا کہ اس کا مغز توڑ دیا جائے ۔ عدم مساوات کی حیثیت سے اسے نقصان پہنچے گا۔ ہمارے ہمسائے اس خاندان کے جائز ارکان ہیں۔ ایسے مسائل کا اطلاق یوگو سلاویہ اور رومانیہ پر نہیں ہوتا ۔ وہ بڑی آسانی سے بطور مبصر اس میں شرکت کر سکتے ہیں۔ یہ یورپی ممالک ہیں جو بہت سے غیر جانبدار ملکوں کو مدد یا تعاون فراہم کرتے ہیں ۔ ان کا تعلق یکسر مختلف درجہ بندی سے ہے ۔ ان کے متوازی پاکستان کے لئے اچھے جذبات نہیں رکھتے۔

اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ یوگو سلاویہ اور رومانیہ نے اسلامی سربراہی کانفرنس میں بھارت کی زبردستی شرکت پر کوئی اعتراض نہیں کیا ۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بھارت بھی اسلامی سربراہی کانفرنس رباط میں زبردستی شریک ہوا تھا۔ اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت کے لئے اس نے جواز کے لئے اپنی سات کروڑ مسلم آبادی کی دلیل دی ۔ یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ بھارت جیسا بڑا ملک اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت کر کے، عرب/ مسلم نصب العین کے زیادہ قریب اور اسرائیل سے دور ہو جائے گا۔ خواہ کوئی بھی مجبوری ہو، بھارت بہر حال پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس میں تقریباً شریک ہو گیا۔ اگرچہ ، سیکولر بھارت ، ایک ہندو ریاست ہے ،اگر جانبدار پاکستان غیر جانبدار کانفرنس میں شرکت کر سکتا ہے تو کیا پاکستان اس قابل ہو گا کہ ہندو بھارت کو اگلی اسلامی سربراہی کانفرنس میں حصہ لینے سے روک سکے؟ ایک بار جب اس بنیادی معیار سے سمجھوتہ کر لیا گیا تو پھر اس کی کوئی حد نہ رہے گی۔

ہر حکومت اپنی تاریخ کی اسیر ہے ۔ اسی طرح یوگو سلاویہ اور رومانیہ پر ان باتوں کا اطلاق نہیں ہوتا۔ نہ ہی پرتگال اور ترکی پر۔ پرتگال اب کسی غیر جانبدار کے ساتھ کسی تنازعے میں ملوث نہیں ہے ۔ اگر وہ گوا کا تنازعہ برقرار رکھتا تو پھر کسی غیر جانبدار کانفرنس میں حصہ نہ لیتا ۔ اگر اس نے انگولا اور موزمبیق کو خالی نہ کیا ہوتا تو بھی وہ شرکت نہ کرتا ۔ ترکی کی تاریخ کسی بھی شبہے کے بغیر انتہائی شاندار ہے ۔ بھارت نے پاکستان کو دوسرے درجے کے شہری کی حیثیت سے کانفرنس میں حصہ لینے کی اجازت دیدی۔ ایک تو اس طرح اس نے پاکستان کو نکو بنا دیا دوسرے اس نے اگلی اسلامی سربراہی کانفرنس میں بھارت کی شرکت کے لئے مثال قائم کر دی ۔ یوں بھارت نے ایک تیر سے دو شکار کر لئے۔

قائد اعظم کی بنیادی دلیل یہ تھی کہ انڈین نیشنل کانگریس مسلم کاز کی ترجمانی کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ گاندھی نے قائد اعظم کے اس تھیسس کو مسترد کر دیا ۔ اس کی شدید مخالفت کی گئی ۔ اس بنیادی اختلاف اور فرق کی وجہ سے کئی بار رخنے پڑے اور بات چیت میں تعطل پیدا ہوا ۔ بالآخر ایک تلخ جدوجہد کے بعد، قائد اعظم کے نظرئے کی کامرانی ہوئی اور اس نے پاکستان کی تخلیق کی ۔ یوں دو قومی نظرئے کے مطابق بھارت مسلمانوں کی جائز خواہشات کی ترجمانی کی اہلیت نہیں رکھتا ۔

جنرل یحیٰ خان جو اس وقت چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر تھا، جب اُسے بعد از وقت اپنی انتہائی شدید ترین غلطی کا احساس ہوا کہ وہ رباط میں پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس میں بھارت کی شرکت و موجودگی پر تقریباً رضامندی کا اظہار کر چکا ہے تو اس نے اپنے آپ کو گیسٹ ہاؤس میں بند کر لیا۔ آنسوؤں سے چھلکتی ہوئی آنکھوں سے اس نے شہنشاہ ایران سعودی عرب کے شاہ فیصل اور مراکو کے شاہ حسن سے درخواست کی کہ وہ اسے بچا لیں ۔ پاکستان کے وفد کے دوسرے ممتاز ارکان نے اپنے غم غرق کرنے کے لئے نائٹ کلب کا انتخاب کیا، مراکو میں پاکستان کے سفیر اکبر طیب جی میزبان تھے۔ ان کے مہمانوں میں آغا شاہی اور میجر جنرل عمر، یحیٰ خان کے دست راست شامل تھے ۔ نائٹ کلب میں جنرل عمر نے از راہ مذاق آغا شاہی کا تعارف بطور وزیر خارجہ ، پاکستان کرایا، شاہی نے عمر سے کہا کہ ایسا مذاق نہ کیا جائے ، وقت گذرنے کے بعد، یہ واحد مذاق نہیں ہے جو حقیقت بن گیا ہو۔

جعلی پاسپورٹ پر سفر کرنا باعزت و پروقار نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی بین الاقوامی کانفرنس میں جعلی پاسپورٹ سے ہی شرکت کرنی چاہئے۔ یہ ویسے ہی ضروری نہیں ہوتا کہ ہر جگہ عقبی دروازے سے ہی اندر جایا جائے ۔ اگر غیر جانبدار تحریک اس حد تک اہم ہے اور ہم آزاد خارجہ پالیسی کے حوالے سے اپنی شناخت کرانے کے لئے بہت فکر مند ہیں تو اس کا پروقار طریقہ یہ ہے کہ سینٹو کو چھوڑ دیا جائے ۔ ایک حقیقی سے غیر جانبدار ریاست کی حیثیت غیر جانبدار تحریک کی کانفرنس میں پورے حصے دار کی حیثیت سے سامنے کے دروازے سے سر اونچا کر کے داخل ہوا جائے ۔ یہ "ہو بھی اور نہ بھی ہو" نہ مچھلی نہ گوشت ، "کچی آبادی" کی اس شراکت نے ہمیں طوفان میں لا پھنسایا ہے ۔ جس کے نتیجے میں غیر جانبدار بھی ہمیں پسند نہیں کرتے اور جانبدار اور سوشلسٹ ممالک بھی ہم پر اعتماد کھو رہے ہیں،

(د) نیو کلیر ری پروسیسنگ پلانٹ

تین برسوں نے اور شدید سخت مذاکرات کے بعد مارچ ۱۹۷۶ء میں فرانس اور پاکستان کے مابین نیو کلیر ری پروسیسنگ پلانٹ کے معاہدے پر دستخط ہوئے ۔ فرانس تمام تحفظات کے بارے میں قطعی مطمئن تھا ۔ اس معاہدے کی تکمیل پاکستان کی طرف سے میری حکومت نے اور صدر گیادستیاں نے حکومت فرانس کی طرف سے کی تھی ۔ بین الاقوامی اٹامک انرجی کمیشن وی آنا نے اس معاہدے کی توثیق کی، کمیشن میں امریکہ کے ترجمان نے اس توثیق کے حق میں ووٹ دیا ۔ بین الاقوامی اٹامک انرجی کمیشن اس وقت تک کبھی اس کی توثیق و تصدیق نہ کرتا جب تک کہ اس کے تمام تحفظات کے متعلق پوری طرح مطمین نہ ہوتا۔ اگست ۱۹۷۶ مینامریکہ کی جوابی تجویز کو میں نے مسترد کر دیا۔ اس موقع پر فرانسیسی حکومت نے امریکی مداخلت پر برہمی کا اظہار کیا ۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ تک فرانس نے اصلی معاہدے کی حیثییت کو مسلسل بر قرار و قائم رکھا ۔

مسلح افواج کو نگرانی کنڈوں پر رکھے پاکستانی عوام کو چودہ ماہ تک ترسانے اور تڑپانے کے بعد، بالآخر جنرل ضیاء نے ۲۳ اگست ۱۹۷۸ کو راولپنڈی میں اپنی پریس کانفرنس میں اس کا ذکر کیا کہ اُسے فرانس کے صدر کی طرف سے ایک نہایت شائستہ خط ملا ہے لیکن وہ مقصد پورا نہیں کرتا ۔ اس نے ڈراتے ہوئے یہ اضافہ کیا کہ فرانس اس معاہدے میں باہمی مفاہمت کے ذریعے ترمیم کا خواہاں ہے۔ اور یہ ہے اصل بات ۔

فرانس کے صدر نے یہ پیش کش منہ دکھانے کے لئے کی لیکن پلاٹونیم علحٰدہ کرنے کی اہلیت رکھنے والے پلانٹ کے حصے کو ختم کر دیا ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ طویل ترین داستانوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس حقیقت کو تبدیل کر کے فرانس کی حکومت نے ۔۔۔۔ Rebus sic stantibus کے اصول کی پامالی کی ہے ۔ فرانسیسی حکومت نے یہ معاہدہ ایک سول حکومت سے کیا تھا نہ کہ ایک فوجی اور آمرانہ حکومت سے۔ یہ معاہدہ ایک منتخب وزیر اعظم سے ہوا تھا جو بین الاقوامی مرتبے کا مالک تھا ۔ جسے فرانس کے تین صدور کا احترام اور اعتماد حاصل تھا ۔ ڈی گال، پومپیڈو اور دیستاں۔ یہ معاہدہ ایک ناقابل اعتماد چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر نے نہیں کیا تھا ۔ جو اپنے ہی عوام کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کو توڑ رہا ہے۔ ان حالات و واقعات کے در آنے کا اس وقت قطعاً اندازہ نہیں کیا گیا تھا ۔ جب میری حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش بڑی عجلت سے تیار کی جارہی تھی ۔ اسوقت تو "بعد میں دیکھا جائے گا" کا رویہ اپنایا گیا تھا۔ لیکن قوم کی زندگی

اور موت سے تعلق رکھنے والا یہ موضوع ایسی لاپرواہی اور سنگدلی کا مستحق نہیں تھا ۔ یہ کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ سیاست کی اپنی متحرک قوت ہوتی ہے اب سفاری میں سقّوں کا سامنا ایک بڑی طاقت ، شکاریوں سے ہو گیا اور اب انہوں نے ان کے لئے چاہ کن را چاہ در پیش، مقولہ کو ثابت کر دیا ہے ۔

اس خاص نوعیت کی تبدیلیوں سے نمٹنے کے لئے یہ حکومت کیا تجویز کرتی ہے؟ زیادہ غیر ملکی امداد؟ اب سرکاری سطح پر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ نیو کلیرری پروسیسنگ پلانٹ تو غیر ملکی مدد یا اس کے بغیر ، ہم کھو چکے ہیں ۔ بلا کسی تردید کے اب یہ صورتِ حال ہے کہ پاکستان کو غیر ملکوں کی مدد پر انحصار کرنا پڑے گا ۔ ان کی طرف رُخ کرنا ہو گا اب یہ ان کے رحم و کرم پر ہے جو نیو کلیر بلیک میلنگ کا پیشہ ورانہ فن جانتے ہیں بھارتی وزیر اعظم مرارجی ڈیسائی کے ساتھ نئی دہلی میں بات چیت کے بعد امریکی صدر کارٹر نے دھمکی دی ہے کہ بھارتی وزیر اعظم کو ایک سخت خط بھیجا جائے گا ۔ اس کے باوجود بھارت امریکہ سے یورانیم حاصل کر رہا ہے اس درشت خط کی بھارتی وزیر اعظم کے نزدیک اس وقت تک کوئی اہمیت نہیں جب تک کہ بھارت امریکہ سے یورانیم حاصل کر کے مزید ایٹمی دھماکہ کر سکتا ہے ۔

اس کے برعکس جنرل ضیا کو صدر دیستان کے نہایت "شائستہ خط" سے بڑی سنسنی ہوتی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ معاہدے پر نئے سرے سے مذاکرات ہوں گے ۔ اس میں ترمیم کی جائے گی تاکہ پاکستان کو موجودہ نیو کلیر اہلیت اور استعداد کا اہل نہ بننے دیا جائے ۔ فرانسیسی بڑی مہذب قوم ہے ۔ دو سو برسوں سے انہوں نے اپنے سیاسی رہنماؤں کو پھانسیاں دینے کا سلسلہ ختم کیا ہوا ہے ۔ یہ ایک فطری امر تھا کہ اس بنیادی معاہدے کو ختم کرنے کے لئے فرانسیسی صدر فرانسیسی کی مالا مال زبان سے نرم ترین الفاظ کا انتخاب کر کے جنرل ضیا کو مطلع کرتے کہ اس خوبصورت پلانٹ کی فوتیدگی ہو گئی ہے ۔ خطوط کی یہ بلاغت درر او سزا کا مقابلہ نہیں کر سکتی ۔ لیکن الجھاوؤں میں الجھے ہوئے جنرل ضیاء نے زخموں پر اس طرح نمک چھڑکا اور ان کی اہانت یہ کہتے ہوئے کی کہ وہ "بہت شائستہ خط" تھا ۔ میرے ہم وطنو، دیکھو تو کیا تباہ ہوا ہے ۔ ۔ ۔ عمر بھر کے خواب کے کس طرح پرخچے اڑا دئے گئے ہیں ۔

میں پاکستان کے نیو کلیر پروگرام کے ساتھ اکتوبر ۱۹۵۸ سے جولائی ۱۹۷۷ تک عملی طور پر وابستہ رہا ہوں ، یہ زمانہ انیس برسوں پر محیط ہے ۔ یہ موضوع بطور وزیر خارجہ، بطور وزیر ایندھن، پاور اور قدرتی ذرائع اور وزیر انچارج آف اٹامک انرجی کمیشن کے حوالے سے میرے ساتھ براہ راست تعلق رکھتا رہا ہے ۔ جب میں نے پاکستان کے اٹامک انرجی کمیشن کا چارج

سنبھالا تو اس کی حیثیت ایک دفتر کے نام کے بورڈ سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ محض ایک نام تھا۔ اپنے پورے اخلاص اور مستحکم و آہنی ارادے کے ساتھ میں نے اپنی پوری طاقت و صلاحیت اس پر صرف کر دی کہ میرا ملک نیو کلیر توانائی کا مالک بن سکے۔

میں نے سینکڑوں نوجوانوں کو نیو کلیر سائینس میں تربیت حاصل کرنے کے لئے یورپ اور شمالی امریکہ بھیجا ۔ میں نے ایڈورڈ سٹون کو یہ کمیشن دیا کہ وہ Pinstech کی تعمیر کرے اور اس کا سنگِ بنیاد اسلام آباد کے جنگل میں رکھا۔ میں نے مذاکرات کے ذریعے 5.mw ریسرچ ریکٹر کا معاہدہ کیا جو Pinstech میں نصب ہوا۔ وزیر خزانہ شعیب اور پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین سید حسن کی شدید مخالفت کے باوجود میں کینیڈا سے ۱۳۷ ایم ڈبلیو حاصل کرنے میں کامیاب ہوا جو کراچی نیو کلیر پاور پلانٹ بنا اور اس کی افتتاحی تقریب میں حصہ لیا۔ ۱۹۷٦ کے وسط میں میں نے چشمہ نیو کلیر پلانٹ کی منظوری دی اور بلاشبہ میں نے نیو کلیر ری پروسیسنگ پلانٹ کے لئے فرانس سے ۱۹۷٦ میں مذاکرات کئے اور معاہدہ مکمل کیا۔

میری اکلوتی جد وجہد اور کوشش کے نتیجے میں پاکستان میں نیو کلیر اہمیت و استعداد کے لئے ڈھانچہ بنا اور اس پر کام شروع ہوا ۔ ہمارے جیسے ترقی پذیر اور نادار ملک کے لئے یہ کوئی آسان کام نہیں تھا ۔ جب میں نے اٹامک انرجی کمیشن پاکستان کا چارج سنبھالا تو پاکستان بھارت سے بیس برس پیچھے تھا ۔ جب میں وزیر اعظم نہ رہا تو مجھے یقین ہے کہ پاکستان بھارت سے پانچ یا چھ سال پیچھے تھا ۔ اگر نیو کلیر پروگرام کے سلسلے میں داخلی مخالفت جو طاقتور وزیروں نے اور بیوروکریٹس نے کی ، نہ ہوتی تو میں اس خلا کو اور بھی تنگ کر دیتا محض نیو کلیر استعداد اور اہلیت حاصل کر کے کوئی ملک دولت مند نہیں بن جاتا ۔ اگر یہی ایک ضرورت ہوتی تو ہر اوپیک ملک نیو کلیر استعداد کا مالک بن جاتا۔ اصل ضرورت ۔ انفراسٹرکچر ہوتا ہے ۔

اسی وجہ سے، میں نے سب سے زیادہ ترجیح اس بات کو دی کہ ہزاروں نیو کلیر سائینسدانوں کو غیر ملکوں میں تربیت دلوائی جائے ۔ اب ہمارے پاس برین پاور ہے کراچی میں ہمارے پاس نیو کلیر پلانٹ ہے ۔ اب ہمیں ضرورت تھی تو ایک نیو کلیر ری پروسنگ پلانٹ کی، بھاری پانی اور یورانیم اور نیوئل فیبریکٹینگ پلانٹ کے لئے انتظامات ہو چکے تھے۔ جب میں حکومت چھوڑ کر اس موت کی کوٹھڑی میں آیا ہوں تو ہم مکمل نیو کلیر استعداد حاصل کرنے کی دہلیز تک پہنچ چکے تھے عیسائی اور ہندو تہذیبیں اس اہلیت اور استعداد کی مالک بن چکی ہیں کمیونسٹ طاقتوں کے قبضے میں بھی یہ قدرت ہے ۔ صرف اسلامی تہذیب ہی اس سے محروم تھی، لیکن یہ حیثیت بھی تبدیل ہونے والی تھی۔

امریکہ کے وزیر خارجہ ڈاکٹر ہنری کیسنجر، ایک شاندار ذہن کے مالک ہیں ۔ انہوں نے مجھے کہا کہ میں یہ کہتے ہوئے کہ پاکستان کو ری پروسیسنگ پلانٹ کی ضرورت توانائی کی ضرورتوں کے لئے ہے، امریکی انٹیلی جنس کی ذہانت کی توہین نہ کروں۔ جواب میں میں نے انہیں بتایا کہ میں پاکستان کی توانائی کی ضرورتوں پر بحث کر کے، امریکی انٹیلیجینس کی توہین نہیں کروں گا۔ لیکن اسی حوالے سے، وہ بھی میرے ساتھ پلانٹ پر کوئی بات نہ کریں۔ جنرل کو فرانس کے صدر کی طرف سے لیموں مل گیا ہے ، پاکستان کو لڈّو اور پی این اے کو "حلوہ" مل گیا ہے ۔ مجھے موت کی سزا ملی ہے ۔ اب میری زندگی کی کیا اہمیت رہ گئی ہے کہ جب میں یہ تصور کر سکتا ہوں کہ میرے آٹھ کروڑ ہم وطن غیر محفوظ آسمان کے نیچے، جس پر ایٹمی بادل چھائے ہوئے ہیں، کھڑے ہیں۔

اس وقت کی بین الاقوامی ضرورت تو یہ تھی یہ حکومتی ٹولہ، قوم کی زندگی اور موت کے اس مسئلے پر تین جلدوں پر مشتمل قرطاس ابیض شائع کرتا ۔ اس بر تر سوال کے علاوہ لوگوں کے دلوں میں اور کوئی سوال ہلچل پیدا نہیں کر رہا ہے۔ یہ وقت ہے کہ موجودہ حکومت اپنی ترجیحات کا فیصلہ کر سکے ۔ میں نے انتخابات میں دھاندلی نہیں کی لیکن کیا انتخابات میں دھاندلی کرنا، ایٹمی صلاحیت و استعداد کھونے سے بد تر ہے؟ ریاست کی سلامتی اور خود مختاری تختۂ دار تک آ پہنچی ہے ۔ پھانسی کا پھندہ جو ذاتی انتقام کے لئے تیار کیا گیا اب قوم کے گلے میں پڑنے کے لئے محبت سے تیار کیا گیا ہے ۔ انتہادرجے کی اہمیت رکھنے والے اس موضوع پر قرطاس ابیض کو تین حصوں میں تقسیم کر دینا چاہئے ۔ اور اس میں اس موضوع سے متعلق تمام سرکاری دستاویزات کو بطور ضمیمہ شامل کرنا چاہئے۔

جلد اول: ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کے لئے پاکستان کی کاوشیں۔

جلد دوئم: ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کی کوششوں کے خلاف سازش۔

جلد سوئم: اس سازش کی کامیابی اور اس کے نتائج۔

ان تینوں جلدوں کو تمام سرکاری دستاویزات نوٹس اور میمورنڈم بطور ضمیمہ جات کے ساتھ دستاویز کی حیثیت دینی چاہئے۔ جس کی مثال قرطاس ابیض کی جلد اول جو ۲۵ جولائی ۱۹۷۸ اور دوسری جلد جو ۲۸ اگست ۱۹۷۸ کو جاری کی گئیں ، کے ذریعے قائم کی گئی ہے ۔ کیسی حیران کن کامیابی اس حکومت نے نفرت کی ہوا کو پھیلا کر حاصل کی ہے ۔ لیکن یقینا ۔ ذاتی نفرت اور حسد میں اس تک نہیں جانا چاہئے کہ جس سے قوم کے مفادات کو بنیادی اور ناقابل تلافی نقصان پہنچے اور محض اُس وقار اور اعزاز سے انکار کر کے، جو مجھے قوم کے ایک سچے اور مخلص خادم کی حیثیت سے حاصل ہے۔۔۔۔

قومی مفادات کبھی ذاتی انتقام کی پیش رفت سے حاصل نہیں کئے جا سکتے ۔ میں نے ہمیشہ برتر و اعلیٰ قومی مفادات کے لئے کام کیا ہے۔ مسلح افواج کی شہرت اور اس کے وقار کو بلند کرنے کے لئے میں نے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ اس وقت بھی حمود الرحمن رپورٹ پر میری کھلی کومینٹری مسلح افواج کے نام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتی ہے لیکن انتہائی اشتعال انگیزی ، ترغیب اور اس غیر انسانی رویّے کے باوجود ، جو میرے ساتھ روا رکھا گیا میں اس سے اجتناب کروں گا۔ قرطاس ابیض میں حمود الرحمن رپورٹ کے دو اہم حوالے دئے گئے ہیں ۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح خوبی کو بدی میں تبدیل کرنے کی ایک اور کوشش کی گئی ہے۔

وہ تمام سینیئر فوجی افسر، جنہوں نے حمود الرحمن رپورٹ کو پڑھا، ان کی متفقہ رائے تھی کہ رپورٹ کو شائع نہ کیا جائے۔ جب بھی میں اس رپورٹ کی اشاعت پر غور کرنے کے لئے کوئی میٹنگ رکھتا ، مسلح افواج کا ہر سینیئر افسر بڑی شدت سے اس خیال کی مخالفت کرتا ان کی خواہشوں اور فوج کے احترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے عوام اور حزب اختلاف کے شدید ترین دباؤ کے باوجود میں نے اس رپورٹ کو شائع نہ کیا۔ مسلح افواج کی عزت اور ان کے نام کے تحفظ کے لئے میری ذات پر شدید ترین حملے ہوئے اور مجھے اس طرح اس کا صلہ دیا گیا، فوجی حکومت کو برسر اقتدار آئے ایک سال اور ایک ماہ ہو چکا ہے ۔ اس نے ہر طرح کی غلاظت اور جھوٹوں کو اس لئے شائع کیا کہ مجھے ان میں ملوث کر کے عوام کی نفرت کا رُخ میری طرف پھیر دیا جائے۔ فوجی حکومت حمود الرحمن رپورٹ کی بندوق بھی چلا دیتی اگر یہ ان کے شرمناک مقاصد کو پورا کرتی اور میرے خلاف استعمال کی جا سکتی ۔

فوجی حکومت اس رپورٹ کو اسلئے جاری نہیں کر رہی کہ یہ مسلح افواج اور اس کے نظام کے خلاف فرد جرم عائد کرتی ہے چار ماہ گذرے جب چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نے لاہور میں ایک پریس کانفرنس میں اس رپورٹ کے جوہر کو جھٹلانے اور نیچے دکھانے کی کوشش کی اور کہا اس نے اسے پڑھا ہے ۔ اس میں کوئی اہم بات نہیں ہے ۔ ان کے اپنے معیار کے مطابق صرف وہ چیزیں اہمیت رکھتی ہیں جو جو مجھے نقصان پہنچا سکیں۔ یہ زنا ، آگ اور خون اور لوٹ مار کی کہانی ہے ۔ اگر ان دنوں زنا کے لئے کوڑوں کی سزا اور چوری کے لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا ہوتی تو میں یہ سوچ کر کانپ جاتا کہ کتنے افراد ہاتھوں کے بغیر ہوتے۔ چونکہ "بنگالیوں کے خون کی تطہیر" زنا نہیں ہے ، اسلئے پاکستان کا صدر اپنے معافی دینے کے اختیارات کو عمل میں لا سکتا ہے ۔

یہ رپورٹ یحییٰ خان اور اس کے ٹولے کی موت کے رقص کی سازش کا انکشاف کرتی ہے ، بنگال کا نقشہ خون سے رنگ دیا گیا ۔ ایک ایسا جنرل جس کی کھال میں نے وقار سے بچالی، اس

نے کیا رنگین ہدایت نامہ جام صادق علی کو زیر اثر لانے کے لئے بھیجا کہ وہ میرے خلاف ایک جھوٹے مقدمۂ قتل میں وعدہ معاف بن جائیں۔ قرطاس ابیض کے صفحہ ۱۰۶ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شور و غوغا اور ہنگامہ آرائی کی وجہ سے، مجھ سے درخواست کی گئی کہ میں اس سلسلے میں اس فیصلے پر مزید غور کروں کہ اس آئٹم کو شائع کر دیا جائے ۔ یہ حصہ قرطاس ابیض میں ترچھے نمایاں الفاظ میں دیا گیا اور یوں ہے ۔

"اس بحث کے خاتمے پر یہ بات طے پائی کہ ۱۹۷۱ کی جنگ کے بارے میں انکشافات اور واقعات، جو حمود الرحمن کمیشن سے باہر ہیں نئے امور کو جنم دیں گے۔ اور اس مطالبے میں شدت پیدا کریں گے کہ اسے شائع کیا جائے ۔ اور نقصان دہ ہوں گے۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ وزیر اعظم سے درخواست کی جائے کہ وہ اس آئٹم پر غور کریں "۔

صفحہ ۱۰۷ پر قرطاس ابیض بتاتا ہے "مسٹر بھٹو نے اس طریق کار سے پراسرار طریقے سے اتفاق کیا کہ " اسے حذف کیا جا سکتا ہے " اس سے واضح طور پر عیاں ہے کہ مفادات کے تصادم میں، میں نے مسلح افواج کی عزت اور شہرت کے تحفظ کے لئے اپنے سیاسی مفادات کو قربان کر دیا ۔ اس پر میں حیران کن اظہار تشکر وصول کر رہا ہوں۔ بجائے اس کے کہ مجھے سراہا جاتا ایک اذیت پسندانہ کوشش کی گئی کہ معاملہ الٹ کر میرے خلاف چلا جائے ۔ یہی مفہوم ہے "ادھر ہم ادھر تم "کی ترکیب کا، جسے میں نے اس مسخ شدہ شکل میں استعمال نہیں کیا تھا۔ لیکن یہ سچ تھی ، ادھر بنگالیوں نے انتہا کر دی تھی اور ادھر ہم نے ۔۔۔ ادھر بنگالی سیاست دان حکمرانی کے لئے موزوں نہیں تھے اور ادھر ہم حکومت کرنے کے لئے مناسب نہیں تھے ۔ جمہوریت بنگال میں ناقابل عمل ہو چکی تھی۔ وہاں ادھر عوام کا استحصال بڑے بزنس مین کر رہے تھے اور ادھر یہاں ہمارے عوام کا استحصال یہی بڑے بزنس مین کر رہے تھے ۔ ادھر وہاں بنگالیوں نے ڈنڈا اٹھا لیا تھا اور ادھر ہم نے بھی ڈنڈا پکڑ لیا تھا ، "اِدھر ہم اُدھر تم"

چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نے کوئٹہ کے ہوائی اڈے پر، ۱۹۷۰ کے انتخابات کے نتائج کے بعد، جو تین قوتیں سیاسی منظر پر نمودار ہوئی تھیں ، ان کے بارے میں میرے تجزیے کا حوالہ دیا ہے ۔ اس مسئلے پر میں پہلے ہی اپنی رائے دے چکا ہوں ۔ میں موجودہ بحران پر اس سے زیادہ بات کر سکتا ہوں ۔ اگر چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر زحمت کرتے تو وہ ان غیر مبہم اور شدید انتباہات کا بھی ذکر کرتے جو میں نے پاکستان میں فوج کے مسلسل جاری رہنے والے کردار کے متعلق دی تھیں۔ جنرل ضیاء الحق کو چاہئے تھا کہ وہ یہ اضافہ بھی کرتے کہ مسٹر بھٹو نے یہ بھی کہا تھا۔

وہ نتیجہ جس سے راہ فرار اختیار نہیں کی جا سکتی یہ ہے کہ عوام لازمی طور پر حکومت میں شرکت کریں۔ فوجی کارروائیاں جو مشرقی بازو میں جاری ہیں، بھارت کے ساتھ آغاز جنگ کے نقطے پر پہنچ چکی ہیں ۔ مغربی حصے میں شدید فرسٹریشن بڑھ رہی ہے ، ان حالات میں موجودہ فوجی حکومت ، اس امید میں اپنی فوجی اور بیورو کریٹک حکومت کو جاری نہیں رکھ سکتی کہ ان بحران پر قابو پالے گی ، صرف ایک صحیح نمائیندہ حکومت، جسے عوام کا اعتماد اور تعاون حاصل ہو کامیاب ہو سکتی ہے ۔ اس بنا پر پاکستان پیپلز پارٹی، عوام کی نمائیندگی کرتے ہوئے یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ یہ نہ صرف اس کا حق ہے بلکہ اس کا فرض بھی ہے کہ یہ مطالبہ کرے کہ منتخب نمائیندوں کو جلد از جلد اقتدار منتقل کر دیا جائے، اگر فوجی حکومت نے انتقال اقتدار میں تاخیر کی، تو ملک چند مہینوں میں ایسے نقطے پر پہنچ جائے گا ، جہاں سے واپسی ممکن نہ ہو۔ (عظیم المیہ)

جنرل کو چاہئے تھا کہ وہ ۲۹ دسمبر ۱۹۷۱ کو یہ بھی کہتا کہ مسٹر بھٹو نے بیان دیا تھا کہ:

"یہ ہماری سوچی سمجھی رائے ہے کہ اگر سال کے خاتمے سے پہلے جمہوریت کو بحال نہ کیا گیا تو پھر پاکستان کی آزادی اور سلامتی کو بچانے میں بہت دیر ہو جائے گی ۔ ہر شخص کی توجہ میں اس حقیقت پر مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ جو انتشار پیدا ہو چکا ہے، موجودہ حکومت اسے دُور نہیں کر سکتی ۔ اے میرے لوگو ، ظلم و تشدد کی اس طویل رات کا خاتمہ ہونا چاہئے ۔ جنرلوں کی حکمرانی لازمی طور ختم ہونی چاہئے اور پاکستان کے لوگوں کو اپنی تقدیر اپنے ہاتھوں میں لینی ہوگی"۔

چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر کو مزید یہ کہنا چاہئے تھا کہ مسٹر بھٹو نے کہا تھا ۔

"ہمیں ناقابل معافی اور خوفناک غلطیاں ورثے میں ملی ہیں، ہمیں اولڈ گارڈ کے گناہوں کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا ۔ ناکارہ اور سرسری ذہن جو سیاست کی ابجد سے بھی واقف نہیں، جنہیں تاریخ کا کوئی شعور نہیں، انہوں نے ایسے بنیادی سیاسی فیصلے کئے، جنہوں نے پاکستان کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے ۔(عظیم المیہ)

یہ ۱۹۷۱ ۔ ۱۹۷۰ کی وہ ناخوشگوار حقیقتیں ہیں جنہیں میں نے اپنی بصیرت سے بھانپ لیا تھا۔ ایک منتخب رہنما کی حیثیت سے یہ میرا فرض تھا کہ آنے والی تباہی کے بارے میں پاکستانی عوام کو خبردار کرتا۔ یحیٰی خان کے فوجی ٹولے نے میری بار بار کی وارننگوں پر کوئی توجہ نہ دی۔ اور تباہی آگئی۔ آٹھ برس گذر چکے ہیں اور اس وقت ایک مختلف صورتِ حال پیدا ہو چکی ہے ۔ یہ بحران ۷۱ ۔ ۱۹۷۰ کے بحران سے کہیں زیادہ سنگین اور گہرا ہے۔ ۱۹۷۰ میں مشرقی پاکستان کھو

جانے کا خطرہ تھا۔ ۱۹۷۸ میں باقی ماندہ پاکستان کے گنوا بیٹھنے کا خطرہ ہے ۔ ۱۹۷۰ میں منظر پر تین سیاسی قوتیں تھیں ۔ ۱۹۷۸ میں صرف دو سیاسی قوتیں ہی منظر پر ہیں ۔ عوام اور فوج ۔ ۱۹۷۰ کی گدیاں غائب ہو چکی ہیں، عوام اور فوج کے درمیان خلا بڑھ رہا ہے۔ سوال بہت واضح اور سادہ ہے ۔ پاکستان کا منتظم کسے ہونا چاہئے عوام یا فوج؟ کیا لوگ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کریں گے یا نہیں؟

حالات بڑی سفاکی سے حتمی تصادم کی طرف بڑھ رہے ہیں، اسکا نتیجہ اپنی انتہا میں خوفناک اور ہوش اڑا دینے والا ہو گا ۔ سپین ایسے تصادم سے دوچار ہوا تھا۔ چالیس برس سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے لیکن اس زمانے کی یادیں، ہسپانوی عوام کو اب بھی ایک زندہ خوفناک خواب کی طرح ڈراتی ہیں ۔ سپین اب بھی اپنے شدید ترین زخموں کی وجہ سے اپاہج ہے ۔ اس سے پہلے سپین سے اسلام کی جڑیں اکھاڑ دی گئی تھیں۔ جس کے ذمے دار فرڈینیڈ اور ازابیلا نہیں تھے۔ جیسا کہ مغربی مؤرخ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسلام اپنے غرناطہ تک اس وجہ سے پہنچا کہ مسلم دمشق نے اس کے خلاف غداری کی اور حسد سے کام لیا تھا۔ سپین پاکستان کو دو طرح انتباہ کرتا ہے ۔ ایک فوج اور عوام کے ساتھ خوفناک اور جان لیوا تصادم، اور دوسرے یہ کہ یہ اسلامی ریاست مٹ جانے کے خطرے سے دوچار ہے ۔ ہسپانوی کہتے ہیں TO DO PORLA PATRIA پاکستانی کہتے ہیں "پاکستان زندہ باد" پاسق۔ سپین کا بلوچستان ہے اور اُندلسیہ سپین کا سندھ ہے ۔

سپین کے تمام مسائل کا حل کیتھولک ازم تھا۔ پاکستان کے پاس بھی اس کے تمام مسائل کا حل موجود ہے ۔ گاندھی نے ایک بار کہا تھا کہ اگر برصغیر سے اسلام ختم ہو جائے تو وہ کسی اور جگہ نشوونما کر لے گا ، لیکن اگر ہندومت ہندوستان سے ختم ہو جائے تو یہ ہندومت کا خاتمہ ہو گا۔ اس ریمارک کا اصلی مفہوم یہ ہے کہ اگر ہندومت کا تحفظ اسلام کے خاتمے سے بھی کیا جا سکتا ہے تو ہم حق بجانب ہوں گے۔ کیا اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ۔۔۔ گاندھی، بے شک ایک مہاتما تھا؟

حال ہی میں شیخ عبداللہ کے کشمیر میں چار یا پانچ دفعہ مسلمانوں کو قتل کیا گیا ہے ۔ جنرل اپنی حماقتوں اور جھوٹے تکبر کی وجہ سے نہیں بچ سکتا۔ اسے جاننا چاہئے کہ غرناطہ اور ایک نئی کربلا میں انتخاب کی حد گھٹتی جا رہی ہے ۔ میں پاکستان میں واحد شخص ہوں جو اس تصادم کو روک سکتا ہے ۔ ایسی سعی اور جدوجہد میں مرجانا، میٹھی موت کے مترادف ہے ۔ مکمل اور حتمی تباہی کو روکنے کی جنگ میں اپنی زندگی قربان کر دینے کو میں ایک باوقار اشارہ سمجھوں گا۔ میں اس ہرکولیس جیسے عظیم کام سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنی تمام توانائی مجتمع کر کے صرف کر

دوں گا۔

میں اس لئے پیدا ہوا تھا کہ ایک قوم بنا سکوں، عوام کی خدمت کر سکوں اور ایک قریب الوقوع تباہی پر غالب آ سکوں ۔ میں اس لئے پیدا نہیں ہوا تھا کہ پھانسی کی کوٹھڑی میں بکھر جاؤں اور ایک احسان فراموش اور بد باطن شخص کے انتقام کی ہوس بجھانے کے لئے پھانسی پر چڑھ جاؤں ۔ میں اس لئے پیدا نہ ہوا تھا کہ ایک وحشی اور غلیظ ٹولہ میری بے عزتی اور تحقیر کرے ۔ میں اس لئے پیدا ہوا تھا کہ عوام کے لئے آزادی لاؤں اور اپنی خود احترامی کی منزل تک پہنچاؤں ۔ جلد یا بدیر سب عوام کے لئے ایک دن آتا ہے جب وہ باستیل پر چڑہائی کرتے ہیں ۔ فرانس کے عوام نے اپنی نفرت کی یلغار نفرت کی اس علامت پر ۱۴ جولائی ۱۷۸۹ کو کی تھی ۔ پاکستان کے عوام کا بھی یہ مقسوم ہے کہ وہ اپنے باسیتل پر چڑھائی کے دن تک پہنچیں ۔ اگر ۱۹۷۸ میں نہیں تو ۱۹۸۹ میں۔ وہ دن آ رہا ہے اور ایسا کوئی شخص پیدا نہیں ہوا جو اس دن کی آمد کو روک سکے ۔ میں واحد شخص ہوں جو اپنی ہی تباہی کی طرف بڑھنے والوں کی پیش رفت کا رخ پھیر سکتا ہوں۔ مجھے عوام کا اعتماد حاصل ہے اور میں اپنے وطن سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ مجھے جو عزت حاصل تھی اسے میں نے بطور ادارہ مسلح افواج کے وقار پر گنوا دیا، وقت ابھی ہاتھ میں ہے ، گولیاں کھیلنے کا وقت گذر چکا ہے ۔ میں پھر دہراتا ہوں کہ حل، جو دھندلا رہا ہے اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔

(ا) ملک کو آئین کی ضرورت ہے ۔

(ب) عوام جمہوریت چاہتے ہیں۔

(ج) صوبوں کو خود مختاری کی ضرورت ہے۔

(د) محنت کش اور کسان پاکستان پیپلز پارٹی چاہتے ہیں۔

کیا آپ سمجھ گئے ؟ یہ ہے جو عوام چاہتے ہیں۔ اپنے آپ کو مہدی بنانے کی کوشش ختم کر دو!

(۰۱)

موت کی گھنٹی

چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر ، ناظم اعلیٰ نے اپنے انٹرویو میں یہ کہا کہ جمہوریت سے ان کی مراد ویسٹ منسٹر (انگلستان) قسم کی جمہوریت نہیں ہے ۔ بلکہ ایک ایسی جمہوریت ہے جو مقامی حالات سے مطابقت رکھتی ہو ۔ جیسے کہ "بنیادی جمہوریتوں کا بہت اچھا تجربہ" پہلے کیا گیا تھا لیکن وہ تجربہ کس قدر اچھا ثابت ہوا تھا؟ ۔ آتش مزاج بنگالیوں کی خواہش شراکت کی خوشنودی کے لئے انگریزوں نے کئی دہائیاں پہلے بنیادی جمہوریتوں قسم کی ایک چیز بنگال میں متعارف کرائی تھی۔ ایوب خان کی حکومت میں، وزیر خارجہ منظور قادر نے اسے پسند کر کے چن لیا، اس میں ترامیم کر کے صدر ایوب کو مشورہ دیا کہ اس کا آغاز کیا جائے کیونکہ اسمیں پاکستان کے تمام سیاسی امراض کا علاج موجود ہے ۔

ایوب خان کو یہ سکیم پر کشش لگی اور بتدریج وہ اس سکیم سے محبت کرنے لگے۔ بنیادی جمہوریتیں آخری حل قرار دیدیا گیا۔ کیونکہ اس میں صدر ایوب کو پہلی بار غیر فوجی مرکز اقتدار میں کہیں پاؤں ٹکانے کی جگہ مل رہی تھی اور وہ فوج کے محدود "جنرل ہیڈ کوارٹرز" کے پھسلواں حلقے سے نکل کر بڑے حلقے میں پہنچ سکتے تھے اور اس طرح ایک قابو میں رہنے والا اقتدار کا سویلین اڈہ انہیں مل جاتا تھا ۔ ایوب خان افسر شاہی اور منظم کرپشن میں اسطرح جکڑے ہوئے تھے کہ اس سکیم کے ذریعے انہیں اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لئے گویا ایک بنی بنائی مشین ہاتھ لگ گئی۔ بہت جلد قوم کے سامنے اس نئے ضابطے کا خاکہ پیش کر دیا گیا۔ جس دن یہ اعلان ہوا اسکے ایک دن بعد ایوب خان، جنرل برکی اور میں تیتر کے شکار کے لئے خان گڑھ گئے ۔ ہمارے میزبان کے ایوب خان سے تعلقات اس زمانے سے شروع ہوئے تھے جب ایوب خان کا تقرر بطور کمانڈر انچیف پاکستان کی حیثیت سے ہوا تھا ۔ وہ ایک ان پڑھ قبائلی سردار اور زمیندار تھے ۔ دوپہر کے کھانے کے دوران ایوب خان نے میزبان سے پوچھا کہ کیا اس نے نئے نظام

کے بارے میں سنا ہے ؟ زمیندار نے جواب دیا کہ اس نے اس کا خاکہ ریڈیو سے سنا ہے ۔ صدر ایوب خان نے پوچھا کہ "آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے "؟ زمیندار کو علم نہیں تھا کہ ایوب خان اس سکیم پر کتنا فریفتہ ہے ۔ اسکا جواب تھا "خدا کرے یہ سکیم کامیاب رہے جناب، ایوب خان اس کے اس جواب پر حیران ہوا "آپ اس پر شک کیوں کر رہے ہیں؟"

اس زمیندار نے اس کا جواب مندرجہ ذیل نکات میں دیا۔

(ا) لوگ گذشتہ بیس سال سے زیادہ عرصے سے بالغ رائے دہندگی کے اصول پر ووٹ کا استعمال کرتے چلے آ رہے ہیں، اب بالغ رائے دہی میں کمی کی گئی یا اُسے ختم کر دیا گیا تو اس نئے نظام سے لوگ ناراض ہو جائیں گے ۔

(ب) افسر شاہی زیادہ طاقتور اور بد مزاج ہو کر عوام کے ساتھ زیادہ غیر ہمدرد ہو جائے گی۔

(ج) افسر شاہی اور بنیادی جمہوریتوں کے نمائندے ایک ساتھ مل کر عوام کی کھال اتارنے لگیں گے۔

(د) وہ لوگ جو ان چھوٹے چھوٹے حلقوں سے منتخب ہوں گے وہ بد معاش قسم کے افراد ہوں گے۔

(ر) چونکہ حلقے بہت چھوٹے ہوں گے اس لئے باہمی رقابتیں اور تنازعے 'باپ اور بیٹے' اور بھائی اور بھائی کے درمیان اس لئے کھڑے ہو جائیں گے کہ وہ بنیادی جمہوریتوں کے رکن بننا چاہیں گے۔ یوں ذاتی حرص وہوس اور انتقام ہر گاؤں کے ہر جھونپڑے تک پہنچ جائے گا۔

(س) یوں ایک نئے مراعات یافتہ طبقہ کی تخلیق ہوگی اور عوام ان سے نفرت کریں گے۔

(ش) ملک کی سیاسی زندگی میں کرپشن پھیل جائے گی۔

بنیادی جمہوریتوں کے بارے میں میں نے ایسا بہتر واشگاف کرنے والا، سچا تجزیہ حکومت میں اپنے کسی رفیق سے بھی نہ سنا تھا۔ اس اعتبار سے یہ بطور خاص قابل تعریف ہے کہ ایک بار اس سکیم کا سرسری خلاصہ ریڈیو سے سننے کے بعد، ایک ان پڑھ زمیندار نے بڑی آسانی اور سادگی کے ساتھ اسکے بخیے صدر ایوب کے سامنے ادھیڑ کر رکھ دیئے تھے۔

دوسرے زمیندار جو شامیانے کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ ایوب خان کے چہرے کے تأثرات ناخوشگوار ہو رہے ہیں۔ ایوب خان بہت پریشان ہوا۔ کراچی کی طرف واپسی میں ، ایوب خاں نے مجھے کہا کہ علی گوہر جیسا محدود بصیرت رکھنے والا شخص بھلا اس نظام کے ثمرات سے کیسے آگاہ ہو سکتا ہے۔ چھ ماہ بعد وہ زمیندار معدے کے مرض سے فوت ہو گیا ۔ کراچی واپس آ کر میں نے صدر ایوب کو بتایا کہ میں اس کے خاندان سے اظہارِ تعزیت کے لئے

خان گرتھ گیا تھا۔ ایوب خان نے بتایا کہ اُسے اپنے دوست کی وفات کی خبر سے بہت دکھ ہوا ہے۔ پھر اس نے کہا "اس کے ساتھ گڑبڑ یہ تھی کہ وہ بہت زیادہ پیتا تھا۔" ایک لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے مزید کہا "غالباً اس روز بھی اس نے بہت پی رکھی تھی جب اس نے بنیادی جمہوریتوں کے نظام پر تنقید کی تھی۔

دس برسوں کے بعد ایوب خاں کو پتہ چلا کہ یہ تو وہ خود تھا جو بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے نشے میں چور تھا۔ گول میز کانفرنس میں اسے یہ تسلیم کرنا ہی پڑا کہ بنیادی جمہوریتوں کا نظام نا کام ہو چکا ہے۔ اگر وہ نظام 1953 میں ناقابلِ قبول تھا اور اسے عوام نے 1969 میں ختم کر دیا تھا تو اس کی کوئی بھی دھلی دھلائی سفید تشریح اس دھتکارے ہوئے نظام کو 1978 میں عوام سے نئے قابلِ قبول نہیں بنا سکتی۔

فوجی حکومت اب بھی اپنی اس رائے پر قائم ہے کہ پاکستان کے عوام جذباتی اور ان پڑھ ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ پاکستان میں دو دنیائیں ہیں۔ عوام کی دنیا اور آقاؤں کی دنیا۔ اپنے بارے میں عوام اپنا ایک تصوّر رکھتے ہیں۔ جبکہ اس متکبر اور بد مزاج ٹولے نے عوام کا ایک الگ تصوّر بنا رکھا ہے۔ ہم عوام پر اعتقاد رکھتے اور ان کی دانش پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔ ہمارا یہ خیال نہیں ہے کہ پاکستان کے عوام ایسے بچّے ہیں جنہیں کوئی مداری تماشا دکھا کر بہلا سکتا ہے ۔ نہ ہی ہمارے عوام بھیڑ بکریاں ہیں کہ جنہیں ہانک کر ذبح خانے پہنچا دیا جائے۔

میں اردو زبان پر عبور نہیں رکھتا ، عطاءاللہ شاہ بخاری جیسے لوگ اس پر عبور رکھتے تھے۔ بخاری کی تقریروں سے پر جوش ہونے اور بہل جانے کے باوجود لوگوں نے انہیں یا ان جیسے خطیبوں کو ووٹ نہیں دیا۔ لیکن انہوں نے میری کمزور اور ٹوٹی پھوٹی اردو سنی اور چونکہ وہ خود کمزور و نادار اور ٹوٹے پھوٹے ہیں اس لئے مجھے اپنے غیر مشروط اعتماد سے نوازا۔ میں نے ان کے اعتماد سے کبھی غداری نہیں کی اور نہ ہی اس وقت جبکہ موت کی وادی کے سائے میں بیٹھا ہوں، ان کے اعتماد سے غداری کروں گا۔ مجھے جس اعتماد سے نوازا گیا ہے، وقت گزرنے کے باوجود آج بھی ہے اس میں کوئی شک ہو، اس کا امتحان لے سکتا ہے۔ عوام کو ووٹ کے ذریعے اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقع دے کر دیکھ لیں کہ کیا میں نے عوام کے ساتھ دھوکا کیا ہے یا انہیں خودداری کی ان دیکھی بلندیوں تک پہنچایا ہے ؟

انتخابات کے انعقاد کو مشروط کر دیا گیا ہے کہ پیشگی مثبت نتائج کی ضمانت ملے ۔ کوئی بھی سیاسی پارٹی مثبت نتائج کی ضمانت نہیں دے سکتی۔ فوجی حکومت کے ذرائع کے مطابق مثبت نتائج کا مفہوم ہے ان کے ذوق کے مطابق مثبت دھاندلی۔ گذشتہ چودہ مہینوں میں ہر

غیر قانونی حربہ آزمایا گیا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کو نیست و نابود کر کے 'مثبت نتائج' کی راہ ہموار کی جائے۔ اور اب بڑے جاہ و جلال کی تقریب کے ساتھ ایک سویلین کابینہ کٹھ پتلیوں کے تماشے کی طرح کھڑی کی گئی ہے اور انتخابات ایک سال بعد ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اب وہ اکتوبر 1979 میں منعقد ہوں گے۔ میں بے وقوف نہیں بن سکا عوام کو بھی بے وقوف نہیں بنایا جا سکا۔ یہ تبدیلیاں سرے سے تبدیلیاں ہی نہیں ہیں۔ سارے کھیل کی باگ دوڑ اب بھی چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کے ہاتھ میں ہے۔ اب بھی فوجی حکومت ہے۔ اب بھی مارشل لاء ہے۔ آئین کو پامال کیا گیا ہے۔ اسے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہے۔ اکتوبر 1979ء کی تاریخ بے حد مبہم ہے۔ یہ بہت دیر کے بعد آتی ہے۔ عوام کو ایسا یقین نہیں دلایا گیا ایسی کوئی ضمانت نہیں دی گئی کہ ان کی آزادیاں اور حقوق بحال کر دیئے جائیں گے۔ درحقیقت، چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر نے محض، لیکن زیادہ کھوکھلے وعدوں کے کوڑا کرکٹ کے پیچھے پناہ لے لی ہے۔

نظریۂ ضرورت کا اصول بھی کب سے اپنی معیاد پوری کر چکا ہے۔ بیگم نصرت کی درخواست پر سپریم کورٹ کا فیصلہ مدتوں سے ہوا کا رخ بدل چکا ہے۔ سپریم کورٹ نے نظریۂ ضرورت کے اصول کو ان بنیادوں پر قبول کیا تھا کہ یہ حکومت اپنے وعدوں کے عین مطابق ایمانداری سے انتخابات کرائے گی۔ نظریۂ ضرورت کو تسلیم بھی اس لئے کیا گیا تھا کہ انتخابات جلد از جلد کرائے جائیں۔ جبکہ فوجی حکومت یہ اعلان کرتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں کر رہی۔ ''آئندہ انتخابات کئی سیاسی پارٹیاں کسی مداخلت کے بغیر لڑیں گی۔ انہیں یہ یقین دہانی مجھے اور قوم کو کرانی ہوگی کہ انتخابات کے نتائج مثبت ہوں گے'' یہ کمزور اور لاغر اشارہ سرے سے کوئی بنیاد نہیں رکھتا شرائط کے تحت انتخابات کرانے کی اس کوشش کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایک بار پھر عوام کو بے وقوف بنا کر دھوکا دیا جائے۔ درحقیقت چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر انتخابات سے خوفزدہ ہے۔ وہ 'مثبت نتائج' کی باتیں کرتا ہے۔ اقتصادی ابتری کو ختم کرنے کا بہانہ بنا کر انتخابات کو التوا میں ڈالا جا رہا ہے۔ اصل میں شکست اور ناکامی وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے وہ انتخابات کرانا نہیں چاہتا۔

یہ معاشی ابتری اور انتشار اس فوجی حکومت کے چیف اور اس کی مطلق العنان غیر مفید پالیسیوں کا پیدا کردہ ہے۔ وہ اور اس کی حکومت اس معاشی ابتری اور انتشار کو ختم نہیں کر سکتے کیونکہ وہ اور اس کے ساتھی ہی تو اس ابتری کے سرچشمے ہیں جو گذشتہ ایک برس میں انبار در انبار جمع ہوا ہے۔ یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر نے پیشگی شرائط کی بات کی ہو۔ پچھلی دفعہ اس نے پہلے معاشی ابتری کا ذکر کیا اور پھر ثانیاً مثبت نتائج کی ضمانت۔ اب وہ

اپنے فریب کو چھپانے کے لئے محض دوسرے الفاظ استعمال کر رہا ہے۔ اس لایعنیت اور شرائط کی طرف جائے بغیر ، جو اس نے قائم کر رکھی ہیں زیادہ اہم اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے جو فیصلہ دیا تھا اس کے نتیجے میں مابعد حالات مثبت اور آئینی بننے چاہیئں تھے۔ سپریم کورٹ کے اس تحریری فیصلے کی روح کی پامالی کی ذمے داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ اس آدمی سے کون باز پُرس کرے گا۔ جس نے کہا تھا "خواہ یہ آئینی ہے یا نہیں ہے پاکستان میں زمامِ اقتدار اس آدمی کے ہاتھوں میں ہمیشہ رہے گا جو چیف آف دی آرمی سٹاف کی کرسی پر بیٹھا ہے اگر یہ پاکستان کی سیاست میں فوج کے کردار کے بارے میں رسمی اعلان ہے تو پھر اس کا مفہوم یہ ہے کہ پھر رسمی اور آخری مہر ثبت کی جا چکی ہے۔ نہ کوئی جمہوری نظام اور نہ ہی کوئی غیر جمہوری نظام اس شراکت کو توڑ سکتا ہے۔

ایک نظام وہ ہوتا ہے کہ عوام اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں اور وہ نمائندے حکومت قائم کرتے ہیں۔ دوسرا نظام وہ ہوتا ہے کہ ملک میں صرف ایک ہی سیاسی پارٹی ہوتی ہے۔ اور حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے ۔ لیکن دونوں صورتوں میں مسلح افواج شہری حکومت کے تابع ہوتی ہیں ۔ اور اسی کے حکم و ہدایت کے مطابق عمل کرتی ہیں۔ اگر ایک ملک کی وحدت اور خود مختاری عوام اور ان کے منتخب نائندوں کے اعلٰی ہاتھوں میں محفوظ نہیں تو پھر یہ دوسرے ہاتھوں میں بھی محفوظ نہیں رہ سکتی ۔ یہ عوام اور ان کی حب الوطنی کی توہین ہے کہ غیر منتخب ، تنخواہ یافتہ چوکیداروں کو قومی اتحاد و وحدت کا علمبردار بنا دیا جائے۔ یہ قومی وحدت کی موت کا ماتمی نغمہ ہوگا۔

بلاشبہ فوجوں کو بغاوتیں، سیلاب وغیرہ اور بدامنی کو دبانے کے لئے احکام دیئے جاتے ہیں۔ لیکن ایک عارضی ضرورت کو قومی زندگی کا ایک مستقل حصہ نہیں بنایا جاسکتا۔ پرکشش اور موازنے کی پرکشش ترغیبات اقتدار کی جنت کے لئے سازشوں اور منصوبوں کے اکھاڑے بیدار کرتی ہیں۔ اس کے اختیارات غیر مؤثر ہو جاتے ہیں۔ غیر ملکی نو آبادیاتی نظام نے ہمارے عوام پر اندرونی نظام نو آبادی مسلّط کیا تھا۔ جس کا سلسلہ انتقام تک پہنچتا ہے۔ برتر اختیار و اقتدار صرف پارلیمنٹ کے ذریعے قائم کیا جا سکتا ہے۔ اور اس پر کوئی چیز ٹھونسی نہیں جا سکتی ۔ ایسی صورت حال میں سیاست کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتی ۔ اور پھر اگر سیاست کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے تو پھر کسی نظام ریاست کے لئے بھی کوئی جگہ نہیں رہ سکتی ۔

میں نوشتۂ دیوار دیکھ چکا ہوں ۔ میں نے اکتوبر 1977ء میں انتباہ کر دیا تھا ۔ سپریم کورٹ میں آئینی رٹ درخواست کی سماعت کے دوران میں نے کہا تھا ۔ "آئین کو حد درجے کم

سے کم عرصے کے لئے معطل کیا جانا چاہیئے ۔ اگر یہ عرصہ طول کھینچے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چاروں صوبوں نے رضا کارانہ طور پر اپنی جو خود مختاری مرکز کو سونپ رکھی ہے ۔ وہ قانونی طور پر مرکز کے اختیار میں اسی صورت میں رہ سکتی ہے کہ انتخابات کا وقت مقرر کر دیا جائے" جب ججوں میں سے ایک نے استفسار کیا کہ میں مارشل لاء پر وقت کی پابندی لگانے کے متعلق کہہ رہا ہوں تو میں نے جواب دیا تھا ، بالکل ، یور لارڈشپ، آپ وہی سمجھے ہیں جو میں کہہ رہا تھا" اس سے زیادہ بعید از معنی اور غلط بات نہیں ہو سکتی کہ میں نے عدالت سے یہ کہا تھا کہ اگر صوبے چاہیں تو وہ مرکز سے علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ قطعی مختلف اور شرانگیز بات ہے جو میں نے غیر معینہ عرصے کے لئے آئین کی معطلی کے بارے میں سپریم کورٹ میں کی اور جو میرے نام منسوب کی گئی ۔ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

میری ان معروضات کا اطلاق پوری شدت کے ساتھ 1973 کے آئین میں کی جانے والی ترامیم پر بھی ہوتا ہے۔ اگر آئین کی بحالی میں غیر معتدل تاخیر کے لئے غیر منصفانہ ترامیم کا سلسلہ جاری رہا، بطور خاص نئے شدہ بنیادی امور کے متعلق جیسے کہ انتخابات ، تو پھر یہ بہت مشکل ہو جائے گا کہ آئین کا چہرہ سیدھا رکھا جا سکے اور یہ کہا جائے کہ 1973 کا آئین اب بھی زندہ ہے ۔ ایسی صورت میں پھر حق انتخاب کے سارے راستے پھر سے کھل جائیں گے۔ جس میں یہ امور بھی شامل ہوں گے کہ خود مختاری "پوری" "مکمل" پوری اور مکمل سے کم ہے ۔ یہ بنیادی اور سنگین امور جو پاکستان کی بقا سے تعلق رکھتے ہیں ، ان کا تصفیہ ان نو منتخب نمائندوں کے اجماع سے ہونا چاہیئے جن کے لئے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کا انعقاد بلا تاخیر ہونا چاہیئے ۔ خود مختاری کی حدود کا تعین فطری طور پر اس اجماع کے ذریعے ہونا چاہیئے جو نئے منتخب اراکین کا ہو ۔

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ 1973 کا آئین مردہ ہو چکا ہے ۔ اس کا انحصار تو اس امر پر ہے کہ اسے کب تک اس پر جوش تعطل میں رکھا جاتا ہے ۔ اور کب تک اس میں ترامیم ہوتی رہیں گی ۔ اگر آزادانہ منصفانہ انتخابات کا جلد انعقاد نہ ہوا اور آئین میں ترمیم چلتی رہی تو پھر یہ سوچنا بھی وہم و گمان ہو گا کہ 1973 کا آئین اب بھی اس سرزمین کا اعلیٰ ترین قانون ہے ۔ انتخابات کی ضرورت اور اہتمام یہ ہوتا ہے کہ وہ آزادانہ اور منصفانہ ہوں ۔ انہیں معاشیات اور نظام مصطفےٰ کے ڈھیلے ڈھالے لوندے کے ساتھ نہیں جوڑا سکتا ۔

حکومت کا فوج سے ناگہانی تختہ الٹا جانا ایک ناخوشگوار تجربہ ہوتا ہے ۔ یہ اپنے پیچھے ایک خوفناک ورثہ چھوڑ جاتا ہے ۔ پاکستان ۔ پاک انسانوں کی سرزمین ۔ "فوجستان" بن کر رہ گیا ہے ۔ اگر فوجی بغاوتیں اور انقلاب سیاسی ڈھانچے کا مستقل حصہ بن جائیں تو اس کا مطلب یہ

ہے کہ مرجھائے ہوئے پھول کی آخری پتی بھی نیچے گر جائے گی ۔ اس کا مفہوم ہے خاتمہ! بہت سی قومیں ایسی ہیں جو ہمیشہ سے لافانی وقت میں اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہیں ۔ حتیٰ کہ روز اول سے قائم اقوام بھی اپنے آپ کو ایسی مہم جوئی اور خطرے میں نہیں ڈال سکتی ہیں ۔ وہ ریاستیں جو دو عالمی جنگوں کے درمیان آزاد ہوئیں وہ بھی اپنی وحدت کے لئے اس قسم کا جوا نہیں کھیل سکتی ہیں ۔

موجود ریاستوں سے ہی نئی ریاستیں اپنے عوام کے ارادوں سے تخلیق ہوئی ہیں ۔ عوام کی جدوجہد اور ان کے ایثار کے بغیر، اس قسم کی ریاستیں کبھی معرض وجود میں نہیں آسکتی تھیں ۔ اگر وہ اپنے اتحاد اور اپنی تخلیق کو برقرار نہیں رکھ سکتی ہیں تو پھر قربانی اور جدوجہد غائب ہو جاتی ہے ۔ اگر اس کے اتحاد اور سلامتی کی محافظ چیف آف آرمی سٹاف کی کرسی بن جائے تو پھر اسی کا اللہ ہی مالک ہے ۔ قائداعظم نے تو کبھی اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ فوج پاکستان کی سیاست میں ایک مستقل کردار کی مالک بن جائے ۔ ایسا خیال بھی اُن کے لئے مکروہ تھا ۔ اُنہوں نے کاکول میں کیڈٹوں کو نصیحت کی تھی کہ وہ دل و جان سے حکومت کے وفادار اور آئین کے وفادار رہیں ۔ لیکن قائداعظم کی یہ تقریر میرے علم میں نہیں تھی ۔ جون 1977ء کے اواخر میں جب میں مشرقِ وسطیٰ کے مختصر دورے پر روانہ ہونے والا تھا ۔ اس سے ایک دن پہلے چیف آف آرمی سٹاف جنرل ضیاءالحق نے میری توجہ اس تقریر کی طرف اس وقت مبذول کرائی ۔ جب وہ ہوائی اڈے سے میرے ساتھ کار میں کراچی میں میری رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے ۔ اس نے کہا کہ اس کے لئے میری حکومت سے وفاداری ایک واضح اور ٹھوس فریضہ ہے جس کا درس قائداعظم نے مجھے دیا ہے ۔"

وہ کون سے اعصابی دباؤ تھے جو ایسی زمانی اور تاریخی تبدیلیوں کا پس منظر بنے ؟ کون سے مریضانہ محرکات تھے جنہوں نے یوں رخ بدل دیا ؟ وہ کون سی نفسیاتی الجھنیں تھیں جو ایسی باتیں کرواتی تھیں ۔ ایوب خان کے "سنہری دور" کا نوسٹلجیا بنیادی جمہوریتوں کی صفت و ثناء ۔ انتخابات کا تصور کہ نتائج اس کی مرضی کے مطابق ہوں جو انتخابات کروا رہا ہو ۔ پاکستان کی سیاست میں فوج کے مستقل کردار کا خودکشی کا نظریہ ، ایسے ہی خیالات ہیں جو ان لوگوں کے ذہنوں میں آسکتے ہیں جو تاریخ کے دروازے کے باہر کھڑے ہیں ۔ ایسے خیالات صرف منجمد ذہنوں کو ہی اپیل کر سکتے ہیں ۔ ایسے رجعت پسند ذہنوں کو جو پاکستان کو گھسیٹ کر ماضی کی پسماندگی میں لے جانا چاہتے ہیں ۔ اگر ماضی کی طرف واپسی ممکن نہیں ہے تو پھر یہ فوجی حکومت اپنی پوری کوشش کر رہی ہے کہ ایک ادارے کی حیثیت سے اس نے جو اختیار و مقام حاصل کیا

ہے وہ ہر صورت میں برقرار رکھا جائے ۔ ایک ہی اختیار اور مقام کو قائم رکھنا ، ایک ایسے معاشرے کی نشاندہی کرتا ہے ۔ جس کی نشوونما رک چکی ہو ۔ ہوریس کے خیال میں "انسان تبدیلی کے متعدی اثرات کے تحت پیدا ہوتا ہے" میرے خیال میں تبدیلی کے لئے کینہ توزی کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ اس کے لئے عوام کی ذہانت لازمی ہوتی ہے ۔ اور یہ کینہ پرور ذہنوں سے جنم نہیں لیتی جو کینہ پروری سے مغلوب ہو چکے ہوں ۔

دو غلطیوں سے ایک سچ نہیں بنتا

اس حکومت نے اپنے تحفظ کے لئے دقیانوسی منطق کا سہارا لیا ہے ۔ اپنی بربریت ، مارشل لاء کو مبنی پر حقائق ثابت کرنے کے لئے اس نے اس ہنگامی اور ایمرجنسی حالت کا حوالہ دیا ہے جو میرے دورِ اقتدار میں ملک پر نافذ رہی ۔ اور یہ منطق ہے کہ اگر ایک منتخب حکومت ایمرجنسی نافذ کر سکتی ہے تو پھر فوجی حکومت اس سے بھی کئی قدم آگے جا کر آئین کو دفن کر سکتی ہے ۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ اگر پارلیمنٹ قانونی طریقے سے ، آئین کی بعض محدود شقیں جو بنیادی حقوق کے بارے میں ہیں ، معطل کر سکتی ہے تو پھر فوجی حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ پورے قانون کو معطل کر دے ۔ چونکہ میری حکومت نے ایمرجنسی کے زمانے میں خصوصی ٹریبونل قائم کئے اس لئے فوجی حکومت حق بجانب ہے کہ وہ دوسری انتہا پر جا کر سمری ملٹری عدالتیں ، دوسری سمری کورٹس ، خصوصی ٹریبونل اور نا اہل قرار دینے والے ٹریبونل قائم کر دے چونکہ میری حکومت نے قانون کے ضابطوں کے مطابق آئین میں ترامیم کیں اس لئے چیف آف دی آرمی سٹاف کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اکیلا ہی اپنی مرضی کے مطابق آئین میں ترامیم کر دے ۔ چونکہ وزیر اطلاعات و نشریات نے ایک اخبار کے خلاف کچھ انتظامی تدابیر لاگو کرنے کا مشورہ دیا اس لئے فوجی حکومت حق بجانب ہے کہ وہ صحافیوں کو کوڑے لگائے اور جیلوں میں بند کر دے اور پرنٹنگ پریسوں کو ضبط کر لے ۔

چونکہ میری حکومت نے بعض بدنام ٹیکس خوروں سے ٹیکس وصول کیا اسی لئے فوجی حکومت سمجھتی ہے کہ اسے پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور کارکنوں کی املاک ضبط کرنے ، ہراساں کرنے اور ان سے روپیہ پیسہ نچوڑ لینے کا اختیار حاصل ہے ۔ چونکہ میری حکومت پر یہ الزام ہے کہ اس نے انتخابات میں دھاندلی کی ۔ اس لئے فوجی حکومت سمجھتی ہے کہ جب تک ان کے لئے موزوں نہیں اس وقت تک انتخابات ملتوی کر دیئے جائیں ۔ اس کا ماضی کا ریکارڈ گواہ ہے کہ مستقبل میں بھی اچھا نہیں ہوگا ۔ انتخابی مہم کے عین وقت پر ، مجھے اور میری

پارٹی کے اعلیٰ لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا ۔ اس سے انتخابات ایک پُر فریب تماشا بن گئے ۔ ان گرفتاریوں کے باوجود ، جب پاکستان پیپلز پارٹی کے جلسوں میں عوام جوق در جوق آنے لگے اور یہ نشاندہی ہوگئی کہ پاکستان پیپلز پارٹی ایک بار پھر اپنی زبردست قوت کا مظاہرہ کرے گی تو فوجی حکومت نے بڑی عجلت میں انتخابات ملتوی کر دیئے ۔ فوجی حکومت کا دعویٰ ہے کہ میں نے انتخابات میں دھاندلی کی ۔ اس کا اپنا طرزِ عمل اس کے مقابلے میں بدتر ہے ۔

میری حکومت پر یہ مبینہ الزام لگایا جاتا تھا کہ وہ اپنی پارٹی کی سرپرستی کرتی تھی ۔ اس لئے فوجی حکومت سوچتی ہے کہ وہ اس امر میں حق بجانب ہے کہ پی این اے کی شناخت کو اپنی شناخت میں مدغم کر لے ۔ پی این اے میں اب کچھ بھی نہیں رہا ہے ۔ ایک میکسیکن کہاوت ہے جو انتہائی برمحل ہے ۔

"وہ جو کتوں کے ساتھ سوتے ہیں ۔ وہ پسوؤں کے ساتھ جاگتے ہیں ، چونکہ میری پارٹی نے انتخابات میں حلقوں کی نئی حد بندیوں کے لئے سفارشات قانونی طریق سے الیکشن کمیشن کے سامنے پیش کی تھیں ۔ اس لئے فوجی حکومت یہ سوچنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتی ہے کہ وہ الیکشن کمیشن محض ربڑ کی مہر لگانے والے سفارشی ادارے میں تبدیل کر دے ۔ چونکہ میری حکومت نے سابقہ چیف الیکشن کی ملازمت میں توسیع کی تھی اس لئے فوجی حکومت اس میں یقین رکھتی ہے کہ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کو چیف الیکشن کمشنر بھی بنا دیا جائے ۔ چونکہ میری حکومت نے یہ سوچا تھا کہ ایک سنگین قومی بحران کے حل کے لئے ریفرنڈم کرایا جائے ۔ اس لئے فوجی حکومت بھی سوچتی ہے کہ وہ بھی اس امر کے لئے ریفرنڈم کروائے کہ لوکل باڈیز کے انتخابات دوسرے انتخابات سے پہلے کرائے جائیں یا نہیں ؟اسی طرح قرطاس ابیض میں دھوکہ دہی کے انداز میں میرے دور کی ایمرجنسی کے حوالے دیئے گئے ہیں ۔ قرطاس ابیض کے تعارف (صفحہ ۱) پر کہا گیا ہے "جب تک وہ برسراقتدار رہے ، ملک میں ایمرجنسی کی حالت مکمل طور پر نافذ رہی ۔ حتیٰ کہ عام انتخابات کے زمانے میں بھی اُسے نہ اُٹھایا گیا"

کم از کم میں نے آزادانہ منصفانہ طور پر عام انتخابات تو کروائے تھے ۔ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر اب دوسرے لوگوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ انتخابات کروائیں گے ۔ جس سے صورتِ حال ابتر ہوگئی ہے ۔ چہرہ بچانے کے لئے یہ بھی محض ایک سٹنٹ ہے ۔ جب کہ یہ اُسی عمل کا محض ایک حصہ ہے جو 5 جولائی 1977 سے شروع ہے ۔ جس روز اس نے اقتدار پر غاصبانہ قبضہ کیا اس نے مذہبی متانت سے وعدہ کیا کہ انتخابات نوے دنوں میں ہوں گے ۔ 28 ستمبر 1977 کو اس کے ترجمانِ اعلیٰ نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں

جنرل اسمبلی کو اطلاع دی کہ پاکستان میں انتخابات طے شدہ پروگرام کے مطابق 18 اکتوبر 1977 کو ہوں گے ۔ اور اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل کر دیا جائے گا اور اس کے تین دن بعد اس کا وعدہ ٹوٹ چکا تھا اور انتخابات اچانک ملتوی کر دئے گئے ۔

اگر میں نے یہ گناہ کیا کہ ایمرجنسی کی حالت میں بھی انتخابات کرا دیئے تو اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ اگر کبھی انتخابات کرا دیئے گئے تو مارشل لاء اُٹھا دیا جائے گا ۔ مارشل لاء تو ایمرجنسی کی انتہائی صورت ہے ۔ اگر انتخابات اور ایمرجنسی میں کوئی مطابقت نہیں تو پھر اس سے بھی زیادہ یہ ناقابل مفاہمت حقیقت ہے کہ مارشل لاء انتخابات کے ساتھ اپنا وجود برقرار رکھے ۔ اس طرح کی مثالیں اور تشبیہیں دینے کا حاصل کیا ہے ۔ یہ کہ فوجی حکومت اپنی کجرو منطق کا اظہار کرنا چاہتی ہے ۔ ان کے کاسہ لیس اور خوشامدی کہتے ہیں کہ میں انتخابات کا مطالبہ اس لئے نہیں کر سکتا کہ میں نے احتجاج کے دنوں میں پاکستان کے تین شہروں پر مارشل لاء لگا دیا تھا ۔ یا یہ کہ جب میں نے 20 دسمبر 1971 کو پاکستان کے صدر کی حیثیت سے حلف اُٹھایا تو اس کے ساتھ ہی چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بھی بن گیا میں اس کی وضاحت پہلے بھی کر چکا ہوں کہ 1962 کا آئین یحیٰی خان نے منسوخ کر کے ایک خلا پیدا کر دیا تھا ۔ جب تک اس خلاء کو اپریل 1972 کے عارضی آئین سے پُر نہ کیا گیا مجھے ورثے میں ملنے والی تمام ذمے داریاں اس کے دور کے سنگین حالات کے تحت قبول کرنی تھیں ۔ جہاں تک پاکستان کے تین شہروں پر مارشل لاء نافذ کرنے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ وہ گڑبڑ تھی جو انتہا کو پہنچ گئی تھی ۔ اور پھر ایک ایسا مارشل لاء جو دستور کے تحت لگایا جائے اور ایسا مارشل لاء جو ڈیوک آف ویلنگٹن لگوائے اس میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔

جب لوگ یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی مکمل طور پر اُٹھا لی جائے تو ضابطۂ فوجداری کے سیکشن 144 کے استعمال کے لئے میری حکومت ریفرنس پیش کرتی ہے ۔ اس قسم کی تباہ کن منطق کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا ۔ یہ ہر ایک کو گونگا بنا دیتی ہے ۔ قرطاس ابیض کے صفحہ 384 پر "ایمرجنسی کا کوئی خاتمہ نہیں" کے عنوان کے تحت قرطاس ابیض میں کہا گیا ہے اس کے باوجود کہ پاکستان کے دوسرے ملکوں کے ساتھ مکمل تعلقات کے دعوے اور اس حقیقت کے باوجود کہ بھارت کی نئی حکومت نے خارجی ایمرجنسی اُٹھالی تھی ۔ اُنہوں نے پاکستان میں ایمرجنسی کی حالت ختم کرنے سے انکار کر دیا ۔ جسے وہ اپنے مخالفین اور حزب اختلاف کو کچلنے کے لئے مؤثر انداز میں استعمال کر رہے تھے ۔ میں نے (ایمرجنسی کے بارے میں) جو کہا تھا وہ یہ تھا کہ میں ایمرجنسی اُٹھانے کے سوال پر اس وقت تیار ہوں جب بھارت خارجی ایمرجنسی کو اُٹھالے گا ۔ لیکن میں نے یہ کبھی نہیں کہا تھا کہ جونہی بھارت ایمرجنسی

ختم کر دے گا ۔ ہمارے ہاں بھی ایمرجنسی خود بخود ہٹادی جائے گی ۔ بھارت نے پاکستان کے ساتھ ایک جنگ لڑی تھی ۔ لیکن دوسروں کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات کشیدہ اور خراب تھے ۔ ہمارا ملک ٹکڑے ہو چکا تھا اور اس کے علاوہ افغانستان کے ساتھ بھی شدید غلط فہمیاں پیدا ہو چکی تھیں ۔ لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ دوسرے عناصر تھے ، جیسے اندرونی گڑبڑ اور ہنگامہ آرائی بھی تھی ۔ قرطاس ابیض اپنی من مرضی سے پیشہ ورانہ وجدان کے ساتھ آدھا سچ ہی بیان کرتا ہے ۔ بھارت میں احتجاج بیرونی ایمرجنسی پر نہیں بلکہ اندرونی ایمرجنسی پر کیا گیا تھا ۔ جہاں تک افغانستان کے پاکستان کے ساتھ اختلافات کا معاملہ ہے تو قرطاس ابیض نے اس حقیقت کو بہت گھٹا کر بتانے میں بڑی عجلت سے کام لیا ہے ۔ بجائے اس کے کہ یہ حکومت ایسے سنجیدہ امور پر غور و فکر کرتی اس نے اسے سکینڈل بنانے اور کیچڑ اچھالنے میں زیادہ دلچسپی لی ہے ۔

قرطاس ابیض کے صفحات 167 اور 168 پر مسماۃ رانی کا رسیلا حوالہ دیا گیا ہے ۔ میرا رانی سے کیا واسطہ ، میں اسے کیا کروں ؟ جنرل اس میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے ۔ وہ جنرل رانی ہے ۔ جھانسی کی رانی کی طرح گجرات کی رانی ہے ۔ اُسے میرے ساتھ جنرل آغا محمد یحییٰ خاں کمانڈر انچیف آف پاکستان آرمی نے فروری 1971 میں متعارف کرایا تھا ۔ گذشتہ ساڑھے پانچ سال کے عرصے میں جب میں پاکستان کی حکومت چلاتا رہا ، میں نے اس سے ملاقات نہیں کی ۔ اس نے مجھے کئی خط لکھے جن میں التجائیں کی گئی تھیں کہ پانچ منٹ کے لئے اس سے ایک بار مل لوں ۔ ان حالات میں ، میں نے آفیسر اون سپیشل ڈیوٹی برائے پنجاب کو ہدایت کی وہ پتہ کرے کہ وہ کیا چاہتی ہے ۔ جنرل رانی کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی نئی ٹیم کے ساتھ انتہائی شاندار روابط ہیں ۔ ان کے بے داغ اور پاک وزیر برائے افرادی قوت ، جو گجرات سے تعلق رکھتے ہیں ، جنرل یحییٰ خان کے "سیمیں دور" میں اُنہوں نے جنرل رانی کے پورے اختیارات کو استعمال میں لائے تھے ۔ آئیے ہم ان فضول لوگوں ، رانی اور راجہ کی باتیں بند کریں ۔ اس سے ایسا کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا کہ میری "غلطیوں" کے پیچھے پناہ لے کر زیادہ سنگین غلطیوں کو من مانی سے لطف لیتے ہوئے سامنے لایا جائے ۔ فوجی حکومت ان غلطیوں کو جمہوریت بحال کر کے ٹھیک کر سکتی ہے کہ آمریت کو مزید مستحکم کر کے ۔ اس فوجی حکومت نے عوام کے منتخب نمائندوں سے اقتدار چھینا ہے اور اس جواز کے ساتھ کہ وہ اسے عوام کو واپس کر دیں گے ۔ نہ کہ اپنی شان و شوکت اور چمک دمک سے اُسے آگ کا گولہ بنا دیا جائے ۔

میرے دورِ حکومت میں ایمرجنسی کا نفاذ حالات و واقعات کے شدید جبر کا نتیجہ تھا۔

قوم کی دھجیاں بکھر چکی تھیں ۔ ملک ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا ۔ کوئی آئین نہیں تھا ۔ کرنسی کی قیمت کم کرنی پڑی ۔ ہمارا پانچ ہزار مربع میل کا علاقہ بھارتی فوج کے قبضے میں تھا ۔ نوے ہزار جنگی قیدی بھارت کی قید میں تھے ۔ مجیب الرحمٰن جنگی مقدموں کی دھمکیاں دے رہا تھا ۔ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا مسئلہ تھا ۔ پولیس ہڑتال کر رہی تھی ۔ مزدور ہڑتال کر رہے تھے حتیٰ کہ جیلو نیں بھی ہڑتال ہو رہی تھی ۔ یہ ''جلاؤ'' اور ''گھیراؤ'' کے دن تھے ۔ مزید برآں اسی زمانے میں بین الاقوامی اقتصادی اور مالی بحران سے بھی دوچار ہونا پڑا ۔ تیل کی قیمتیں چار گنا بڑھ چکی تھیں ۔ نوے سالہ پرانے احمدی مسئلے کو حل کرنا تھا ۔ سندھ میں لسانی اختلافات کو طے کرنا تھا ۔ معیشت کو بحال کرنا تھا ۔ بلوچستان کی بغاوت کا مقابلہ کرنا تھا ۔ صوبہ سرحد میں بموں کے جو دھماکے ہو رہے تھے انہیں بند کرانا تھا ۔ داؤد حکومت کی دھمکیاں بھی توجہ چاہتی تھیں ۔ شمالی علاقوں میں زبردست زلزلہ آیا ۔ دو زبردست سیلاب آئے اور بارشیں تباہی کا سبب بن گئیں ۔ سندھ ، راوی اور جہلم میں طغیانی آئی ۔ زمین پانی کی چادر بن گئی ۔ تربیلا ڈیم کے ڈھانچے کے دوبارہ معائنے اور مرمت کا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا ۔

یہ وہ چند بڑے مسائل تھے ، جنہوں نے یکے بعد دیگرے بڑی تیزی سے ملک پر یہ ضربیں لگائی تھیں ۔ میری حکومت نے قوم کو موت کے جبڑوں سے باہر نکالا ۔ ہم نے عوام کی قوت کے بل بوتے پر شدید ترین مسائل پر قابو پایا ۔ جہاں بد نظمی تھی وہاں ہم نے اعتماد پیدا کیا ۔ ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کو استحکام میں بدل دیا ۔ ایک چھوٹا سیلاب ، جو چھوٹا سا سیلاب بھی نہیں ہے اس نے فوجی حکومت کو چکرا دیا ہے ۔ میری حکومت کو پہلے مارشل لاء کے ترکے میں جو مسائل ملے تھے اگر ان کا ایک چوتھائی بھی اس فوجی حکومت کو ملتا تو یہ اب تک ٹوٹ پھوٹ کر ہوا میں تحلیل ہو چکی ہوتی ۔ چند ماہ تک یہ فوجی حکوت بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے ، ان قابل تعریف حالات کے تحت، جو ہماری محنتوں کا نتیجہ تھے ، دعوت اڑاتی رہی ہے ۔ اب وقت آگیا ہے کہ جھوٹ اور جعلی موازنوں کا سلسلہ ختم ہو جائے ۔ اگر ایمرجنسی کا نفاذ برا تھا تو مارشل لاء اس سے بد تر ہے ۔ اس فوجی حکومت کو مستقبل کی طرف دیکھنا چاہئے اور گنتی کرنی چاہئیے کہ کتنے چوزے مرغنے کے لئے گھر آرہے ہیں ۔ ہمارے گناہ اب ایجنڈے پر نہیں رہے ہیں ۔ اس فوجی ٹولے کی ڈائری وسط گرما کی نصف شب کے اسی لمحے سے لکھی جارہی ہے ۔

ایمرجنسی کی حالت کے سائے میں ، انتخابات میں بدعنوانی کی سرگرمیاں ، ہمیں کرپشن تک لے آئیں ، جو تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے باغ عدن میں داخل ہونے سے پہلے ، اس کی دہلیز پر یہ کہنا ضروری ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے ۔ قوم کو بڑے فخر سے مطلع کرنے

کے بعد کہ شپنگ کا مشیر اور وزیر برائے شپنگ کو بے حساب گندم کی بر آمد کا ٹھیکہ دے دیا گیا ہے ۔ "محبت کا آخری حرف بدلا جا چکا ہے" ۔ سمندری جہازوں کے ایک ارب پتی مالک جس کی اس ملک میں حقیقی جڑیں بھی نہیں ہیں قوم پر تھوپ دیا گیا اسے اس فوجی حکومت نے یہ ٹھیکہ دیا ہے جس کا وزیر جہاز رانی ہے ۔ کہ وہ اپنی کمپنی کے جہازوں کو استعمال کر کے پاکستان گندم لائے ۔ جہاز رانی کا مشیر خود جہازوں کا اربوں پتی مالک اسے لاکھوں ٹن گندم بر آمد کرنے کی اجارہ داری دے دی گئی ۔

یہ کہنا کہ جہازوں کے اربوں پتی مالک نیز مشیر یا وزیر کو یہ ٹھیکہ اس لئے مل گیا کہ اس کا ٹینڈر سب سے کم تھا تو یہ کہانی چھوٹے پرندوں کے لئے ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ کرپشن کے پاتال میں گرنا ہے ۔ کس فخر سے یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ جیسے یہ کوئی نادر واقعہ ہو کہ ، اس نے ٹرانسپورٹ کا انتظام کر لیا ہے ۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس طریقے سے ہمارے ملک کو اس وزیر جہاز رانی کو پچاس لاکھ ڈالر کا اضافی منافع اس شرح سے زیادہ دیا جا رہا ہے جو اگر صحیح معنوں میں ٹنڈر نئے جاتے تو بچت ہو جاتی ۔ واقعی ، ملک میں گندم کی صورتِ حال خراب ہے ۔ اگر ایسی صورتِ حال ایک منتخب حکومت کے دور میں پیدا ہو جاتی تو حزبِ اختلاف جب تک درجن بھر یا زیادہ سروں کو گرتے ہوئے نہ دیکھ لیتی ، اس سے کم پر نہ رکتی لیکن ایک اربوں پتی جس کی قومیت مشکوک ہے ملک سے منافع حاصل کر رہا ہے ۔ اور ہم 25 جنوری 1978 کو کیا دیکھ رہے ہیں ۔ یہ کہ 27 اگست 1973 کو دوبارہ نافذ کیا جائے ؟ لوگوں کی پریشانیوں اور ہراسانیوں کے لئے کورپشن کی قلوپطراؤں نے سرکس میں نشستیں سنبھال لی ہیں ۔ یہ قلوپطرہ ملکۂ نیل نہیں ہے ۔ بلکہ گجرات کے نالے کی کلی ہے ۔ کورپشن کی اس قلوپطرہ کے ساتھ بیٹھے ہوؤں کے لئے چٹکی بجاتے ہی زمین پر جنت اتر آئی ہے ۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جہاں تک کرپشن کا تعلق ہے قرطاس ابیض مجھے اس میں ملوث قرار دینے میں ناکام رہا ہے ۔ اس کے صفحہ 18 پر راؤ رشید کا حوالہ دیا گیا ہے ۔ جس میں انہوں نے کہا "حکومت کا کمزور ترین پہلو یہ ہے کہ سیاسی کرپشن کو دبانے اور ختم کرنے کے عمل کا فقدان ہے ۔ جس سے لوگوں نے سمجھا ہے کہ حکومت اس قسم کی کرپشن کو نظر انداز کر رہی ہے ۔ اس لئے یہ لازمی ہو گیا ہے کہ ہر صوبے میں سیاستدانوں نے جو کرپشن کی ہے ان کے خلاف سخت کارروائی کی جنے ۔ وزیر اعظم کو چاہئے کہ وہ چاروں وزرائے اعلی سے رجوع کریں کہ وہ چند ایسے کیسوں کا انتخاب کریں اور اس تاثر کو ختم کرنے کے لئے اُن کے خلاف فوری طور پر مؤثر کارروائی کی جائے" قرطاس ابیض اپنے ہی الفاظ میں اس کی تصدیق کرتا ہے ۔ "ایسے امور

میں مسٹر بھٹو کی منظوری کا بھی فقدان نہیں ملتا"۔

ان اقتباسات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے کمزور ترین پہلوؤں پر غور و فکر کرنے میں اور ان کا مداوا کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا ۔ ہم نے ناخوشگوار واقعات کی سزا مارشل لاء کی سزاؤں سے نہیں دی ۔ اس سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ جب بھی کرپشن کا معاملہ آیا میں کسی کو بھی معاف کرنا نہیں چاہتا تھا ۔ میں نے فی الفور ان شکایات کو متعلقہ جانز تحقیقاتی اداروں کو روانہ کر دیا ۔ جن میں آج کی رسوا ایف آئی اے بھی شامل ہے ۔ میرے زمانے میں ایف آئی اے قانون کی اطاعت کرتی تھی ۔ میرے پاس مارشل لاء کی یہ طاقت حاصل نہیں تھی کہ میں گواہوں سے جعلی اور جھوٹے بیان لینے کے لئے ان پر تشدد کروں ۔ مارشل لاء کے تحت کسی بھی شہری کو قانون کے تقاضوں کو پورا کئے بغیر ، چند منٹوں میں قید بامشقت دی جا سکتی ہے ۔ اس میں یہ ممکن ہے کہ حراست کے بعد ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں کوڑوں کی سزا دی جا سکے ۔ ہم خدا کے شکر گزار ہیں کہ ہمارے پاس ایسے شاندار مارشل لاز نہیں تھے ۔ ہمیں قانونی طریقہ کار پر چلنا پڑتا تھا ۔ قبل از گرفتاری ضمانتیں منظور کی جاتی تھیں ۔ حتیٰ کہ کیس کی رجسٹریشن سے بھی پہلے ۔ درخواست گذار کی ضمانت نہ صرف اس کیس میں ضمانت منظور کر لی جاتی تھی جس کے لئے اس نے درخواست دی تھی بلکہ اس کے خلاف کئے جانے والے مستقبل کے مقدموں میں بھی ضمانت قبل از گرفتاری دیدی جاتی تھی ۔ خواہ وہ قابل سماعت اور عدالتوں کے دائرہ اختیار میں ہوتی تھیں یا نہیں ہوتی تھیں ۔

چیف آف آرمی سٹاف جنرل ضیاالحق پر یہ دھن سوار تھی کہ کراچی کے ایک سیاست دان اور اس کے بیٹے کو گرفتار کیا جائے ۔ ان کے اپنے قول کے مطابق ، رینجرز کے پاس اس سیاست دان کی سمگلنگ کی سرگرمیوں کے سو فیصدی ثبوت موجود ہے ۔ اُسے یہ اجازت دیدی گئی ۔ لیکن ایک ہفتے کے بعد ، قانون نے مداخلت کی اور اُن کے شکار کو رہا کر دیا ۔ جب 28 اگست 1977 کو راولپنڈی میں میں ان سے ملا تو اس نے مجھے بڑی چہکتی ہوئی مسرت سے بتایا کہ مارشل لاء کے نفاذ کی وجہ سے اب اس شخص کو سزا دینے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے گی ۔ یہ سچ ہے کہ مارشل لاء کے تحت کسی کو بھی سزا دینا اب کوئی مسئلہ نہیں ہے ۔ تین گننے سے پہلے پہلے بہت کچھ ہو سکتا ہے ۔ جب کہ مہذب قوانین کے تحت ، میں کسی شخص کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا ۔

صفحہ 214 پر قرطاسِ ابیض میں بیان کیا گیا ہے "بھٹو کی کابینہ کے وزیر اور پارٹی کے حامی ، وہ ریکارڈ جو اس حکومت نے خود اپنے پیچھے چھوڑا ہے ۔ اس کے مطابق دولت میں

ڈوبے ہوئے تھے ۔ مثال کے طور پر ان کاغذات کا صرف کچھ حصہ جو مسٹر ممتاز علی بھٹو ، جو اسی وقت وزیر مواصلات تھے اور مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ جو پہلے وزیر تعلیم اور پھر وزیر مالیات ہوئے کے بارے میں یہاں دیا جا رہا ہے تاکہ روپے کا جو لین دین چھپا کر ہوا تھا ، اس پر کچھ روشنی پڑ سکے ۔ یہ لین دین اس زمانے میں ہوا جس کا اب جائزہ لیا جا رہا ہے ۔

قرطاس ابیض اسی صفحے پر یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ "سابق وزیر اعظم نے 17 مئی 1976 کو انکوائری کا حکم "جاری کیا تھا" انکوائری ایف آئی نے کی تھی ۔ اس تاثر سے قطع نظر جو قرطاس ابیض پیدا کرنا چاہتا ہے ۔ مجھے ٹھوس انداز میں یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ مزید کارروائی کے لئے مناسب ثبوت مہیا نہیں ہوئے ۔ اس حقیقت کو قرطاس ابیض نے خود صفحہ 218 پر مسخ کر کے تسلیم کیا ہے ۔ اس کے بعد جب کسی عام شہری نے جسے میں نہیں جانتا تھا ، دو خط بھیجے جن میں مسٹر ممتاز علی بھٹو پر سنگین الزامات عائد کئے گئے تھے تو میں نے فوراً ڈائریکٹر انٹیلیجنس بیورو اور ایف آئی اے کو حکم دیا کہ "وہ اس سلسلے میں کارروائی کرے" وہ ایک نامعلوم آدمی تھا ، میں چاہتا تو ان خطوط کو پھاڑ دیتا یا فائل کر دیتا ۔ لیکن میں نے کیا کیا ؟ میں نے ایک نہیں بلکہ دو تحقیقاتی ایجنسیوں کو حکم دیا کہ وہ اس پر کارروائی کریں ۔ قرطاس ابیض کے صفحہ 218 پر ریکارڈ کیا گیا ہے ۔ ڈائریکٹر انٹیلیجنس بیورو نے مجھے بتایا کہ متعلقہ فرد مسٹر ممتاز علی بھٹو کے خلاف عناد رکھتا ہے کیونکہ انہوں نے کسی معاملے میں اس کی بات نہیں مانی تھی ۔

مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ کے بارے میں حوالہ دیا گیا ہے ۔ اس کا تعلق اس رپورٹ سے ہے جو حکومت سندھ کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل آف پولیس سپیشل اور کریمنل برانچ محمد عرفان نے پیش کی تھی ۔ اس معاملے کی تحقیقات بھی ایف آئی اے کے ذریعے کرائی گئیں ۔ اس کا تعلق نیشنل سیمنٹ فیکٹری کراچی کولائم سٹون کی سپلائی کے ٹھیکے کے متعلق تھا ۔ صوبائی اور وفاقی تحقیقاتی ٹیم یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئی کہ کس طرح "کم از کم سات ٹرک" ایک خود ساختہ فرد نے بلاضمانت بینک قرضوں پر خریدے تھے ۔ ایف آئی اے کی رپورٹ محررۃ یکم جنوری 1977 کا خلاصہ قرطاس ابیض کے صفحات 219 اور 220 پر دیا گیا ہے ۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ میں نے قومی سلامتی کے خصوصی مشیر جنرل ٹکا خان سے اس معاملے پر بات چیت کی ۔ لیکن میں نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی ۔ اس رپورٹ میں مجھے جو معلومات فراہم کی گئی تھیں ، ان کی بنیاد پر کیا کارروائی کی جا سکتی تھی ؟ معلومات یہ تھیں ۔

(ا) سلمان بروہی کبھی ایک مزدور تھا لیکن اب وہ ایک خوشحال ٹھیکیدار تھا ۔ وہ ایسا شخص تھا جسے ہم برصغیر میں ایک سلف میڈ (خود ساختہ) آدمی کہتے ہیں ۔

(ب) اس نے کچھ ٹرک جو چودہ سے زیادہ نہیں تھے ۔ غیر محفوظ بلاضمانت قرضوں پر حاصل کئے تھے ۔

(ج) عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ سلمان بروہی کے کاروبار میں حصے دار ہیں یہ اس پر بہت سے دلائل دیئے جا سکتے ہیں ۔

(ا) یہاں بہت سے خود ساختہ افراد ہیں وہ صوبہ جسے کرپشن کے سلسلے میں کارروائی کرنے کے منتخب کیا گیا اور جو زیر بحث ہے ۔ اس میں مسٹر عبداللہ ہارون سب سے زیادہ مشہور خود ساختہ آدمی ہیں ۔ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ سر عبداللہ ہارون کے دوست کی حیثیت سے قائد اعظم کو غلط سمجھا جائے ۔

(ب) رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ بروہی بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتا ہے اور اس نے کاروبار میں بہت دولت کمائی ہے ۔ اس لئے وہ قرضہ جو بلاضمانت یا باضمانت ، مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ کی وجہ سے دیئے گئے یا نہیں دئے گئے لیا جا سکتا تھا ۔ اگر مسٹر پیرزادہ نے قرضوں کی سفارش کی تھی تو اس نے کسی دیوالیہ شخص کی سفارش نہیں کی تھی ۔

(ج) پھر ایسا کون سا ثبوت پیش کیا گیا تھا کہ جس سے یہ ثابت ہو سکے مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ کاروبار میں بروہی کے حصے دار تھے ۔ کہ ان کے خلاف کارروائی کی جا سکتی ۔ ایسا کوئی ثبوت تحقیقاتی ایجنسیوں نے پیش نہیں کیا تھا ۔ میں نے اس مسئلے پر جنرل ٹکا خان سے تفصیل کے ساتھ بات چیت کی تھی ۔ میں ایک وفاقی وزیر کو اس طرح بے وقعت نہیں کر سکتا تھا ۔ اگر ہم اس کے خلاف کارروائی محض ان الفاظ "عام طور پر سمجھا جاتا ہے" پر کرتے تو اس طرح تو کوئی بھی ایسا شخص جو گھڑی پہنتا ہے اور ایک مناسب چھت کے نیچے اپنا سر رکھتا ہے شبہے سے نہیں بچ سکتا ۔ کون سا ایسا آدمی ہے جو صحیح دماغ رکھتے ہوئے مجھے یہ مشورہ دے سکتا ہے کہ جو کچھ اس رپورٹ میں فراہم کیا گیا ہے ان کی بنیاد پر کسی شخص کے خلاف کارروائی کی جا سکتی ہے ؟

میں سیاسی کیریئر ، اہم افراد کی شہرتوں کو محض گپ شپ اور افواہوں کی بنیاد پر پھانسی پر نہیں لٹکا سکتا ۔ یہ تحقیقاتی ایجنسیوں کی ذمے داری تھی کہ مجھے حصے داری کا کچھ ثبوت فراہم کرتے ۔ یہ حکومت، اپنی ایک برس کی پاک و مقدس حکمرانی کے ایک برس بعد خود اپنے زعمائی بد عنوانیوں کے بارے میں افواہیں سنیں گی ۔ یہ سارا فساد اور عتاب سات یا اس سے زیادہ چودہ ٹرکوں کی وجہ سے کیا جا رہا ہے ۔ اور اس وقت جب کہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کہتا ہے کہ اس نے اپنے جہاز رانی کے مشیر، ایک ارب پتی جہاز ران کو لاکھوں ٹن گندم اس کے جہازوں میں امپورٹ

کرنے کی اجارہ داری بخش دی ہے ۔

تیسرا کیس صفحات 229 سے 234 تک نام نہاد ملین ڈالر الیکشن فنڈ کے بارے میں ہے یہ ایک جعلی اور بے بنیاد کہانی ہے ۔ جہاں تک میں اس کی تصدیق کروں گا تو یہ پتنگ بازی ہے ۔ قرطاس ابیض صفحہ 229 پر بیان کرتا ہے ۔ شکایات پر دستخط فرضی ناموں کے تھے ۔ معمول کے مطابق ایسی شکایتوں پر غور نہیں کیا جاتا ۔"

قرطاس ابیض اعتراف کرتا ہے کہ ان شکایات پر فرضی دستخط اور عام طور پر ایسی شکایتوں پر توجہ نہیں دی جاتی ۔ طے شدہ طریق کار کے مطابق ایسی شکایات فائل کر دی جاتی ہیں ۔ اسی کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ شکایات کو فائل یا ضائع کر دیا جاتا ہے ۔ کیونکہ ان سے کچھ حاصل نہ ہوتا تھا ۔ طے شدہ ضابطے کے برعکس میں نے متعلقہ وزیر کو اس ہدایت کے ساتھ بھجوا دیا، یہ بہت سنجیدہ معاملہ ہے ۔ میں مکمل انکوائری چاہتا ہوں ۔ قصور وار کو اس کی پوری سزا دی جائے ۔ (صفحہ 230)

فیاضی کے بغیر جیسے کہ قرطاس ابیض میں کھینچ تان کر بات بنائی جاتی ہے ۔ صفحہ 230 پر قرطاس ابیض کہتا ہے ۔ اس ریمارک میں فیصلے کرنے سے پہلے کا عنصر پایا جاتا ہے ۔ مسٹر بھٹو کیوں اور کیسے ، جبکہ انکوائری ہی نہیں ہوئی ، اس نتیجے تک کیسے پہنچے ۔"

اگر میں ثبوت کے فقدان کی وجہ سے کسی وزیر کے خلاف کارروائی نہیں کرتا تو مجھ پر تنقید کی جاتی ہے ۔ اگر میں مجرم شخص کو سزا دینے کی دھمکی دیتا ہوں تو بھی مجھ پر تنقید کی جاتی ہے ۔ جب کہ فطری بات یہ ہے کہ یہ دھمکی اس صورت میں دی گئی ہے کہ اگر الزامات ثابت ہو جائیں تو سزا دی جائے ۔ قرطاس ابیض اسی صفحے پر تسلیم کرتا ہے "انکوائری کے دوران بہت اہم آہنگ اور اکثر متضاد قسم کا ڈھیروں ریکارڈ جمع ہو گیا تھا ۔ جنہیں متوازی خطوط پر خود بی آئی ایم اور ایف آئی اے نے تحقیقات کیں مؤخر الذکر انکوائری کا حکم وزیراعظم نے دیا تھا ۔"

ایک ایسی شکایت جسے میں قانونی طور پر داخل دفتر کر سکتا تھا ۔ اور جس کا اعتراف خود قرطاس ابیض نے کیا ہے ۔ میں نے اس پر ایک سخت نوٹ متعلقہ وزیر کے نام لکھا اور ایف آئی اے کو بھی تحقیقات کرنے کے لئے کہا ۔ 9 دسمبر 1979 کو وزیر پیداوار مسٹر رفیع رضا نے ایک نوٹ لکھ کر بھیجا جس میں پوزیشن کی وضاحت کی گئی تھی ۔ جیسا کہ اس نوٹ میں دیکھا جا سکتا ہے جو بطور ضمیمہ نمبر 248 شامل کیا گیا ہے ۔ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا ۔ الزام کے برعکس انتخابات میں ایک پیسہ بھی بطور کنٹری بیوشن نہیں لیا گیا تھا ۔ یہ دونوں انکوائریاں خود سب کچھ کہہ رہی ہیں ۔ حتیٰ کہ جاپان میں پاکستان کے سفیر سے بھی ایف آئی اے

نے رابطہ قائم کیا ۔ اگر وہ سامنے آکر یہ کہیں کہ ایسے سکینڈل من مانی پر مبنی الزامات میں سچائی کا ایک ذرہ بھی موجود ہے تو میں انہیں خوش آمدید کہوں گا۔

ایک بوگس الیکشن فنڈ کے ساتھ رفیع رضا کا ربط جوڑنے کی وجہ صاف عیاں ہے ۔ انہیں اس رسے میں اس لئے جکڑا گیا ہے کہ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ انتخابی مہم کے انچارج تھے ۔ رفیع رضا ایک مجاز بیرسٹرایٹ لاء ہیں اور وہ اپنا دفاع خود کر سکتے ہیں ۔ عبدالحفیظ پیرزادہ بھی ایک ممتاز بیرسٹرایٹ لاء ہیں اور وہ بھی اپنے مفادات کا تحفظ کر سکتے ہیں اس وقت وہ ایک نااہل قرار دیئے جانے والے ٹریبونل کا سامنا کر رہے ہیں ۔ مسٹر ممتاز علی بھٹو ایک شہزادے ہیں اور ایک شہزادے کے فرزند ۔ وہ ایک بیرسٹرایٹ لاء ہیں اور وہ اپنی شہرت کا دفاع کرنے کے اہل ہیں۔

میرا واسطہ دراصل اصولوں سے ہے ۔ اس سلسلے میں قرطاس ابیض کہتا ہے ۔ "بھٹو کی کابینہ کے وزیر اور پارٹی کے حامی ، وہ ریکارڈ جو اس حکومت نے خود اپنے پیچھے چھوڑا ہے ، اسی کے مطابق دولت میں ڈوبے ہوئے تھے ۔ مثال کے طور پر ان کاغذات کا صرف کچھ حصہ جو مسٹر ممتاز علی بھٹو ، جو اس وقت وزیر مواصلات تھے اور مسٹر عبدالحفیظ جو پہلے وزیر تعلیم اور پھر وزیر مالیات ہوئے ، کے بارے میں یہاں دیا جا رہا ہے ۔۔۔۔ (قرطاس ابیض صفحہ 214) یہ بتانا کتنا دلچسپ اور مزیدار ہے کہ میری حکومت احمقوں پر مشتمل تھی ، جس نے اپنے پیچھے ایسا ریکارڈ چھوڑ دیا جو یہ دکھاتا ہے کہ وہ دولت میں ڈوبے ہوئے تھے ۔

یہ بیان اس چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کے اس بیان سے بھی متصادم ہے جو اس نے یکم جنوری 1978 کو راولپنڈی میں پریس کانفرنس میں دیا تھا ۔ روزنامہ جنگ کے ایڈیٹر کے وجدانی سوال کے جواب میں دیا تھا کہ عوام میں محاسبے کی سست رفتار سے اشتعال اور بے چینی پیدا ہو رہی ہے ۔ جنرل ضیاالحق نے کہا کہ ہم ذہین لوگ تھے ۔ اسی قسم کے آدمی نہیں تھے کہ اپنے پیچھے ضیاءالحق کے لئے ایسا ریکارڈ چھوڑ جاتے جو ہمارے خلاف ثبوت ہوتا ۔

وفاقی حکومت میں تیس یا اس سے زیادہ وزیر ، خصوصی معاون اور مشیر تھے ۔ 1971 سے سندھ اور پنجاب کے صوبوں میں ہماری پارٹی کی حکومتیں تھیں ۔ 1973 کے موسم بہار میں پاکستان پیپلز پارٹی بلوچستان اور صوبہ سرحد میں بھی برسراقتدار آگئی ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی مرکز اور چاروں صوبوں میں کئی برسوں تک اقتدار میں رہی ۔ ہر صوبائی حکومت کے اپنے کئی وزیر اور مشیر تھے ۔ ملک بھر میں پارٹی کے حامیوں کی تعداد کا کوئی شمار نہیں ہو سکتا ۔ قرطاس ابیض کے نقطۂ نظر کے مطابق کہ میری کابینہ کے وزیر دولت میں

ڈوبے ہوئے تھے ۔ میں حیران ہوں کہ کیا یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے کہ ممتاز علی بھٹو اور عبدالحفیظ پیرزادہ ہی کو چنا گیا ہے ؟ میں یہ سوال ایک جائز برہمی اور طیش سے پوچھتا ہوں کہ کیا ایک صدر اور وزیراعظم کی موت کی مثال لے کر سیاسی کرپشن کی تمام مثالیں صرف ایک صوبے سے ہی قائم کی جا سکتی ہیں ۔

جب چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر جولائی 1977 میں مجھے مری میں ملے اور جب ایک ماہ بعد ہماری راولپنڈی میں ملاقات ہوئی تو اس نے وزیروں میں سے ایک کی بدبودار کرپشن کے بارے میں ضرررساں انداز میں بات کی ۔ لیکن اسے ہی نکال دیا گیا کیونکہ وہی غداری کر کے فوجی حکومت سے ساز باز کر کے ان کا ساتھی بن گیا تھا ۔ لیکن اگر افراد کا ایک دستہ دولت میں ڈوبا ہوا تھا تو مثال کے لئے صرف انہی دو گناہگاروں کو ہی کیوں چنا گیا ۔ میں اس پر قطعاً حیران نہیں ہوا ، کیونکہ اس کے برعکس اس فوجی ٹولے کی حکمت عملی اور سازش کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ پاکستان کی تمام برائیوں کو پیش کرنے کے لئے مثالیں ایک ہی صوبے سے کیوں پیش کی جا رہی ہیں ۔ اب مجھے اس ٹیلی گرام کا صحیح مفہوم کا علم ہوگیا ہے ۔ جو سر چارلس نیپیئر نے میانی کی لڑائی کے بعد ملکہ وکٹوریہ کو بھیجا تھا ۔ اس نے خفیہ الفاظ میں یہ پیغام بھیجا تھا "میں سندھ حاصل کر چکا" اس سوال کو پوچھتے ہوئے ان بیانات حلفی کے متن بھی میرے سامنے ہیں جو غلام مصطفےٰ کھر اور راؤ عبدالرشید نے سپریم کورٹ میں اپیل میں داخل کئے تھے ۔ راؤ عبدالرشید نے دوسری باتوں کے علاوہ بتایا کہ بریگیڈیر نعیم نے انہیں ایبٹ آباد میں کہا ۔ "مصیبت یہ ہے کہ سب سے بڑا صوبہ جو کہ پنجاب ہے ، اسے ہمیشہ اقتدار میں حصہ دینے سے انکار کیا گیا ہے ۔ اور فوج یہ ضمانت چاہے گی کہ پنجاب کو ملک کی حکمرانی میں اس کا مناسب حصہ دیا جائے"

اسی بریگیڈیر نعیم نے 1977 کے انتخابات کی انکوائری کی ۔ اس کی کمیٹی نے لگ بھگ نو سو شہادتیں لیں ۔ قرطاس ابیض اسے عمدہ کام اتنے مختصر عرصے میں انجام دینے پر خراج تحسین پیش کرتا ہے ۔ یقیناً ان کے پاس اتنا وقت نہیں ۔ تاکہ وہ بنیادی گواہوں کی شہادتیں لیتے جو ان کی رسائی میں تھے ۔ موجود تھے اور جن کا پتہ بہ آسانی چلایا جا سکتا تھا ۔ ایک ہزار چوالیس صفحات پر مشتمل یہ ضخیم قرطاس ابیض براہِ راست اور حقیقی شہادتوں سے خالی ہے ۔

یہ ضخیم دستاویز بریگیڈیر نعیم کی انکوائری کمیٹی کی تحقیقات پر استوار ہے ۔ چھوٹے صوبوں کے خلاف اس کی مخاصمت واضح طور پر ظاہر ہو چکی ہے ۔

پوچھنے کے لئے میرے پاس کئی معقول دل لگتے سوالات ہیں ۔ ان سوالوں کا وقت ضرور آئے گا ۔ اگر مجھے پھانسی دے کر قتل کر دیا گیا تو ان سوالوں کو یہ شور و غل مچا کر کہ "یہ

حکومت ریکارڈ خود اپنے پیچھے چھوڑ گئی ہے" کبھی ختم یا ٹالا نہیں جا سکتا ۔ جب تک ان سوالوں کا جواب آئے ۔ گڑبڑ یا تباہی ، تصادم اور انتشار آئے گا ۔ ان دستاویزی اور اہم ترین نکات کی طرف توجہ دلوا کر میں صوبہ پرستی کا پرچار نہیں کر رہا ۔ میں صوبہ پرستی کو ظاہر کرتے ہوئے اسی کی شدید مذمت کر رہا ہوں ۔

(۱۱)

غیر ملکی ہاتھ

قرطاس ابیض کی حدود میں ہی آگے بڑھتے ہوئے پھر کرپشن کے بعد سیاسی پارٹیوں کے فنڈز کی باری آئے گی ۔ پارٹی فنڈز کے سلسلے میں قرطاس ابیض نے میری پارٹی اور مجھ پر تہمتیں لگائی ہیں ۔ اس میں ایک غیر ملکی سربراہ مملکت کو بھی ملوث کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی ۔ اس کے مشمولات میں ہماری پارٹی کے بینک کھاتوں کے بھی کئی حوالے ملتے ہیں ۔ ہماری بدنامی اور رسوائی کی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی ۔ انتخابات کے لئے فنڈز کی ضرورت ہوتی ہے ۔ روپیہ انتخابات کے لئے اتنا ہی ضروری ہوتا ہے جتنا موٹر کاروں کے لئے پٹرول ۔ گاندھی اور کانگریس کو برلا، ڈالمیا اور ٹاٹا جیسے بڑے صنعتکاروں نے مالی مدد دی تھی ۔ جب آزادی قریب تر آنے لگی تو مہاراجوں نے بھی کانگریس کے فنڈز میں مدد دے کر اضافہ کیا ۔ مسلم لیگ کی تحریک کو بھی اصفہانیوں راجہ صاحب محمود آباد اور بعض دوسرے افراد نے مالی سہولتیں فراہم کی تھیں ۔ جب تقسیم قریب تر آگئی تو نظام حیدر آباد ، نواب جوناگڑھ اور نواب بھوپال کے علاوہ بعض دوسروں نے بھی اپنا کردار ادا کیا ۔ 1965 کے انتخابات کے دوران ایوب خان نے صنعت کاروں کو دوہا اور نچوڑا ۔ اُس نے پاکستان میں کاروبار کرنے والی غیر ملکی کمپنیوں بطور خاص غیر ملکی آئل کمپنیوں سے بھی آزادانہ مالی چندے حاصل کئے ۔

مؤقر رپورٹوں کے مطابق ، حال ہی میں موجودہ حکومت نے اصلی مسلم لیگ کے فنڈز اس کی نائب نقلی مسلم لیگ کو دیدیئے ہیں ۔ 1958 میں جب مارشل لاء کے تحت یہ فنڈز قبضے میں لئے گئے تو اس وقت رقم دو کروڑ (20ملین) کے لگ بھگ تھی ۔ اب مرکب سود در سود کے بعد یہ ایک بہت بڑی رقم بن چکی ہوگی ۔ یہ خطیر رقم گجرات کے کسی گندی چھت والے مکان پر حالیہ بارشوں میں تو نہیں برسی ۔ کسی اہمیت کی حامل، واحد سیاسی جماعت جسے انتخابات یا تنظیم کے لئے فنڈز کی ضرورت نہیں پڑتی ، جماعت اسلامی ہے ۔ یہ پارٹی قربانی کی کھالوں پر زندہ رہی

ہے اسے روپے کی ضرورت نہیں ۔ وہ چیک جو مودودی نے بیرون ملک سے وصول کیااور جس کا فوٹو سٹیٹ اخبارات میں شائع ہو چکا ہے ، حلوہ بانٹنے کے لئے تھا ۔ قرطاس ابیض یہ کہتے ہوئے مگن ہے کہ جب ہم ہوائی جہازوں میں اڑتے تھے تو پی این اے گدھا گاڑیاں استعمال کرتی تھی ۔ جب پاکستان پیپلز پارٹی ریل گاڑیوں اور بسوں پر سفر کرتی تھی تو پی این اے والے اپنا سفر بیل گاڑیوں پر یا پیدل طے کرتے تھے ۔ جب پی پی پی کو فنڈز کی ضرورت ہوتی اور استعمال کئے جاتے تو پی این اے کی مہم خود بخود چل پڑتی تھی ۔ ہم نے فنڈز استعمال ضرور کئے لیکن غیر ملکی فنڈز استعمال نہیں کئے ۔ پی این اے نے بھی فنڈز کا استعمال کیا لیکن یہ غیر ملکی فنڈز تھے ۔ ابھی حال ہی میں پی این اے کے سیاست دانوں میں فنڈز کے نامناسب استعمال پر ایک دوسرے پر الزامات عائد کئے گئے ہیں ۔ مسلم لیگ کے ایک رکن نے الزام لگایا ہے کہ پی این اے کی تحریک کے درمیان اصغر خان کو کئی لاکھ روپے دیئے گئے تھے ۔ جس کا کوئی حساب اُنہوں نے پی این اے کو نہیں دیا۔

یہ بات سامنے آچکی ہے کہ پی این اے نے میری حکومت ختم کرنے کے لئے جو تحریک چلائی وہ برصغیر کی تاریخ میں بہترین مالی تحریک تھی۔ جس میں ان گنت روپیہ خرچ کیا گیا ۔ فعال کارکنوں اور جلوسوں میں حصہ لینے والوں کو یومیہ معاوضہ ۔ ٹرانسپورٹ ، سہولتیں اور تفریحی الاؤنس دیئے جاتے تھے ۔ ان کے لئے فیاضانہ تلافی کی گئی جو تصادم میں مارے گئے یا زخمی ہوئے ۔ وہ موٹر سائیکلیں اور سائیکلیں جو ہم نے اپنے نادار اور مستحق کارکنوں کو دیئے وہ پارٹی فنڈز سے دی گئی تھیں ۔ یہ موٹر سائیکلیں اور سائیکلیں غیر قانونی طور پر ضبط کر لی گئیں کیونکہ یہ رجعت پسند نظام یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ ایک عام آدمی ، ایک غریب اور پسماندہ آدمی اپنی پارٹی سے ایسی سہولت حاصل کر سکے ۔

جہاں تک قرطاس ابیض کے تیز مطالعے سے جمع کر چکا ہوں اس میں پی این اے کے فنڈز کے حوالے سے اندازاً چار حوالے دئے گئے ہیں ۔ جو قرطاس ابیض کے صفحات 238,237 اور 239 پر بیان کئے گئے ہیں ۔ اور میں انہیں پورا نقل کروں گا ۔

" پی این اے نے انتخابات کیسے لڑے اور کس طرح ضروری فنڈز جمع کئے اس قرطاس ابیض کا موضوع نہیں ہے ۔ جو کہ بنیادی طور پر عام انتخابات کے انعقاد کے متعلق ہے ۔ جس کی ذمے داری حکمران پارٹی اور الیکشن کمیشن پر عائد ہوتی تھی ۔ مسٹر بھٹو نے پی این اے کے فنڈز کے ذرائع کے بارے میں اپنی رائے دی تھی ۔ اُن کے ساتھ انصاف روا رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے ریکارڈ پر لایا جائے ۔

"قومی اسمبلی اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس سے 28 اپریل 1977 کو خطاب کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا "کیا یہ راز ہے کہ گذشتہ چند ماہ میں کس طرح پاکستان میں غیر ملکی کرنسی کا سیلاب آیا ہے ؟ ایسی ریل پیل کی کوئی مثال نہیں ملتی ۔ اسی کے نتیجے میں کراچی میں ڈالر کی قیمت گر کر سات روپوں سے چھ روپے تک پہنچ گئی ۔ یہ روپیہ لوگوں کو مختلف کام کرنے کے لئے رشوت میں دیا گیا ۔ انہیں جیل جانے کے لئے رشوت دی گئی ۔ انہیں اذانیں دینے کے لئے رشوت دی گئی ۔ بہت سے ڈاکیوں ، دودھ والوں اور میٹر ریڈروں کو پی پی پی مخالفانہ لٹریچر تقسیم کرنے کے لئے رشوتیں دی گئیں ۔ ڈالروں کو طشتریوں میں پیش کیا گیا ۔ میری پارٹی کے ارکان میرے نوٹس میں یہ باتیں لا رہے تھے لیکن میں احتجاج کے لئے باہر نہیں نکلا ۔

"ڈالروں کی اس ریل پیل کے بارے میں ایک اور حوالہ ان سرکاری کاغذات میں ملتا ہے ۔ جو اس وقت کے وزیر اطلاعات مسٹر طاہر محمد خان کی ذرائع ابلاغ کے سربراہوں کے ساتھ یومیہ کارروائی سے متعلق ہے ۔ 27 اپریل 1977 کو میٹنگ کی تحریری کارروائی میں پی پی پی کے لئے ایک ہدایت کے ضمن میں تھا یہ ایک خبری کہانی تھی کہ پشاور اور کوئٹہ میں ڈالر سستے نرخوں پر بک رہے ہیں اس کے پیچھے آئیڈیا یہ تھا کہ مسٹر بھٹو پر الزامی حملے کے لئے زمین ہموار کی جائے ۔ یہ حملہ تو پسپا کر دیا گیا لیکن مسٹر بھٹو کراچی کی منڈی کے ذکر کو ترجیح دیتے ہیں ۔

"28 مارچ 1977 کو "منتخب" قومی اسمبلی کی حلف برداری کی تقریر میں مسٹر بھٹو نے بہر حال قدرے مختلف انداز میں بات کی اس تقریر میں اُنہوں نے کہا تھا ۔ "اگر میں اشتعال میں آ جاؤں یا حوالہ مستند ہے تو پھر میں یہ ثابت کرنے کے لئے مکمل اقتباسات دہرا سکتا ہوں کہ کس طرح وہ اپنی اندرونی کونسل میں یہ دعوے کرتے ہیں ان کی قوت ، وسائل اور پیسے سمندر پار سے آئے ہیں ۔ کیا یہ جائز تھا کہ اپوزیشن کے ارکان ایسی غیر ذمے داری کا مظاہرہ ایسے دعوے کے ساتھ کرتے اُنہوں نے انتخابات جیتنے کی قسم کھا رکھی تھی اور ان کے وسائل پاکستان کی سرحدوں کے باہر سے آئے ۔ اس سلسلے میں اپوزیشن جو دعوے کر رہی ہے میں ان پر یقین کرنا پسند نہیں کرتا ۔ وہ ہرزہ سرا ، نا تجربہ کار اور غیر ذمے دار ہیں کیونکہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں دنیا کے تمام ملکوں کے ساتھ ہمارے تعلقات بہت شاندار اور عمدہ ہیں ۔

"پی پی پی کے پلیٹ فارم سے بعد کی تقریروں میں یہ الزام دہرایا جاتا رہا کہ پی این اے

نے غیر ملکی مدد حاصل کی ہے ۔ 25 کروڑ روپے کی رقم کا ذکر کیا گیا ۔ یہ بات بھی کہی گئی کہ خلیج کی منڈی سے پاکستانی کرنسی غائب ہو گئی ۔ اگر ایسا ہوا تو پی این اے نے کیا کیا اس کے علاوہ بھی کچھ ہوا ہو گا ۔ جیسے کہ آغا حسن عابدی کے سفر، جن میں روپوں سے بھرے ہوئے تھیلوں سے لدے پھندے آتے تھے ۔ مسٹر بھٹو نے اس سلسلے میں اپنی طرف سے پی این اے پر لگائے گئے الزام کے بارے میں موعودہ "مکمل اقتباسات" کبھی نہ دہرائے جب تک وہ اقتدار میں رہے اور اس کے بعد بھی اُنہوں نے اس سلسلے میں کوئی ثبوت پیش نہ کیا ۔ اگرچہ ان کے وکلاء نے سپریم کورٹ کے سامنے اصلی خطوط پیش کئے ہیں لیکن ایسی کوئی دستاویز جو پی این اے کے فنڈز حاصل کرنے کے الزام کے بارے میں ہو ابھی تک روشنی میں نہیں آئے ۔ وہ ریکارڈ جو وزیر اعظم کے سیکریٹریٹ سے دوبارہ حاصل ہوئے ہیں ان میں پی این اے کے اندرونی مالیاتی امور کے حوالے ملتے ہیں ۔ ایک رپورٹ (شمولات نمبر 259) کے ذریعہ مورخہ 12 اپریل کو بھیجی تھی ۔ اس میں بیان کیا گیا ہے ۔

"ان لوگوں میں سے جنہوں نے پی این اے کے فنڈز میں بڑی رقوم لاہور میں دی ہیں ۔ وہ شہزادہ منوں نسیم سہگل ، فضل دین اینڈ سنز ، شیخ سلیم علی (دین ٹیکسی والے) ہیں پی این اے کے احتجاجی فنڈ کے لئے یہ معلوم ہوا ہے کہ گوجرانوالہ کے تاجروں نے رقوم دی ہیں ۔ ان میں سے بہت سے لوگ جن کا نام لیا جاتا ہے ان میں ایک "حاجی بلیک" ہے ۔ اس کا بھتیجا عزیز انصاری (جو اب قاتلانہ حملے کی واردات اور دوسرے الزامات میں جیل میں ہے) سیاسی طور پر سرگرم رہا ہے ۔ جب تک احتجاج کا سلسلہ جاری ہے اُسے رہا نہیں کیا جانا چاہئیے ۔
انکم ٹیکس ڈیپارٹمنٹس ، ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن کے شعبوں سے کہا جائے کہ وہ ان صنعت کاروں کا خیال رکھیں تاکہ یہ کسی دوسری طرف مصروف ہو کر احتجاج میں دلچسپی لینا چھوڑ دیں ۔ وزارت تجارت سے بھی کہا جائے کہ عارضی طور پر ان لوگوں کو بلیک لسٹ کر دیا جائے اور جب تک احتجاج بند نہیں ہوتا انہیں امپورٹ ایکسپورٹ کا کوئی لائسنس جاری نہ کیا جائے ۔ تاکہ وہ اپنے کاروبار پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیتے ہوئے سیاسی احتجاج میں کم سے کم دلچسپی لیں ۔ براہِ کرم نوٹ کر لیجئیے کہ ایسی صفت اور ایسے ہی مفاد رکھنے والے لوگ صرف لاہور ہی میں نہیں بلکہ ہر جگہ ہیں ۔"
چوتھا حوالہ جو مابعد" کے عنوان کے تحت صفحہ 283 پر دیا گیا ہے ۔ صفحات 238,237

اور 239 پر دیے گئے بنیادی نکات کی تکرار ہے ۔ تاہم یہ اس لئے نقل کرنے کے قابل ہے کہ اس میں پی این اے کے دفاع کے لئے موجودہ حکومت کی فکرمندی دکھائی دیتی ہے ۔

تحریک (پی این اے) کے خلاف حکومت نے حملہ کرنے کی جو ایک دوسری لائن اپنائی یہ تھی کہ اس کے شروع ہوتے ہی اس سنگین پہلو کی تشہیر کی گئی کہ اس کا منصوبہ بنانے اور اسے مالی امداد دینے والی قوی غیر ملکی طاقتیں ہیں جو انقلابی حکومت کے خاتمے میں دلچسپی رکھتی ہیں ۔ یہ الزام کہ غیر ملکی روپیہ پاکستان میں بہہ رہا تھا ، اس پر سابقہ باب میں بحث ہو چکی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقت میں اس کی کوئی بنیاد نہیں تھی ۔ نہ ہی کوئی ایسا ثبوت ملا ہے جس سے پتہ چلتا ہو کہ احتجاج میں کوئی غیر ملکی طاقت ملوث تھی ۔ یہ اس حکومت کا فرض تھا کہ یہ ثبوت شائع کرتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا ۔
یہ امر دلچسپ ہے کہ ابتدا میں ہی جب سرکاری پراپیگنڈے میں تحریک کے پس منظر میں غیر ملکی ہاتھ کے سگنل دئے جانے لگے تو خود مسٹر بھٹو نے پہلے بڑا اذیت ناک طریقہ اپنایا ۔ 28 مارچ 1977 کو انہوں نے اس الزام تراشی کا آغاز کیا کہ پی این اے کی انتخابی مہم کے دوران پی این اے نے دعویٰ کیا تھا اسے ہر طرح سے انتخاب جیتنے ہیں کیونکہ انہیں وسائل بیرون ملک سے ملے ہیں مسٹر بھٹو نے بھی اس کا کوئی ثبوت پیش نہ کیا بلکہ یہ الزام لگایا یہ دعویٰ اپوزیشن کی اندرونی کونسل سے منکشف ہو کر باہر آیا ہے ۔ اور انہوں نے اس ذریعہ کے انکشاف کی دھمکی بھی دی ایسی دھمکی جو عملی شکل میں کبھی سامنے نہ آسکی ۔
یہ پی این اے کے لئے ایک کھلم کھلی شرمناک معذرت ہے فوجی حکومت پی این اے کا ایسے طریقے سے کیوں دفاع کر رہی ہے کہ جیسے کہ دونوں ایک ہیں اور ایک جیسے ؟ 5 جولائی 1977 کی افتتاحی تقریر سے اب تک سکھر بیراج کے نیچے سب بہت سا پانی بہہ چکا ہے کہ کسی سے بھی اب ''آپریشن فیئر پلے'' کے متعلق پوچھا جا سکے ۔ جنوری 1977 سے ہی پی این اے اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل گئے تھے ۔ احتجاجات تو ایک روزمرہ کا معاملہ ہوتا ہے ۔ لیکن شہری لباس پہنوا کر جوانوں کو پی این اے کے مظاہروں میں اس لئے بھیجا جاتا کہ ہجوم بڑا ہو اور لوگوں میں اشتعال پیدا کیا جا سکے ۔
لاہور میں احتجاج کے دنوں میں چوتھی کور یس کے تین بریگیڈیروں نے کھلم کھلا جس طرح احکامات کی نافرمانی کی ، یہ پہلے سے طے شدہ تھا ۔ حتیٰ کہ اس نام نہاد نافرمانی کے وقت

بریگیڈیروں کا کورٹ مارشل نہیں کیا گیا ۔ حتی کہ انہیں ملازمتوں سے بھی ڈسمس نہ کیا گیا ۔ اس کھیل میں انہوں نے جو کردار ادا کیا تھا اسے سراہتے ہوئے انہیں راولپنڈی تبدیل کر دیا گیا تاکہ وہ منظروں سے اوجھل ہو جائیں ۔ اب تک اسی طرح اور طریقے سے ترقی دی جا چکی ہو گی یا انعام دینے جا چکے ہوں گے ۔ جس طرح کراچی میں جب مسٹر عزیز احمد وزیر خارجہ خطاب کر رہے تھے تو جونیئر فوجی افسروں کو حکم دیا گیا تھا کہ ان پر سوالوں کی بوچھاڑ کر کے انہیں تنگ کر دیا جائے ۔ جنرل اقبال کے استعفی کی کہانی محض ایک چال تھی ۔ 5 جولائی 1977 کو چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نے اپنی تقریر میں خود تسلیم کیا کہ تین شہروں میں لگایا جانے والا مارشل لا ——— لولا لنگڑا مارشل لا تھا ۔ سانگھڑ کی داستان بھی چیف آف آرمی سٹاف کی درپردہ اجازت سے ہی گھڑی گئی تھی ۔

مذاکرات کی تجدید پی این اے نے چیف آف آرمی سٹاف کے احکام کے تحت کی مفادات کا اشتراک مسلسل جاری رہنے والی فطرت ہے ۔ قرطاس ابیض نے پی این اے کا دفاع کیا ہے ۔ پی این اے کا دفاع کرتے ہوئے دراصل یہ اس حکومت کا دفاع کر رہا ہے مفادات میں حصے داری کس طرح رشتہ مناکحت میں تبدیل ہوئی ؟ چیف آف آرمی سٹاف مودودی اور جماعت اسلامی کا مداح اور پیرو کار تھا ۔ وہ امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد کا ہم ذات اور رشتے دار ہے اور دونوں جالندھری ہیں ۔ اپنے نظریات کے اعتبار سے دونوں کٹر رجعت پسند ہیں ۔

یہ مشترکہ عناصر اور حقائق جانے پہچانے ہیں لیکن ایک خود غرض آدمی اس طرح کی توام سازش میں محض اس لئے شامل نہیں ہو گا کہ مفادات مشترکہ ہیں ۔ چیف آف آرمی سٹاف کی حیثیت سے وہ اس عہدے پر ٹھیک جما ہوا تھا ۔ اسے تیزی سے ترقیاں دی گئیں اور کوئی ایسی وجہ نہیں تھی کہ وہ میری حکومت کا شکر گزار نہ ہوتا ۔ اپنی ہی حکومت کے خلاف دو سازشوں میں شمولیت اور ان کو عملی جامہ پہنانے کا سبب محض میاں طفیل محمد سے رشتے داری یا مودودی کی مدح سرائی نہیں ہو سکتا ۔ اسی سے کہیں زیادہ اہم اسباب پر استوار تھی ۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ان دونوں کو ملانے والے خفیہ ہاتھ نے انہیں اس مشترکہ سفر کے لیے ایک ہی کشتی میں سوار کرا دیا ۔ اس سے جزوی طور پر وضاحت ہو جاتی ہے کہ قرطاس ابیض غیر ملکی شرکت کے موضوع کو دبانے کے لئے کیوں فکر مند ہے اور کس طرح پی این اے کی پشت پناہی کر رہا ہے ۔

اگر چیف آف آرمی سٹاف اتنے غلیظ معاملے میں ملوث نہ ہوتا تو پھر وہ پی این اے کے ساتھ بیرونی شراکت کے بارے میں صفائی میں اتنی دلچسپی نہ لیتا ۔ قرطاس ابیض پوری تندہی سے پی این اے پر لگائے گئے الزامات کی تردید کرتے ہوئے اس کی بے گناہی کا پورا دفاع کر:

ہے ان الزامات کا ذمے دار مجھے ٹھہراتا ہے ۔ اس دستاویز میں یہ حقائق موجود ہیں کہ پی این اے نے انتخابات کیسے لڑے کس طرح فنڈز جمع کئے یہ قرطاس ابیض کا موضوع نہیں ہے ۔ جوکہ بنیادی طور پر عام انتخابات کے انعقاد اور طرز عمل سے متعلق ہے ۔ جس کی ذمے داری حکمران جماعت اور الیکشن کمیشن پر تھی (صفحہ 237)

یہ ایک بودا اور کمزور نزاع ہے ۔ انتخابات پی پی پی اور پی این اے کے درمیان ایک باہمی مقابلہ تھا ۔ اگر انتخابات حکمران جماعت اور الیکشن کمیشن کا ایک معاملہ تھا تو پھر اسے کوئی دوسرا نام دینا چاہیے تھا ۔ انتخابات کا کام حکمران پارٹی اور مخالف پارٹی یا پارٹیوں کا مشترکہ کام ہوتا ہے ۔ اس میں الیکشن کمیشن کی حیثیت ایک ریفری کی ہوتی ہے اس کام میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ۔ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ اکھاڑے کے باہر کھڑا ایک غیر جانبدار مبصر ہوتا ہے ۔

اگر ''پی این اے نے انتخابات کس طرح لڑے اور کس طرح فنڈز جمع کئے اس قرطاس ابیض کا موضوع نہیں ہے'' تو اس حوالے سے قرطاس ابیض اس موضوع پر ہی بات نہیں کر سکتا کہ پی پی پی نے کس طرح انتخابات لڑا اور کس طرح ضروری فنڈز جمع کئے ۔ اگر انتخابات میں پی این اے کی سرگرمیاں اور رویہ قرطاس ابیض کے دائرے سے باہر ہے تو پھر انتخابات میں پی پی پی کا رویہ بھی قرطاس ابیض کی شطرنجی چال میں محض اس لئے نہیں آسکتا کہ پی پی پی حکمران پارٹی تھی ۔ حکمران جماعت اور اپوزیشن پی این اے انتخابات میں دونوں فریقین تھے عام انتخابات کے رویے میں بھی ان دونوں کی شراکت تھی ۔ اگر اپوزیشن بائیکاٹ کر دیتی تو انتخابات ہی نہ ہوسکتے تھے ۔ عام انتخابات کا رویہ اور طرز عمل مقابلے سے جنم لیتا ہے ۔ دونوں فریقین کی سرگرمیاں جائز اور صحیح ہیں ۔ انتخابات حکمران جماعت اور الیکشن کمیشن کے مابین نہیں تھے کہ جس میں پی این اے ایک بے کار اور سُست تماشائی تھی عام انتخابات کے بارے میں جس طرح کی بھی بات ہوگی اس کا تعلق دونوں فریقین حکمران پارٹی اور اپوزیشن میں برابر برابر بنتا ہے ۔

28 اپریل 1977 کو پارلیمنٹ میں اپنی تقریر میں میں نے روپے کی قیمت میں یکدم تیزی کا ذکر کیا تھا ۔ جب میں نے یہ بات قومی اسمبلی کے فلور پر کہی تو اس وقت بھی یہ بات درست تھی اور آج بھی درست ہے میں اس میں سے ایک شوشہ بھی واپس لینے کو تیار نہیں ہوں ۔ میں اس کی بھی تصدیق و توثیق کرتا ہوں کہ پشاور اور کوئٹے میں روپے کی شرح بڑھنے کے بارے میں جو معلومات طاہر محمد خان نے فراہم کی تھیں وہ سچی ہیں ۔ قرطاس ابیض کے مصنف کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ اس میں قوت متخیلہ موجود نہیں ہے ۔ قومی اسمبلی میں میری تقریر مورخہ 28 اپریل 1977 کے جو اقتباسات اس کے صفحات 237 اور 238 پر دئے گئے ہیں ، سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ خود میں نے یہ واضح کر دیا کہ اپوزیشن نے غیر

ملکی مدد نہیں لی ۔ کوئی بھی شخص جو ان اقتباسات کو پڑھے اور اس میں معمولی سی قوت متخیلہ اور حس مزاح ہو یہ بتانے کے قابل ہے کہ میں ڈپلومیسی کی زبان استعمال کر رہا تھا میں تو کہاوت کے مطابق "زبان رخسار میں رکھ کر" بات کر رہا تھا ۔ میں اپنے سامعین اور تمام بیرونی پبلک کو یہ دعوت دے رہا تھا کہ جو بات بین السطور ہے وہ اس کا مطالعہ کریں ۔

طنز و چبھن کی بھاری خوراک اختتامی الفاظ میں دی گئی ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام ملکوں کے ساتھ ہمارے تعلقات انتہائی شاندار ہیں ۔ چونکہ بعض ملکوں کے ساتھ ہمارے تعلقات محض نارمل ہیں۔ اس لئے میں نے اشارتاً یہ کہا تھا کہ دنیا کے تمام ملکوں کے ساتھ ہمارے شاندار تعلقات کے پیش نظر پی این اے غیر ملکی مدد کے بارے میں ایک کھوکھلی بڑہانک رہی ہے ۔ یہ دودھاری الفاظ میں نے بڑی احتیاط سے استعمال کئے تھے تاکہ پی این اے کے دعووں کی تصدیق کر دیں اور غیر ملکی مداخلت کی مذمت تمام تر احتیاط کے ساتھ کر سکوں ۔ میں اپنے ملک کا ذمے دار وزیر اعظم تھا اور اپنے عوام کے سامنے جوابدہ بھی ۔ میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں بات کر رہا تھا سانپ کو مارتے ہوئے لاٹھی کو بھی بچانا چاہتا تھا ۔ چنانچہ غیر ذمے دارانہ انداز میں اپوزیشن کو گالی دے کر بات نہیں کر سکتا تھا کہ کھلے عام اس حساس ترین موضوع پر طاقتور غیر ملکی قوتوں پر حملہ کروں ۔ کسی غیر ملکی طاقت کے خلاف کیس ایک اینٹ پر دوسری اینٹ اور قدم کے بعد دوسرا قدم رکھ کر تیار کیا جاتا ہے ۔

پی این اے کا دفاع کرتے ہوئے قرطاس ابیض میں کہا گیا ہے کہ پی این اے کے فنڈز کے ذرائع غیر ملکی نہیں بلکہ اندرونی تھے ۔ اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ لاہور میں جو صنعت کار پی این اے کو روپیہ دے رہے تھے میں ان کی رپورٹیں وصول کرتا رہا ہوں ۔ پی این اے کے سیاست دان ایسے نہیں ہیں کہ وہ ایک پیسہ بھی چھوڑ دیں ۔ انہوں نے صنعت کاروں ، تاجروں اور ان لوگوں سے روپیہ لیا جن کی پروسینگ فیکٹریاں قومیائی گئی تھیں ۔ اس کے باوجود ، اندرونی عطیات کا موازنہ باہر سے آنے والے زبردست اور خطیر فنڈز سے نہیں کیا جاسکتا ۔ یہ گواہی کہ مفادات رکھنے والے اندرونی لوگوں نے اپنے مفادات کے لئے پی این اے کو جو عطیات دئے وہ غیر اہم ہیں یا کم ، اس سے یہ مفہوم نہیں نکالا جاسکتا کہ پی این اے نے غیر ملکی ذرائع سے بڑے فنڈز وصول نہیں کئے ۔

قرطاس ابیض نے اپنی سی کوئی کوشش نہیں اٹھا رکھی کہ مجھے مشتعل کر کے اپنی مرضی کے رد عمل کے لئے مجبور کرے ۔ اس میں کہا گیا ہے جہاں تک مسٹر جتو کا تعلق ہے ۔ پی این اے پر لگائے گئے الزام کے بارے میں مکمل کہانی کو کبھی نہیں بتایا ۔ جب تک وہ اقتدار میں

رہے ۔ اور اس کے بعد بھی انہوں نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا" یہ فوجی ٹولہ ڈپلومیسی کی دنیا اور انتظامیہ کو چلانے کی اخلاقیات کے شعبوں میں دودھ پیتے بچے کی مانند ہے ۔ چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کو ایسی کسی احتیاط کی ضرورت نہیں کہ وہ سرکاری دستاویزات کو محفوظ رکھیں ۔ جس انداز میں سرکاری دستاویزات قرطاس ابیض میں ٹھونس دی گئی ہیں اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے ۔ ان بے مثال حماقتوں کی پاکستان کو بہت جلد بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی میں سمجھتا ہوں کہ میں سرکاری دستاویزات کے ساتھ جن ردی اور پوکر کے کھیل نہیں کھیل سکتا ۔ لیکن چونکہ چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نے اس کی غیر معمولی مثال قائم کر دی ہے ۔ ہم بھی اس کی تقلید کریں گے لیکن جواریوں اور مبہم جوؤں کی طرح نہیں ۔ قومی مفادات میری راہ میں رکاوٹ کھڑی کر دیتے ہیں کہ جیسی جست چیف مارشل ایڈ منسٹریٹر نے لگائی تھی ویسی ہی جست میں بھی لگاؤں ۔

قرطاس ابیض میں قومی اسمبلی میں میری 28 اپریل 1977 کو تقریر کو نقل کیا گیا ہے اور اس کا آخری جملہ ہے ۔

"ڈالر طشتریوں میں رکھ کر پیش کئے گئے ۔ میری پارٹی کے ارکان یہ باتیں میرے نوٹس میں لارہے تھے لیکن میں احتجاج کرنے کے لئے تیزی سے باہر نہیں نکلا"

اس سے میرا طرز عمل ظاہر ہو جاتا ہے ۔ اگر اس وقت میں احتجاج کے لئے عجلت میں باہر نہیں نکلا ، جب میں ملک کا وزیر اعظم تھا اور انتہائی اشتعال انگیزی کے دباؤ میں بھی تھا تو اب جبکہ میں موت کی کوٹھڑی میں ہوں اور ماضی کے تمام واقعات دھند لاچکے ہیں تو ایسا نہیں کروں گا ۔ میں فوجی حکومت کو یہ موقع نہیں دوں گا کہ وہ ایک بار پھر غیر ملکی طاقتوں پر حملہ کر سکیں ساری کہانی معلوم ہو چکی ہے زیادہ سے زیادہ باہر آرہی ہے ۔ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں ۔ میں 28 اپریل 1977 کو سرکاری طور پر قوم کے نوٹس میں سب کچھ لے آیا تھا اور اس کے لئے کوئی معمولی نہیں بلکہ قومی اسمبلی کا پلیٹ فارم استعمال کیا تھا ۔ اس کے بعد بھی کئی سیاسی تقریروں اور عدالتوں میں میں نے انہی باتوں کو دہرایا ۔ میں پاکستان کی لڑائیاں موت کی کوٹھڑی سے نہیں لڑ سکتا ۔

گذشتہ بیس برسوں کے واقعات نے مجھے اس غیر مبہم نتیجے پر پہنچایا ہے کہ اس وقت تیسری دنیا کے اتحاد اور ترقی کو سب سے بڑا خطرہ فوج کے جبری طور پر حکومتوں کے الٹا دینے سے ہے ۔ نو آبادیاتی دور مرچکا ہے صرف چند ایسے مقامات رہ گئے ہیں جہاں نو آبادیات کو ابھی دفن کرنا باقی رہ گیا ہے ان مقامات پر بھی تدفین کا وقت بہت قریب آچکا ہے ۔ تیسری دنیا کو غیر ملکی قیادتوں کے خلاف جدوجہد کرنی ہے لیکن غیر ملکی قیادتوں کے خلاف جدوجہد کا بہترین

طریقہ یہ ہے کہ فوج کے ذریعے حکومتوں کے جبری تختہ الٹنے کی سازشوں کے خلاف کھڑا ہوا جائے ۔ بیرونی نو آبادیاتی نظام کا سب سے بڑا ذریعہ اندرونی نو آبادیاتی نظام ہوتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر ملکی قیادتوں کو ہم پر فوجی جبر و قوت کے بغیر نہیں تھوپا جاسکتا فوج کے ذریعے حکومتوں کا جبری تختہ الٹنا ۔ ملکی اتحاد کے ساتھ بد ترین دشمنی ہے ۔ فوجی بغاوتوں کے ذریعے آزاد لوگوں کو تقسیم کر دیا اور بنیادوں سے ہلا دیا جاتا ہے ۔ اگر اس میں کوئی شبہ تھا تو اب پاکستان کے حالات سے تیسری دنیا کے عوام کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ انہیں بنیادی طور پر اپنے اندرونی دشمنوں کا مقابلہ کرنا ہے ۔ اگر غیر ملکی برتری اور قیادت کو مزاحمت کرنی ہے تو پھر جان لینا چاہیئے کہ فوجی سازشیں اور فوجی اقتدار کا ہی وہ پل ہے جس پر چل کر غیر ملکی قیادت ہمارے ملکوں کے اندر آتی ہے ۔

پی این اے کے ساتھ غیر ملکی عناصر کا تعاون کسی محبت کے بغیر نہیں تھا ۔ باہمی مفاہمت ہو چکی تھی ۔ یہ باہمی مفاہمت اور سمجھوتہ اس بات پر ہوا کہ پی این اے کو میری حکومت کا تختہ طے شدہ احتجاج کے ذریعے الٹنا ہوگا اور اس کے لئے پی این اے کو مالی اور سیاسی مدد دی گئی پہلے مرحلے میں فوج اقتدار پر قبضہ کرے گی ۔ زمین ہموار کی جائے گی اور رکاوٹیں دور ہو چکی ہوں گی ۔ اس کے استحکام کے بعد یہ توقع کی جائے گی کہ میری حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش مکمل ہو جائے گی ۔ ان شرائط اور مقاصد کو فروری 1977 میں حتمی طور پر طے کر لیا گیا تھا ۔

امریکہ کے اس فیصلے پر احتجاج کہ جب تک نیو پراسیسنگ پلانٹ کا معاملہ طے نہیں پاتا امداد روک دی جائے گی ، اس ضمن میں کوئی غیر متوقع یا نیا واقعہ نہیں ہے ۔ 5 جولائی 1977 کو حکومت کا فوج کے ذریعے تختہ الٹنے کی سازش کا یہ ایک جزو لاینفک تھا ۔ پی این اے سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس سودے میں اپنا حصہ اور کردار ادا کرے گی ڈپلومیٹک الفاظ کا رقص زوردار بیانات اور ان کے گندے جوہڑ جیسے پریس کے ادارئے — لوگوں کو بے وقوف بنانے کے کھیل ہیں ۔ پی این اے سمجھتی ہے کہ وہ چونکہ پہلے عوام کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو چکی ہے اس لئے ایک بار پھر انہیں بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جائے گی جو شور مچایا جا رہا ہے وہ نقلی باکسنگ کے مقابلے پر ہو رہا ہے ۔ یہ وہ چیز ہے جسے ڈریس ریہرسل کہا جاتا ہے ۔ اگر وہ اس اعلان پر ناراض ہوئے تھے تو انہیں مثبت جوابی کارروائی کرنی چاہیئے تھی ۔ کسی چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے عوام میں حرکت پیدا کرنے کے لئے ٹھوس اقدام کئے جاتے ہیں ۔ پی این اے اور اس کے آقاؤں کو اس میں سنجیدہ دلچسپی ہی نہیں ہے ۔ وہ حسب معمول زبانی کلامی سطح پر معاملے کو لے رہے ہیں ۔

اگر فوجی حکمران ٹولہ یہ سمجھتا ہے کہ غیر جانبداری --- جانبداری سے زیادہ اہم ہے اور اپنے نمائندے غیر جانبدار کانفرنس میں شرکت کے لئے بلغراد روانہ کرنا ہے تو اس کے لئے نیوکلیر پلانٹ کے سلسلے میں جو دباؤ ڈالا جارہا ہے اس کے جواب میں رد عمل کے طور پر سنیٹو سے علیحدگی کے لئے معمولی سی دشواری بھی پیش نہ آسکتی تھی ۔ لوگ ٹھوس اقدامات کی توقع کئے ہوئے ہیں ۔ لیکن اس کے برعکس باتیں اور مزید باتیں ہی کی جارہی ہیں امریکہ پر یہ الزام کیسے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے عالمی سیاسی مقاصد کے لئے کام نہ کرے؟ ہمارے درمیان وہ لوگ جو لالچ اور بھوک کی بنیادوں پر کام کرتے ہیں ۔ وہی لوگ اس سے پہلے کہ دوسرے لوگ کام کر جائیں پاکستانی عوام کے سامنے جوابدہ ہیں اگر پی این اے کو قومی مفادات اور پاکستان کے عوام کی بہبود کے ساتھ اتنی زیادہ دلچسپی تھی تو پھر یہ انتخابات کے دوران 25 کروڑ (225 ملین روپے) اور انتخابات کے بعد 5 کروڑ (50 بلین) روپے لے کر میری حکومت کا تختہ الٹنے اور اس کے بدلے میں پاکستان کے اہم ترین مفادات پر سمجھوتہ نہ کرتی ۔

دوسری طرف نے اس معاہدے کی شرائط کو پورا کرنے کا اپنا حصہ مکمل کر دیا ہے ۔ اب یہ سمجھتی ہے کہ معاہدے کے مطابق پی این اے کو اپنے حصے کا کردار ادا کرنے کے لئے مناسب وقت دیا جاچکا ہے ۔ جوشی و غضب ، چیخ و پکار اور چلانے کے ذریعے عوام کو دھوکا دیدیا جائے گا ۔ اس قسم کا بلا گلا ایک وقت تک ہی برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن پالیسی میں کوئی بنیادی تبدیلی کی گئی تو اسے اس سہ فریقی حتمی فیصلے کی خلاف ورزی تصور کیا جائے گا جو فروری 1977 میں طے پایا تھا ایک قیمت ادا کی گئی تھی اور یہ قیمت ایک خاص معاملے کے لئے ادا کی گئی تھی ۔

پی این اے کے ساتھ جو مذاکرات اس سلسلے میں بظاہر کئے جارہے ہیں کہ وہ اس سرکاری سیٹ اپ میں شامل ہو جائے ، اس مرکب معاہدے کا ایک لازمی حصہ ہے ۔ پانچ نکات کے حوالے سے جو مزاحیہ ڈرامہ کھیل کر ہنگامہ کیا جارہا ہے یہ ایک پہلے سے تیار شدہ سٹیج کا عمل ہے ۔ تاکہ اس طرح پی این اے کی خود مختاری اور آزادی کو ثابت کیا جاسکے ۔ اس قسم کی شاندار ، سازشوں پر ہر شخص کو اعتماد میں نہیں لیا جاسکتا اس لئے ایسی کارروائیوں میں داہنے ہاتھ کو علم نہیں ہوتا کہ بایاں ہاتھ کیا کر رہا ہے ۔ پورا منصوبہ جو انتہائی خفیہ راز میں تھا ، اس کا علم صرف چند چیدہ افراد کو تھا ۔ معمولی مقاصد میں سب عناصر کو شریک کیا جاسکتا تھا ۔ وہ بھی محض باتوں اور گفت و شنید نظریات کی ہم آہنگی اور عام مفادات کی حد تک اس سازش میں صرف ایک پارٹی اور اس ایک پارٹی کے ایک سیاست دان کو مکمل اعتماد میں لیا گیا تھا ۔ صرف اسے ہی یہ بات بتائی گئی تھی ۔

خاکساروں کو اس تصویر میں شامل نہیں کیا گیا ۔ انہیں نظام مصطفیٰ کے نعروں میں ہی الجھایا گیا مکمل صورت میں حقیقی پلان پی ڈی پی پر بھی ظاہر نہیں کیا گیا تھا ۔ ایک اور واحد رابطے اور ترسیل کا ذریعہ جماعت اسلامی تھی اور میاں طفیل محمد رابطہ تھے دوسروں کو اس سازش کے بارے میں بہت کم اور مختلف معلومات حاصل تھیں ۔ فرد سے فرد اور پارٹی سے پارٹی تک اس میں کثیر الجہت تنوع تھا ۔ انہی اسباب کی بنا پر ، میاں طفیل جو ایک پیشہ ور "ایجنٹ پرووکوٹیر" تھا اب امریکہ پر دکھاوے کی تنقید کر رہا ہے ۔ یہ صرف اس لئے کیا جا رہا ہے کہ ہمارے سادہ دل لوگوں کو کنفیوز کیا جاسکے ۔ لوگ ابھی یہ فراموش نہیں کر سکے کہ پولنگ کے دن کراچی ، حیدر آباد اور ملتان جیسے بڑے شہروں میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی تھی ۔ ہر کسی کو یاد ہے کہ پی این اے کے کرائے کے آدمیوں اور شرپسندوں نے پولنگ سٹیشنوں کو جلایا ، حملہ کیا اور پامال کیا تھا ۔ انتخابات سے پہلے ہی پی این اے کے رہنماؤں نے حکومت پر قبضہ کرنے کی جو دھمکیاں دی تھیں ان کی صدائے بازگشت اب بھی سنائی دے رہی ہے ۔ اگر انتخابات کے بارے میں انکوائری کے موضوع سے یہ کارروائیاں خارج کی جارہی ہیں تو پھر میں چاہوں گا کہ مجھے انتخابات کے معنی پر درس دیا جائے ۔ فوجی ٹولے نے پی این اے کا دفاع کیا ہے اور پی این اے فوجی ٹولے کا دفاع کر رہی ہے ۔

قرطاس ابیض میں غیر ملکی عناصر کے ملوث ہونے کے بارے میں چوتھا حوالہ قرطاس ابیض کے صفحہ 383 پر ہے ۔ جس میں دیگر باتوں کے علاوہ بیان کیا گیا ہے ۔ وہ یہ الزام کہ پاکستان میں غیر ملکی عطیات کا سیلاب آیا ہوا تھا ۔ اور گذشتہ باب میں بحث ہو چکی ہے ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں کوئی صداقت نہیں تھی ۔ نہ ہی کوئی ایسی شہادت ہی ملی ہے کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ احتجاج میں کس طرح بھی غیر ملک ملوث ہوں آخر فوجی ٹولہ پی این اے کے کپڑوں کو پاک کرنے میں اتنا فکر مند کیوں ہے ؟ میں نے جرنیلوں پر تو غیر ملکی رقوم وصول کرنے کا الزام نہیں لگایا ۔ میں نے پی این اے پر الزام لگایا تھا ۔ فوجی حکومت پی این اے کا اس طرح دفاع کر رہی ہے جیسا کہ اپنا دفاع کر رہی ہو اور پی این اے کی بے گناہی کو ثابت کرتے ہوئے جیسے اپنی بے گناہی کا ثبوت پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ۔ یہ ایسا طرز عمل ہے کہ فوج کی صفائی اسی طور ثابت ہو سکتی ہے کہ پہلے پی این اے کو بے گناہ ثابت کر دیا جائے ۔ پھر پی این اے پر جو الزام خطیر غیر ملکی رقوم وصول کرنے کا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس الزام کی کوئی بنیاد ہی نہیں پھر یہ کہ نہ ہی ایسا کوئی ثبوت ملا ہے کہ جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ غیر ملک کس طرح بھی احتجاج میں ملوث تھے قرطاس ابیض کے ذریعے مجھے جس

طرح چیلنج کیا گیا اور اس کے ساتھ مشتعل کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ میں اس دور کی تفصیلات کو نہیں چھوؤں گا ۔ یہ میرے لئے ممکن نہیں کہ جس جگہ پر میں مَیں ہوں وہاں سے میں حاضر ریکارڈ کے علاوہ کسی بات میں کوئی اضافہ کر سکوں ۔

جب میں اگست 1977 میں راولپنڈی آیا تو میں نے مسٹر عزیز احمد سے کہا کہ وہ مجھے اس پچاس صفحات پر مشتمل دستاویز کی نقل دیں ۔ جو دفتر خارجہ نے تیار کی تھی جس میں غیر ملکی عناصر کے ملوث ہونے کو "اول سے آخر تک مکمل" بیان کیا گیا تھا ۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اس کی جو واحد نقل تھی وہ میں نے اس وقت کے سیکرٹری جنرل ان چیف مسٹر غلام اسحاق کو دیدی ہے ۔ قرطاس ابیض کس جعلی تسکین کے ساتھ یہ بیان کرتا ہے کہ احتجاج میں کسی غیر ملکی عنصر کے ملوث ہونے کا کوئی ثبوت وجود نہیں رکھتا ۔ دوسرے ہر قسم کے مواد کو ایک طرف رکھتے ہوئے آپریشن پہیہ جام کا کیا کریں گے کہ جو کہ عمل میں نہ لایا جا سکے گا ۔۔۔

غیر ملکی نگرانی میں آپریشن "پہیہ جام" 1958 کے مارشل لا کے درمیان فوج نے منظم کیا تھا ۔ یہ فوج کا ایک انتہائی خفیہ پروجیکٹ تھا ۔ تربیت چراٹ میں دی گئی ۔ اس آپریشن کا مقصد یہ تھا کہ "پہیہ جام" کرکے ایک حکومت کو ناکارہ بنا دیا جائے ۔ جب کراچی میں پہیہ جام کیا جانے لگا تو چیف آف دی آرمی سٹاف یہ سن کر بہت پریشان ہوا کہ جب میں نے اسے بتایا کہ میں اس پرانے پروجیکٹ سے واقف ہوں جو فوج نے بنایا اور اس کا نام "آپریشن" پہیہ جام رکھا گیا تھا میں نے اسے بتایا کہ اسی کوڈ کا استعمال ایک ناخوشگوار اتفاق بن گیا ہے ۔ چیف آف آرمی سٹاف کی زبان بند ہو گئی ۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کچھ ایسی بات کہی کہ کئی ریٹائرڈ فوجی افسر پی این اے میں موجود ہیں ۔

اگرچہ قرطاس ابیض میں میری 28 اپریل 1977 کی تقریر نقل کی گئی ہے جس میں یہ نشاندہی موجود ہے کہ میں احتجاج کے لئے تیزی سے باہر نہیں نکلا" ۔ اس کے باوجود قرطاس ابیض مجھے کچوکے دیتا ہے کہ میں غیر ملکی موجودگی کے بارے میں "اول سے آخر سب کچھ" بتانے کے لئے باہر نکلوں ۔ اس میں کہا گیا ہے ۔ جب تک وہ اقتدار میں رہے انہوں نے کوئی ثبوت فراہم نہ کیا ۔

(صفحہ 238)

جس حد تک جائز حدود ہیں ان میں رہتے ہوئے میں بات کر چکا ہوں میں سرکاری دستاویزات کے ساتھ تاش کے پتوں یا اس سے بھی بدتر سلوک نہیں کر سکتا ۔ مجھے ذمہ دارانہ اور محتاط طرز عمل اپنانا ہے ۔ پی این اے کے اندر کے ذاتی اختلافات اور فوجی ٹولے کے تضادات

نے ان چیزوں کو سطح سے اوپر تک پہنچا دیا ہے اور واقعات اب ڈھکے چھپے نہیں رہے ۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ پی این اے کے تمام سیاست دانوں کو اندرونی کہانی نہیں بتائی گئی تھی ۔ بالکل اسی طرح بیشتر جرنیلوں کو اس پلاٹ کی گہرائی کے بارے میں اعتماد میں نہیں لیا گیا تھا ۔ ایک برس کے اس طویل مرحلے میں چیف مارشل لاایڈمنسٹریٹر نے ایسی تمام دستاویزات ضائع کرنے کی کوشش کی ہے جو ان کے خلاف ثبوت پیش کر سکتی تھیں ۔

صرف ایک سیاست دان کو غیر ملکی فنڈز دیئے گئے تھے اور وہ جماعت اسلامی کے میاں طفیل محمد تھے ۔ ان خطیر رقوم کو انہوں نے کس طرح اور کن میں تقسیم کیا ۔ یہ ان کا اور پی این اے کے دیگر افراد کا معاملہ ہے ۔ حکومت کا فوج کے ذریعے جبری تختہ الٹائے جانے کے فوراً بعد میاں طفیل محمد نے چیف مارشل لاایڈمنسٹریٹر کو مشورہ دیا کہ ان کے خلاف ثبوت فراہم کرنے والی تمام دستاویزات ضائع کر دی جائیں ۔ 23 جولائی 1977 کو مجھے مری میں یہ اطلاع ملی کہ اس موضوع سے تعلق رکھنے والی دستاویزات کا ایک انبار 19 جولائی 1977 کو جلایا گیا ہے ۔ میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ 385 دنوں میں جن کے بعد قرطاس ابیض جاری کیا گیا ہے ۔ ایسے کئی الاؤ جلائے جا چکے ہیں ۔ اس عقیدے پر مکمل طور سے اعتماد کر لینے کے بعد کہ اس موضوع کے بارے میں تمام شواہد اور ثبوت ضائع کئے جا چکے ہیں ۔ قرطاس ابیض مجھے یہ چیلنج کرتا ہے کہ پھانسی کی کوٹھڑی سے میں اول سے آخر تک مکمل صورت میں میاں طفیل احمد کی اس سازش میں شمولیت کا ثبوت پیش کروں ۔

میں یہ بات پھر دہراؤں گا جو کچھ بھی ہو رہا ہے اداکاری ہو رہی ہے جو کچھ بھی وقوع ہوا ، ہو چکا سب منصوبے کے تحت معاہدے کے مطابق ہوا ہے ۔ ایک فریق نے اس سودے کی تکمیل میں سامان اور اشیاء فراہم کیں ۔ دوسرا فریق اپنے قدم گھسیٹ رہا ہے ۔ اور عزرائیل پیش کرتے ہوئے وقت کی توسیع کے لئے اپیل کی جا رہی ہے ۔ کوڑوں اور اذیتوں کی مکمل آزادانہ آمریت کی سزائیں عوام کو اپنا مکمل مطیع بنانے کے لئے کافی نہ تھیں ۔ پی این اے کے ساتھ کھلی شادی شاید وہ مواقع فراہم کر دے کہ جس سے موعودہ تبدیلی لائی جا سکے اہم نوعیت کے مفادات کو ہمیشہ محض مضبوط بیانوں سے پورا نہیں کیا جا سکتا اہم ترین مفادات کے حصول و تحفظ کے لئے قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ بیانات کی نہیں ۔ یہ قربانیاں جو عوام دیتے ہیں اسی وقت دی جا سکتی ہیں جب عوام کو متحرک کیا گیا ہو ۔ غیر نمائندہ فوجی ٹولہ کبھی عوام کو متحرک کر کے انہیں قربانی کے لئے تیار نہیں کر سکتا لوگ صرف ان رہنماؤں کی پیروی کریں گے جن پر انہیں اعتماد ہے ۔ باقی سب آنکھ دھونے والی بات ہے ۔ لافانی وقت سے ریاستوں کے

اور 239 پر دیے گئے بنیادی نکات کی تکرار ہے ۔ تاہم یہ اس لئے نقل کرنے کے قابل ہے کہ اس میں پی این اے کے دفاع کے لئے موجودہ حکومت کی فکر مندی دکھائی دیتی ہے ۔

تحریک (پی این اے) کے خلاف حکومت نے حملہ کرنے کی جو ایک دوسری لائن اپنائی یہ تھی کہ اس کے شروع ہوتے ہی اس سنگین پہلو کی تشہیر کی گئی کہ اس کا منصوبہ بنانے اور اسے مالی امداد دینے والی قوی غیر ملکی طاقتیں ہیں جو انقلابی حکومت کے خاتمے میں دلچسپی رکھتی ہیں ۔ یہ الزام کہ غیر ملکی روپیہ پاکستان میں بہہ رہا تھا ، اس پر سابقہ باب میں بحث ہو چکی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقت میں اس کی کوئی بنیاد نہیں تھی ۔ نہ ہی کوئی ایسا ثبوت ملا ہے جس سے پتہ چلتا ہو کہ احتجاج میں کوئی غیر ملکی طاقت ملوث تھی ۔ یہ اس حکومت کا فرض تھا کہ یہ ثبوت شائع کرتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا ۔
یہ امر دلچسپ ہے کہ ابتدا میں ہی جب سرکاری پراپیگنڈے میں تحریک کے پس منظر میں غیر ملکی ہاتھ کے سگنل دئے جانے لگے تو خود مسٹر بھٹو نے پہلے بڑا اذیت ناک طریقہ اپنایا ۔ 28 مارچ 1977 کو انہوں نے اس الزام تراشی کا آغاز کیا کہ پی این اے کی انتخابی مہم کے دوران پی این اے نے دعویٰ کیا تھا اسے ہر طرح سے انتخاب جیتنے ہیں کیونکہ انہیں وسائل بیرون ملک سے ملے ہیں مسٹر بھٹو نے بھی اس کا کوئی ثبوت پیش نہ کیا بلکہ یہ الزام لگایا یہ دعویٰ اپوزیشن کی اندرونی کونسل سے منکشف ہو کر باہر آیا ہے ۔ اور انہوں نے اس ذریعہ کے انکشاف کی دھمکی بھی دی ایسی دھمکی جو عملی شکل میں کبھی سامنے نہ آسکی ۔
یہ پی این اے کے لئے ایک کھلم کھلی شرمناک معذرت ہے فوجی حکومت پی این اے کا ایسے طریقے سے کیوں دفاع کر رہی ہے کہ جیسے کہ دونوں ایک ہیں اور ایک جیسے ؟ 5 جولائی 1977 کی افتتاحی تقریر سے اب تک سکھر بیراج کے نیچے سب بہت سا پانی بہہ چکا ہے کہ کسی سے بھی اب ''آپریشن فیئر پلے'' کے متعلق پوچھا جا سکے ۔ جنوری 1977 سے ہی پی این اے اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل گئے تھے ۔ احتجاجات تو ایک روزمرہ کا معاملہ ہوتا ہے ۔ لیکن شہری لباس پہنوا کر جوانوں کو پی این اے کے مظاہروں میں اس لئے بھیجا جاتا کہ ہجوم بڑا ہو اور لوگوں میں اشتعال پیدا کیا جا سکے ۔
لاہور میں احتجاج کے دنوں میں چوتھی کورپس کے تین بریگیڈیروں نے کھلم کھلا جس طرح احکامات کی نافرمانی کی ، یہ پہلے سے طے شدہ تھا ۔ حتیٰ کہ اس نام نہاد نافرمانی کے وقت

بریگیڈیروں کا کورٹ مارشل نہیں کیا گیا ۔ حتی کہ انہیں ملازمتوں سے بھی ڈسمس نہ کیا گیا ۔ اس کھیل میں انہوں نے جو کردار ادا کیا تھا اسے سراہتے ہوئے انہیں راولپنڈی تبدیل کر دیا گیا تاکہ وہ نظروں سے اوجھل ہو جائیں ۔ اب تک اسی طرح اور طریقے سے ترقی دی جاچکی ہوگی یا انعام دیئے جاچکے ہوں گے ۔ جس طرح کراچی میں جب مسٹر عزیز احمد وزیر خارجہ خطاب کر رہے تھے تو جونیئر فوجی افسروں کو حکم دیا گیا تھا کہ ان پر سوالوں کی بوچھاڑ کر کے انہیں تنگ کر دیا جائے ۔ جنرل اقبال کے استعفی کی کہانی محض ایک چال تھی ۔ 5 جولائی 1977 کو چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نے اپنی تقریر میں خود تسلیم کیا کہ تین شہروں میں لگایا جانے والا مارشل لا ــــ لولا لنگڑا مارشل لا تھا ۔ سانگھڑ کی داستان بھی چیف آف آرمی سٹاف کی درپردہ اجازت سے ہی گھڑی گئی تھی ۔

مذاکرات کی تجدید پی این اے نے چیف آف آرمی سٹاف کے احکام کے تحت کی مفادات کا اشتراک مسلسل جاری رہنے والی فطرت ہے ۔ قرطاس ابیض نے پی این اے کا دفاع کیا ہے ۔ پی این اے کا دفاع کرتے ہوئے دراصل یہ اس حکومت کا دفاع کر رہا ہے مفادات میں حصے داری کس طرح رشتہ مناکحت میں تبدیل ہوئی ؟ چیف آف آرمی سٹاف مودودی اور جماعت اسلامی کا مداح اور پیروکار تھا ۔ وہ امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد کا ہم ذات اور رشتے دار ہے اور دونوں جالندھری ہیں ۔ اپنے نظریات کے اعتبار سے دونوں کٹر رجعت پسند ہیں ۔

یہ مشترکہ عناصر اور حقائق جانے پہچانے ہیں لیکن ایک خود غرض آدمی اس طرح کی توام سازش میں محض اس لئے شامل نہیں ہوگا کہ مفادات مشترکہ ہیں ۔ چیف آف آرمی سٹاف کی حیثیت سے وہ اس عہدے پر ٹھیک جما ہوا تھا ۔ اسے تیزی سے ترقیاں دی گئیں اور کوئی ایسی وجہ نہیں تھی کہ وہ میری حکومت کا شکر گزار نہ ہوتا ۔ اپنی ہی حکومت کے خلاف دو سازشوں میں شمولیت اور ان کو عملی جامہ پہنانے کا سبب محض میاں طفیل محمد سے رشتے داری یا مودودی کی مدح سرائی نہیں ہو سکتا ۔ اسی سے کہیں زیادہ اہم اسباب پر استوار تھی ۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ان دونوں کو ملانے والے خفیہ ہاتھ نے انہیں اس مشترکہ سفر کے لیے ایک ہی کشتی میں سوار کرا دیا ۔ اس سے جزوی طور پر وضاحت ہو جاتی ہے کہ قرطاس ابیض غیر ملکی شرکت کے موضوع کو دبانے کے لئے کیوں فکر مند ہے اور کس طرح پی این اے کی پشت پناہی کر رہا ہے ۔

اگر چیف آف آرمی سٹاف اتنے غلیظ معاملے میں ملوث نہ ہوتا تو پھر وہ پی این اے کے ساتھ بیرونی شراکت کے بارے میں صفائی میں اتنی دلچسپی نہ لیتا ۔ قرطاس ابیض پوری تندہی سے پی این اے پر لگائے گئے الزامات کی تردید کرتے ہوئے اس کی بے گناہی کا پورا دفاع کرتا

ہے ان الزامات کا ذمے دار مجھے ٹھہراتا ہے ۔ اس دستاویز میں یہ حقائق موجود ہیں کہ پی این اے نے انتخابات کیسے لڑے کس طرح فنڈز جمع کئے یہ قرطاس ابیض کا موضوع نہیں ہے ۔ جو کہ بنیادی طور پر عام انتخابات کے انعقاد اور طرز عمل سے متعلق ہے ۔ جس کی ذمے داری حکمران جماعت اور الیکشن کمیشن پر تھی (صفحہ 237)

یہ ایک بودا اور کمزور نزاع ہے ۔ انتخابات پی پی پی اور پی این اے کے درمیان ایک باہمی مقابلہ تھا ۔ اگر انتخابات حکمران جماعت اور الیکشن کمیشن کا ایک معاملہ تھا تو پھر اسے کوئی دوسرا نام دینا چاہیے تھا ۔ انتخابات کا کام حکمران پارٹی اور مخالف پارٹی یا پارٹیوں کا مشترکہ کام ہوتا ہے ۔ اس میں الیکشن کمیشن کی حیثیت ایک ریفری کی ہوتی ہے اس کام میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ۔ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ اکھاڑے کے باہر کھڑا ایک غیر جانبدار مبصر ہوتا ہے ۔

اگر ''پی این اے نے انتخابات کس طرح لڑے اور کس طرح فنڈز جمع کئے اس قرطاس ابیض کا موضوع نہیں ہے'' تو اس حوالے سے قرطاس ابیض اس موضوع پر ہی بات نہیں کر سکتا کہ پی پی پی نے کس طرح انتخابات لڑا اور کس طرح ضروری فنڈز جمع کئے ۔ اگر انتخابات میں پی این اے کی سرگرمیاں اور رویہ قرطاس ابیض کے دائرے سے باہر ہے تو پھر انتخابات میں پی پی پی کا رویہ بھی قرطاس ابیض کی شطرنجی چال میں محض اس لئے نہیں آسکتا کہ پی پی حکمران پارٹی تھی ۔ حکمران جماعت اور اپوزیشن پی این اے انتخابات میں دونوں فریقین تھے عام انتخابات کے رویے میں بھی ان دونوں کی شراکت تھی ۔ اگر اپوزیشن بائیکاٹ کر دیتی تو انتخابات ہی نہ ہوسکتے تھے ۔ عام انتخابات کا رویہ اور طرز عمل مقابلے سے جنم لیتا ہے ۔ دونوں فریقین کی سرگرمیاں جائز اور صحیح ہیں ۔ انتخابات حکمران جماعت اور الیکشن کمیشن کے مابین نہیں تھے کہ جس میں پی این اے ایک بے کار اور سُست تماشائی تھی عام انتخابات کے بارے میں جس طرح کی بھی بات ہوگی اس کا تعلق دونوں فریقین حکمران پارٹی اور اپوزیشن میں برابر برابر بنتا ہے ۔

28 اپریل 1977 کو پارلیمنٹ میں اپنی تقریر میں میں نے روپے کی قیمت میں یکدم تیزی کا ذکر کیا تھا ۔ جب میں نے یہ بات قومی اسمبلی کے فلور پر کہی تو اس وقت بھی یہ بات درست تھی اور آج بھی درست ہے میں اس میں سے ایک شوشہ بھی واپس لینے کو تیار نہیں ہوں ۔ میں اس کی بھی تصدیق و توثیق کرتا ہوں کہ پشاور اور کوئٹے میں روپے کی شرح بڑھنے کے بارے میں جو معلومات طاہر محمد خان نے فراہم کی تھیں وہ سچی ہیں ۔ قرطاس ابیض کے مصنف کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ اس میں قوت متخیلہ موجود نہیں ہے ۔ قومی اسمبلی میں میری تقریر مورخہ 28 اپریل 1977 کے جو اقتباسات اس کے صفحات 237 اور 238 پر دئے گئے ہیں ، سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ خود میں نے یہ واضح کر دیا کہ اپوزیشن نے غیر

ملکی مدد نہیں لی ۔ کوئی بھی شخص جو ان اقتباسات کو پڑھے اور اس میں معمولی سی قوت متخیلہ اور حس مزاح ہو یہ بتانے کے قابل ہے کہ میں ڈپلومیسی کی زبان استعمال کر رہا تھا میں تو کہاوت کے مطابق "زبان رخسار میں رکھ کر" بات کر رہا تھا ۔ میں اپنے سامعین اور تمام بیرونی پبلک کو یہ دعوت دے رہا تھا کہ جو بات بین السطور ہے وہ اس کا مطالعہ کریں ۔

طنزو چبھن کی بھاری خوراک اختتامی الفاظ میں دی گئی ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام ملکوں کے ساتھ ہمارے تعلقات انتہائی شاندار ہیں ۔ چونکہ بعض ملکوں کے ساتھ ہمارے تعلقات محض نارمل ہیں۔ اس لئے میں نے اشارتاً یہ کہا تھا کہ دنیا کے تمام ملکوں کے ساتھ ہمارے شاندار تعلقات کے پیش نظر پی این اے غیر ملکی مدد کے بارے میں ایک کھوکھلی بڑہانک رہی ہے ۔ یہ دودھاری الفاظ میں نے بڑی احتیاط سے استعمال کئے تھے تاکہ پی این اے کے دعووں کی تصدیق کر دیں اور غیر ملکی مداخلت کی مذمت تمام تر احتیاط کے ساتھ کر سکوں ۔ میں اپنے ملک کا ذمے دار وزیر اعظم تھا اور اپنے عوام کے سامنے جوابدہ بھی ۔ میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں بات کر رہا تھا سانپ کو مارتے ہوئے لاٹھی کو بھی بچانا چاہتا تھا ۔ چنانچہ غیر ذمے دارانہ انداز میں اپوزیشن کو گالی دے کر بات نہیں کر سکتا تھا کہ کھلے عام اس حساس ترین موضوع پر طاقتور غیر ملکی قوتوں پر حملہ کروں ۔ کسی غیر ملکی طاقت کے خلاف کیس ایک اینٹ پر دوسری اینٹ اور قدم کے بعد دوسرا قدم رکھ کر تیار کیا جاتا ہے ۔

پی این اے کا دفاع کرتے ہوئے قرطاس ابیض میں کہا گیا ہے کہ پی این اے کے فنڈز کے ذرائع غیر ملکی نہیں بلکہ اندرونی تھے ۔ اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ لاہور میں جو صنعت کار پی این اے کو روپیہ دے رہے تھے میں ان کی رپورٹیں وصول کرتا رہا ہوں ۔ پی این اے کے سیاست دان ایسے نہیں ہیں کہ وہ ایک پیسہ بھی چھوڑ دیں ۔ انہوں نے صنعت کاروں، تاجروں اور ان لوگوں سے روپیہ لیا جن کی پروسینگ فیکٹریاں قومیائی گئی تھیں ۔ اس کے باوجود، اندرونی عطیات کا موازنہ باہر سے آنے والے زبردست اور خطیر فنڈز سے نہیں کیا جاسکتا ۔ یہ گواہی کہ مفادات رکھنے والے اندرونی لوگوں نے اپنے مفادات کے لئے پی این اے کو جو عطیات دئے وہ غیر اہم ہیں یا کم، اس سے یہ مفہوم نہیں نکالا جاسکتا کہ پی این اے نے غیر ملکی ذرائع سے بڑے فنڈز وصول نہیں کئے ۔

قرطاس ابیض نے اپنی سی کوئی کوشش نہیں اٹھا رکھی کہ مجھے مشتعل کر کے اپنی مرضی کے ردعمل کے لئے مجبور کرے ۔ اس میں کہا گیا ہے جہاں تک مسٹر جتوئی کا تعلق ہے ۔ پی این اے پر لگائے گئے الزام کے بارے میں مکمل کہانی کو کبھی نہیں بتایا ۔ جب تک وہ اقتدار میں

رہے ۔ اور اس کے بعد بھی انہوں نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا" یہ فوجی ٹولہ ڈپلومیسی کی دنیا اور انتظامیہ کو چلانے کی اخلاقیات کے شعبوں میں دودھ پیتے بچے کی مانند ہے ۔ چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کو ایسی کسی احتیاط کی ضرورت نہیں کہ وہ سرکاری دستاویزات کو محفوظ رکھیں ۔ جس انداز میں سرکاری دستاویزات قرطاس ابیض میں ٹھونس دی گئی ہیں اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے ۔ ان بے مثال حماقتوں کی پاکستان کو بہت جلد بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی میں سمجھتا ہوں کہ میں سرکاری دستاویزات کے ساتھ جن ردی اور پوکر کے کھیل نہیں کھیل سکتا ۔ لیکن چونکہ چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نے اس کی غیر معمولی مثال قائم کر دی ہے ۔ ہم بھی اس کی تقلید کریں گے لیکن جواریوں اور مبہم جوؤں کی طرح نہیں ۔ قومی مفادات میری راہ میں رکاوٹ کھڑی کر دیتے ہیں کہ جیسی جست چیف مارشل ایڈ منسٹریٹر نے لگائی تھی ویسی ہی جست میں بھی لگاؤں ۔

قرطاس ابیض میں قومی اسمبلی میں میری 28 اپریل 1977 کو تقریر کو نقل کیا گیا ہے اور اس کا آخری جملہ ہے ۔

"ڈالر طشتریوں میں رکھ کر پیش کئے گئے ۔ میری پارٹی کے ارکان یہ باتیں میرے نوٹس میں لارہے تھے لیکن میں احتجاج کرنے کے لئے تیزی سے باہر نہیں نکلا"

اس سے میرا طرز عمل ظاہر ہو جاتا ہے ۔ اگر اس وقت میں احتجاج کے لئے عجلت میں باہر نہیں نکلا ، جب میں ملک کا وزیر اعظم تھا اور انتہائی اشتعال انگیزی کے دباؤ میں بھی تھا تو اب جبکہ میں موت کی کوٹھڑی میں ہوں اور ماضی کے تمام واقعات دھند لا چکے ہیں تو ایسا نہیں کروں گا ۔ میں فوجی حکومت کو یہ موقع نہیں دوں گا کہ وہ ایک بار پھر غیر ملکی طاقتوں پر حملہ کر سکیں ساری کہانی معلوم ہو چکی ہے زیادہ سے زیادہ باہر آرہی ہے ۔ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں ۔ میں 28 اپریل 1977 کو سرکاری طور پر قوم کے نوٹس میں سب کچھ لے آیا تھا اور اس کے لئے کوئی معمولی نہیں بلکہ قومی اسمبلی کا پلیٹ فارم استعمال کیا تھا ۔ اس کے بعد بھی کئی سیاسی تقریروں اور عدالتوں میں میں نے انہی باتوں کو دہرایا ۔ میں پاکستان کی لڑائیاں موت کی کوٹھڑی سے نہیں لڑ سکتا ۔

گذشتہ بیس برسوں کے واقعات نے مجھے اس غیر مبہم نتیجے پر پہنچایا ہے کہ اس وقت تیسری دنیا کے اتحاد اور ترقی کو سب سے بڑا خطرہ فوج کے جبری طور پر حکومتوں کے الٹا دینے سے ہے ۔ نو آبادیاتی دور مر چکا ہے صرف چند ایسے مقامات رہ گئے ہیں جہاں نو آبادیات کو ابھی دفن کرنا باقی رہ گیا ہے ان مقامات پر بھی تدفین کا وقت بہت قریب آچکا ہے ۔ تیسری دنیا کو غیر ملکی قیادتوں کے خلاف جدوجہد کرنی ہے لیکن غیر ملکی قیادتوں کے خلاف جدوجہد کا بہترین

طریقہ یہ ہے کہ فوج کے ذریعے حکومتوں کے جبری تختہ الٹنے کی سازشوں کے خلاف کھڑا ہوا جائے ۔ بیرونی نو آبادیاتی نظام کا سب سے بڑا ذریعہ اندرونی نو آبادیاتی نظام ہوتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر ملکی قیادتوں کو ہم پر فوجی جبر و قوت کے بغیر نہیں تھوپا جاسکتا فوج کے ذریعے حکومتوں کا جبری تختہ الٹنا ۔ ملکی اتحاد کے ساتھ بدترین دشمنی ہے ۔ فوجی بغاوتوں کے ذریعے آزاد لوگوں کو تقسیم کر دیا اور بنیادوں سے ہلا دیا جاتا ہے ۔ اگر اس میں کوئی شبہ تھا تو اب پاکستان کے حالات سے تیسری دنیا کے عوام کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ انہیں بنیادی طور پر اپنے اندرونی دشمنوں کا مقابلہ کرنا ہے ۔ اگر غیر ملکی برتری اور قیادت کو مزاحمت کرنی ہے تو پھر جان لینا چاہیئے کہ فوجی سازشیں اور فوجی اقتدار کا ہی وہ پل ہے جس پر چل کر غیر ملکی قیادت ہمارے ملکوں کے اندر آتی ہے ۔

پی این اے کے ساتھ غیر ملکی عناصر کا تعاون کسی محبت کے بغیر نہیں تھا ۔ باہمی مفاہمت ہو چکی تھی ۔ یہ باہمی مفاہمت اور سمجھوتہ اس بات پر ہوا کہ پی این اے کو میری حکومت کا تختہ طے شدہ احتجاج کے ذریعے الٹنا ہو گا اور اس کے لئے پی این اے کو مالی اور سیاسی مدد دی گئی پہلے مرحلے میں فوج اقتدار پر قبضہ کرے گی ۔ زمین ہموار کی جائے گی اور رکاوٹیں دور ہو چکی ہوں گی ۔ اس کے استحکام کے بعد یہ توقع کی جائے گی کہ میری حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش مکمل ہو جائے گی ۔ ان شرائط اور مقاصد کو فروری 1977 میں حتمی طور پر طے کر لیا گیا تھا ۔

امریکہ کے اس فیصلے پر احتجاج کہ جب تک نیو پراسیسنگ پلانٹ کا معاملہ طے نہیں پاتا امداد روک دی جائے گی ، اس ضمن میں کوئی غیر متوقع یا نیا واقعہ نہیں ہے ۔ 5 جولائی 1977 کو حکومت کا فوج کے ذریعے تختہ الٹنے کی سازش کا یہ ایک جزو لاینفک تھا ۔ پی این اے سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس سودے میں اپنا حصہ اور کردار ادا کرے گی ڈپلومیٹک الفاظ کا رقص زوردار بیانات اور ان کے گندے جوہڑ جیسے پریس کے ادارئے — لوگوں کو بے وقوف بنانے کے کھیل ہیں ۔ پی این اے سمجھتی ہے کہ وہ چونکہ پہلے عوام کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو چکی ہے اس لئے ایک بار پھر انہیں بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جائے گی جو شور مچایا جا رہا ہے وہ نقلی باکسنگ کے مقابلے پر ہو رہا ہے ۔ یہ وہ چیز ہے جسے ڈریس ریہرسل کہا جاتا ہے ۔ اگر وہ اس اعلان پر ناراض ہوئے تھے تو انہیں مثبت جوابی کارروائی کرنی چاہیئے تھی ۔ کسی چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے عوام میں حرکت پیدا کرنے کے لئے ٹھوس اقدام کئے جاتے ہیں ۔ پی این اے اور اس کے آقاؤں کو اس میں سنجیدہ دلچسپی ہی نہیں ہے ۔ وہ حسب معمول زبانی کلامی سطح پر معاملے کو لے رہے ہیں ۔

اگر فوجی حکمران تولہ یہ سمجھتا ہے کہ غیر جانبداری --- جانبداری سے زیادہ اہم ہے اور اپنے نمائندے غیر جانبدار کانفرنس میں شرکت کے لئے بلغراد روانہ کرنا ہے تو اس کے لئے نیوکلیر پلانٹ کے سلسلے میں جو دباؤ ڈالا جارہا ہے اس کے جواب میں رد عمل کے طور پر سنیٹو سے علیحدگی کے لئے معمولی سی دشواری بھی پیش نہ آسکتی تھی ۔ لوگ ٹھوس اقدامات کی توقع کئے ہوئے ہیں ۔ لیکن اس کے برعکس باتیں اور مزید باتیں ہی کی جارہی ہیں امریکہ پر یہ الزام کیسے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے عالمی سیاسی مقاصد کے لئے کام نہ کرے ؟ ہمارے درمیان وہ لوگ جو لالچ اور بھوک کی بنیادوں پر کام کرتے ہیں ۔ وہی لوگ اس سے پہلے کہ دوسرے لوگ کام کر جائیں پاکستانی عوام کے سامنے جوابدہ ہیں اگر پی این اے کو قومی مفادات اور پاکستان کے عوام کی بہبود کے ساتھ اتنی زیادہ دلچسپی تھی تو پھر یہ انتخابات کے دوران 25 کروڑ (225 ملین روپے) اور انتخابات کے بعد 5 کروڑ (50 بلین) روپے لے کر میری حکومت کا تختہ الٹنے اور اس کے بدلے میں پاکستان کے اہم ترین مفادات پر سمجھوتہ نہ کرتی ۔

دوسری طرف نے اس معاہدے کی شرائط کو پورا کرنے کا اپنا حصہ مکمل کر دیا ہے ۔ اب یہ سمجھتی ہے کہ معاہدے کے مطابق پی این اے کو اپنے حصے کا کردار ادا کرنے کے لئے مناسب وقت دیا جاچکا ہے ۔ جوشی و غضب ، چیخ و پکار اور چلانے کے ذریعے عوام کو دھوکا دیدیا جائے گا ۔ اس قسم کا بلا گلا ایک وقت تک ہی برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن پالیسی میں کوئی بنیادی تبدیلی کی گئی تو اسے اس سہ فریقی حتمی فیصلے کی خلاف ورزی تصور کیا جائے گا جو فروری 1977 میں طے پایا تھا ایک قیمت ادا کی گئی تھی اور یہ قیمت ایک خاص معاملے کے لئے ادا کی گئی تھی ۔

پی این اے کے ساتھ جو مذاکرات اس سلسلے میں بظاہر کئے جارہے ہیں کہ وہ اس سرکاری سیٹ اپ میں شامل ہو جائے ، اس مرکب معاہدے کا ایک لازمی حصہ ہے ۔ پانچ نکات کے حوالے سے جو مزاحیہ ڈرامہ کھیل کر ہنگامہ کیا جارہا ہے یہ ایک پہلے سے تیار شدہ سٹیج کا عمل ہے ۔ تاکہ اس طرح پی این اے کی خود مختاری اور آزادی کو ثابت کیا جاسکے ۔ اس قسم کی شاندار ، سازشوں پر ہر شخص کو اعتماد میں نہیں لیا جاسکتا اس لئے ایسی کارروائیوں میں داہنے ہاتھ کو علم نہیں ہوتا کہ بایاں ہاتھ کیا کر رہا ہے ۔ پورا منصوبہ جو انتہائی خفیہ راز میں تھا ، اس کا علم صرف چند چیدہ افراد کو تھا ۔ معمولی مقاصد میں سب عناصر کو شریک کیا جاسکتا تھا ۔ وہ بھی محض باتوں اور گفت و شنید نظریات کی ہم آہنگی اور عام مفادات کی حد تک اس سازش میں صرف ایک پارٹی اور اس ایک پارٹی کے ایک سیاست دان کو مکمل اعتماد میں لیا گیا تھا ۔ صرف اسے ہی یہ بات بتائی گئی تھی ۔

خاکساروں کو اس تصویر میں شامل نہیں کیا گیا ۔ انہیں نظام مصطفیٰ کے نعروں میں ہی الجھایا گیا مکمل صورت میں حقیقی پلان پی ڈی پی پر بھی ظاہر نہیں کیا گیا تھا ۔ ایک اور واحد رابطے اور ترسیل کا ذریعہ جماعت اسلامی تھی اور میاں طفیل محمد رابطہ تھے دوسروں کو اس سازش کے بارے میں بہت کم اور مختلف معلومات حاصل تھیں ۔ فرد سے فرد اور پارٹی سے پارٹی تک اس میں کثیر الجہت تنوع تھا ۔ انہی اسباب کی بنا پر ، میاں طفیل جو ایک پیشہ ور "ایجنٹ پرووکوٹیر" تھا اب امریکہ پر دکھاوے کی تنقید کر رہا ہے ۔ یہ صرف اس لئے کیا جا رہا ہے کہ ہمارے سادہ دل لوگوں کو کنفیوز کیا جا سکے ۔ لوگ ابھی یہ فراموش نہیں کر سکے کہ پولنگ کے دن کراچی ، حیدر آباد اور ملتان جیسے بڑے شہروں میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی تھی ۔ ہر کسی کو یاد ہے کہ پی این اے کے کرائے کے آدمیوں اور شرپسندوں نے پولنگ سٹیشنوں کو جلایا ، حملہ کیا اور پامال کیا تھا ۔ انتخابات سے پہلے ہی پی این اے کے رہنماؤں نے حکومت پر قبضہ کرنے کی جو دھمکیاں دی تھیں ان کی صدائے بازگشت اب بھی سنائی دے رہی ہے ۔ اگر انتخابات کے بارے میں انکوائری کے موضوع سے یہ کارروائیاں خارج کی جا رہی ہیں تو پھر میں چاہوں گا کہ مجھے انتخابات کے معنی پر درس دیا جائے ۔ فوجی ٹولے نے پی این اے کا دفاع کیا ہے اور پی این اے فوجی ٹولے کا دفاع کر رہی ہے ۔

قرطاس ابیض میں غیر ملکی عناصر کے ملوث ہونے کے بارے میں چوتھا حوالہ قرطاس ابیض کے صفحہ 383 پر ہے ۔ جس میں دیگر باتوں کے علاوہ بیان کیا گیا ہے ۔ وہ یہ الزام کہ پاکستان میں غیر ملکی عطیات کا سیلاب آیا ہوا تھا ۔ اور گذشتہ باب میں بحث ہو چکی ہے ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں کوئی صداقت نہیں تھی ۔ نہ ہی کوئی ایسی شہادت ہی ملی ہے کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ احتجاج میں کس طرح بھی غیر ملک ملوث ہوں آخر فوجی ٹولہ پی این اے کے کپڑوں کو پاک کرنے میں اتنا فکر مند کیوں ہے ؟ میں نے جرنیلوں پر تو غیر ملکی رقوم وصول کرنے کا الزام نہیں لگایا ۔ میں نے پی این اے پر الزام لگایا تھا ۔ فوجی حکومت پی این اے کا اس طرح دفاع کر رہی ہے جیسا کہ اپنا دفاع کر رہی ہو اور پی این اے کی بے گناہی کو ثابت کرتے ہوئے جیسے اپنی بے گناہی کا ثبوت پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔ یہ ایسا طرز عمل ہے کہ فوج کی صفائی اسی طور ثابت ہو سکتی ہے کہ پہلے پی این اے کو بے گناہ ثابت کر دیا جائے ۔ پھر پی این اے پر جو الزام خطیر غیر ملکی رقوم وصول کرنے کا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس الزام کی کوئی بنیاد ہی نہیں پھر یہ کہ نہ ہی ایسا کوئی ثبوت ملا ہے کہ جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ غیر ملک کس طرح بھی احتجاج میں ملوث تھے قرطاس ابیض کے ذریعے مجھے جس

طرح چیلنج کیا گیا اور اس کے ساتھ مشتعل کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ میں اس دور کی تفصیلات کو نہیں چھوؤں گا ۔ یہ میرے لئے ممکن نہیں کہ جس جگہ پر میں مَیں ہوں وہاں سے میں حاضر ریکارڈ کے علاوہ کسی بات میں کوئی اضافہ کرسکوں ۔

جب میں اگست 1977 میں راولپنڈی آیا تو میں نے مسٹر عزیز احمد سے کہا کہ وہ مجھے اس پچاس صفحات پر مشتمل دستاویز کی نقل دیں ۔ جو دفتر خارجہ نے تیار کی تھی جس میں غیر ملکی عناصر کے ملوث ہونے کو "اول سے آخر تک مکمل" بیان کیا گیا تھا ۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اس کی جو واحد نقل تھی وہ میں نے اس وقت کے سیکرٹری جنرل ان چیف مسٹر غلام اسحاق کو دیدی ہے ۔ قرطاس ابیض کس جعلی تسکین کے ساتھ یہ بیان کرتا ہے کہ احتجاج میں کسی غیر ملکی عنصر کے ملوث ہونے کا کوئی ثبوت وجود نہیں رکھتا ۔ دوسرے ہر قسم کے مواد کو ایک طرف رکھتے ہوئے آپریشن پہیہ جام کا کیا کریں گے کہ جو کہ عمل میں نہ لایا جا سکے گا ۔۔۔

غیر ملکی نگرانی میں آپریشن "پہیہ جام" 1958 کے مارشل لا کے درمیان فوج نے منظم کیا تھا ۔ یہ فوج کا ایک انتہائی خفیہ پروجیکٹ تھا ۔ تربیت چراٹ میں دی گئی ۔ اس آپریشن کا مقصد یہ تھا کہ "پہیہ جام" کرکے ایک حکومت کو ناکارہ بنا دیا جائے ۔ جب کراچی میں پہیہ جام کیا جانے لگا تو چیف آف دی آرمی سٹاف یہ سن کر بہت پریشان ہوا کہ جب میں نے اسے بتایا کہ میں اس پرانے پروجیکٹ سے واقف ہوں جو فوج نے بنایا اور اس کا نام "آپریشن" پہیہ جام رکھا گیا تھا میں نے اسے بتایا کہ اسی کوڈ کا استعمال ایک ناخوشگوار اتفاق بن گیا ہے ۔ چیف آف آرمی سٹاف کی زبان بند ہوگئی ۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کچھ ایسی بات کہی کہ کئی ریٹائرڈ فوجی افسر پی این اے میں موجود ہیں ۔

اگرچہ قرطاس ابیض میں میری 28 اپریل 1977 کی تقریر نقل کی گئی ہے جس میں یہ نشاندہی موجود ہے کہ میں احتجاج کے لئے تیزی سے باہر نہیں نکلا" ۔ اس کے باوجود قرطاس ابیض مجھے کچوکے دیتا ہے کہ میں غیر ملکی موجودگی کے بارے میں "اول سے آخر سب کچھ" بتانے کے لئے باہر نکلوں ۔ اس میں کہا گیا ہے ۔ جب تک وہ اقتدار میں رہے انہوں نے کوئی ثبوت فراہم نہ کیا ۔

(صفحہ 238)

جس حد تک جائز حدود ہیں ان میں رہتے ہوئے میں بات کر چکا ہوں میں سرکاری دستاویزات کے ساتھ تاش کے پتوں یا اس سے بھی بدتر سلوک نہیں کر سکتا ۔ مجھے ذمہ دارانہ اور محتاط طرز عمل اپنانا ہے ۔ پی این اے کے اندر کے ذاتی اختلافات اور فوجی ٹولے کے تضادات

نے ان چیزوں کو سطح سے اوپر تک پہنچا دیا ہے اور واقعات اب ڈھکے چھپے نہیں رہے ۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ پی این اے کے تمام سیاست دانوں کو اندرونی کہانی نہیں بتائی گئی تھی ۔ بالکل اسی طرح بیشتر جرنیلوں کو اس پلاٹ کی گہرائی کے بارے میں اعتماد میں نہیں لیا گیا تھا ۔ ایک برس کے اس طویل مرحلے میں چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر نے ایسی تمام دستاویزات ضائع کرنے کی کوشش کی ہے جو ان کے خلاف ثبوت پیش کر سکتی تھیں ۔

صرف ایک سیاست دان کو غیر ملکی فنڈز دیئے گئے تھے اور وہ جماعت اسلامی کے میاں طفیل محمد تھے ۔ ان خطیر رقوم کو انہوں نے کس طرح اور کن میں تقسیم کیا ۔ یہ ان کا اور پی این اے کے دیگر افراد کا معاملہ ہے ۔ حکومت کا فوج کے ذریعے جبری تختہ التائے جانے کے فوراً بعد میاں طفیل محمد نے چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر کو مشورہ دیا کہ ان کے خلاف ثبوت فراہم کرنے والی تمام دستاویزات ضائع کر دی جائیں ۔ 23 جولائی 1977 کو مجھے مری میں یہ اطلاع ملی کہ اس موضوع سے تعلق رکھنے والی دستاویزات کا ایک انبار 19 جولائی 1977 کو جلایا گیا ہے ۔ میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ 385 دنوں میں جن کے بعد قرطاس ابیض جاری کیا گیا ہے ۔ ایسے کئی الاؤ جلائے جا چکے ہیں ۔ اس عقیدے پر مکمل طور سے اعتماد کر لینے کے بعد کہ اس موضوع کے بارے میں تمام شواہد اور ثبوت ضائع کئے جا چکے ہیں ۔ قرطاس ابیض مجھے یہ چیلنج کرتا ہے کہ پھانسی کی کوٹھڑی سے میں اول سے آخر تک مکمل صورت میں میاں طفیل احمد کی اس سازش میں شمولیت کا ثبوت پیش کروں ۔

میں یہ بات پھر دہراؤں گا جو کچھ بھی ہو رہا ہے اداکاری ہو رہی ہے جو کچھ بھی وقوع ہوا ، ہو چکا سب منصوبے کے تحت معاہدے کے مطابق ہوا ہے ۔ ایک فریق نے اس سودے کی تکمیل میں سامان اور اشیاء فراہم کیں ۔ دوسرا فریق اپنے قدم گھسیٹ رہا ہے ۔ اور عزر لنگ پیش کرتے ہوئے وقت کی توسیع کے لئے اپیل کی جا رہی ہے ۔ کوڑوں اور اذیتوں کی مکمل آزادانہ آمریت کی سزائیں عوام کو اپنا مکمل مطیع بنانے کے لئے کافی نہ تھیں ۔ پی این اے کے ساتھ کھلی شادی شاید وہ مواقع فراہم کر دے کہ جس سے موعودہ تبدیلی لائی جا سکے اہم نوعیت کے مفادات کو ہمیشہ محض مضبوط بیانوں سے پورا نہیں کیا جا سکتا اہم ترین مفادات کے حصول و تحفظ کے لئے قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ بیانات کی نہیں ۔ یہ قربانیاں جو عوام دیتے ہیں اسی وقت دی جا سکتی ہیں جب عوام کو متحرک کیا گیا ہو ۔ غیر نمائندہ فوجی ٹولہ کبھی عوام کو متحرک کر کے انہیں قربانی کے لئے تیار نہیں کر سکتا لوگ صرف ان رہنماؤں کی پیروی کریں گے جن پر انہیں اعتماد ہے ۔ باقی سب آنکھ دھونے والی بات ہے ۔ لافانی وقت سے ریاستوں کے

درمیان، پالیسی یہ رہی ہے کہ جوابی دباؤ کا جواب موثر ترین دباؤ ہوتا ہے ۔ عوام کی روح پر کوڑے برسانے کے بعد عوام میں ہیروکی بلندیوں کے لئے لرزش تک پیدا نہیں کی جا سکتی عوام کے جوابی دباؤ کے بغیر لڑائی ہاری گئی ہے ۔ باقی جو کچھ ہے وہ سب ناکارہ اور بکواس ہے ۔ چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر اور پی این اے کے وڈیروں نے مشترکہ خیال اپنا لیا ہے کہ امداد کی بندش سے خود اعضاری کا احساس پیدا ہوگا اور یہ بندش دراصل ایک برکت ہے یہ طرز فکر ایک منافقانہ کوشش ہے ، عوام کو دھوکہ دینے کے لئے اس وقت موضوع جو داؤ پر لگا ہے اقتصادی امداد کی بندش نہیں ہے ۔ بلکہ ری پروسینگ پلانٹ ہے ۔ میں پہلے ہی ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کے بارے میں بات کر چکا ہوں کہ اس میں تبدیلی کی جائے گی یا اسے ترک کر دیا جائے گا ۔ اور ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ اسے ترک کیا جا چکا ہے ۔

قوم کو بذات خود چند تاریخی فیصلے کرنے چاہئیں ۔ چیف آف آرمی سٹاف نے اپنے عوام سے جو وعدے کئے تھے وہ توڑ چکا ہے ۔ اب وقت آیا ہے کہ ایسا ہی پختہ وعدہ وہ ایک غیر ملکی طاقت سے توڑے اپنے لئے نہیں بلکہ پاکستان کے لئے ۔ اگر فوجی ٹولہ نیو کلیر پروسینگ پلانٹ کے بارے میں واقعی دباؤ محسوس کرتا ہے تو کم سے کم جو کر سکتا ہے یہ ہے کہ قومی برہمی اور ناراضی کے مظاہرے کے لئے سینٹو سے نکل جائے ۔ ایسی صورت میں شاید لوگ جنرل کے بارے میں کچھ نہ کچھ سنجیدگی سے سوچنے لگیں ۔ مغرب کی نماز سے پہلے یا بعد میں اسے ٹیلی ویژن پر جا کر غیر ملکی دباؤ کے بارے میں قوم کو اپنے اعتماد میں لے کر قوم کی وحدت اور اپنی حکومت کے اخلاص کے اعتبار کے لئے یہ اعلان کرنا چاہیئے کہ پاکستان نے سینٹو چھوڑ دیا ہے ۔ پہلی تدبیر یہی ہے کہ غیر ملکی دباؤ کی مزاحمت کی جائے ۔ اسے چاہیئے کہ وہ یہ اعلان کسی بھی ڈرامے کے بغیر کرے کیونکہ قوم دانتوں تک اس کے ایسے ڈراموں سے بیزار ہو چکی ہے ۔

نیو کلیر پروسینگ پلانٹ کے بارے میں بنیادی سوال جو پیدا ہوا اور اس کے مابعد جو واقعات پیش آئے انہوں نے ایک سال میں پاکستان کی آزادی کو نازک سمت میں لاکھڑا کیا ہے ۔ ملک کی یہ حالت ہو گئی ہے دو ملین ٹن گندم امپورٹ کی جارہی ہے ۔ خود انحصاری کے لئے ایک یہ نفیس راستہ ہے گندم کے لئے یہ سال کا بہترین زمانہ ہوتا ہے ۔ اس کے باوجود گندم کی قیمتیں بڑھ کر اسی روپے یا اس سے زیادہ تک چلی گئی ہیں ۔ انتظار کیجئے کہ کمزور مہینوں میں کیا ہوتا ہے ۔

اپنے موضوع سے امور نکالتے ہوئے کہ تخمیناً کتنے بلین روپے افواج پر خرچ ہوتے ہیں جن میں مزید اضافہ چینی تعاون کا کر لیجئے ملکی زر مبادلہ کی آمدنی کا نوے فیصد گندم ، خوردنی تیل اور پٹرولیم اور تیل پر اٹھ جائے گا ۔ صرف ان تین آئٹموں کے اخراجات 1,130 بلین ڈالروں

سے زیادہ ہوں گے اس میں قرضوں کا سود وغیرہ شامل نہیں ہے ۔ اور دوسری امپورٹس پر کم از کم روایتی طور پر 2.5 بلین ڈالر خرچ ہوں گے ۔ اگر روایتی تخمینوں کے مطابق رواں سال میں ٹوٹل امپورٹس 3.5 بلین ڈالر سے کم نہیں ہو سکتی ہیں تو تجارت میں خسارہ 2.1 بلین ڈالر سے کم نہیں ہو گا یہ خیال رکھتے ہوئے کہ حالیہ بارشوں نے کپاس کو زیادہ نقصان نہیں پہنچایا یہ ایک انتہائی تکلیف دہ صورت حال ہے ۔ کاستہ گدائی لے کر ہم ایک برا اعظم سے دوسرے برا اعظم پھریں گے غیر ملکی ریاست (نام خارج کیا جاتا ہے) کے صدر تک رسائی کی جائے گی ۔ وہ کہے گا پلیز اپنا پہلا وعدہ یاد کیجئے اور پینٹ چھوڑ دیں ۔ ۔ کیا میں نے پینٹ سنا ؟ اوہ میرا مطلب ہے پلانٹ ۔ ۔ ۔ ۔ ! میں پاکستان کی کئی لڑائیاں لڑ چکا ہوں ۔ اب مجھے یہ دیکھنا ہے کہ میرے بغیر یہ کس طرح لڑی جائے گی ۔ میں سلاخوں کے پیچھے کوئی لڑائی نہیں لڑ سکتا اس کے علاوہ بہت تاخیر بھی ہو چکی ہے ۔ کھیل ختم ہو چکا ہے ۔ یہ اسی وقت ختم ہو گیا تھا جب پی این اے نے اپنی روح بیچ دی تھی ۔ آج مجھے جو کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے کبھی برداشت نہ کرنا پڑتا اگر اندر سے غداری نہ کی جاتی ۔ میں کسی بیرونی طاقت پر الزام نہیں لگا رہا ۔ اپنے ملک کے مفادات کے لئے پاکستان کے وقار کو سربلند رکھنا لازمی ہے اور اس کا مجھے صلہ ملا ہے ۔ میں عوام کا شکر گزار ہوں ان کی ہمدردی اور تعاون کے لئے دنیا بھر کے رہنماؤں نے میری قیادت کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے مجھے اس پر فخر ہے ۔ ماضی کے کسی کینے اور بغض کے بغیر میں اپنی بصیرت کو نئی جلا دے سکتا ہوں میں عالمی سیاست کی اہمیت سے واقف ہوں ۔ یہ وہ لمحہ ہے کہ جس میں مجھے ان عالمی رہنماؤں اور ان کے ملکوں کا شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے تردد اور فکر مندی کا اظہار کیا ہے ۔ انہوں نے اس عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے دراصل پاکستان کے عوام کو خراج تحسین پیش کیا ہے ۔ وہ جانتے ہیں کہ میرا مقدر کس حد تک پاکستان کے مقدر کے ساتھ جڑا ہے فوجی حکومت کے مسخروں کی طرح میں کسی ایک رہنما یا ملک کو اپنی تعریف ، اپنے خاندان کی تعریف اور اپنی پارٹی اور ہم وطنوں کی تعریف سے نہیں نکالوں گا ۔ اس وقت جہاں میں ہوں وہ میرے وقار اور خودداری کی اتنی اہانت ہے کہ اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی بات کر سکوں ۔ پھر بھی میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اپنے دل کے ایک راز میں اپنے ہم وطنوں کو شریک کروں ۔

اپنی جوانی کے دنوں سے میں برطانوی امپیریلزم کے خلاف ایک تند خو اور پر جوش لڑاکا رہا ہوں بمبئی میں میں نے کیتھڈرل اور جان کونن ہائی سکول میں تعلیم حاصل کی ۔ یہ برصغیر کے چند بہترین انگریزی سکولوں میں سے ایک تھا ۔ اس کے باوجود تب بھی ایک سکول کے لڑکے کی حیثیت سے بھی میں اپنی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا رہتا تھا ، خاص طور

پر ہندوستان چھوڑ دو اور راست اقدام کا دن کے زمانے میں لیکن اس سے بھی پہلے 1935 میں جب میری عمر سات برس تھی ۔ میرے والد کو جو اس وقت بمبئی کی حکومت میں وزیر تھے ، بمبئی کے گورنر لارڈ برابورن نے اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ چائے پر مدعو کیا۔ جب میرے بڑے بھائی امداد علی کے ساتھ تعارف ہو چکا جو اس وقت اکیس برس کے تھے تو لارڈ برابورن نے رائے دی ۔ کتنا خوبصورت جوان آدمی ہے ایک مہذب اور تربیت یافتہ ارسٹو کریٹ ہوتے ہوئے امداد علی نے جواب میں کہا میں اپنے آپ کو بہت مسرور و مغرور سمجھتا ہوں کیونکہ میری تعریف ہمارے خوبصورت گورنر نے کی ہے جب میری باری آئی تو میں نے اپنی باریک آواز میں کہا "ہز ایکسی لینی گورنر اس لئے خوبصورت ہے کہ وہ ہمارے خوبصورت ملک کے خون پر پلتے ہیں" لارڈ برابورن ششدر رہ گیا ۔ ایک لمحے تک وہ حیرت زدہ میری طرف دیکھتا رہا پھر اپنی انگلی سے میرے طرف اشارہ کر کے میرے والد کی طرف منہ کر کے کہنے لگا اور اس میں سر شاہنواز آپ کو شاعر اور ایک انقلابی ملا ہے" یہی کچھ ہے جو میں ان سارے برسوں میں رہا ہوں "ایک شاعر اور ایک انقلابی" اور جب تک میرے جسم میں سے آخری سانس نہیں نکل جاتی میں یہی رہوں گا ۔ میں نے اپنی اس لڑائی کو برکلے میں نیزہ تانے ہر آبادیاتی نصب العین نظام کے دشمن نصب العین کے لئے جاری رکھا ۔ اور اقوام متحدہ میں رنگ کے ہر کاز کی میں نے عسکری جذبے کے ساتھ حمایت کی انگلستان میں مجھے کرائسٹ چرچ ، آکسفورڈ اور بعد میں لنکز ان میں تعلیم حاصل کرنے کا فخر حاصل ہوا ۔ لنڈن اور آکسفورڈ دونوں جگہ میں نو آبادیاتی نظام کے خلاف ہر کاز کی تحریک کے ہراول دستے میں رہا ۔

حکومت پاکستان کے ایک وزیر کی حیثیت سے میں نے ہر پلیٹ فارم پر نو آبادیاتی نظام کی شدت سے نہ تھکنے والے ولولے جذبے اور عقیدہ کے ساتھ مذمت کی ۔ ہر برطانوی وزیراعظم میکمیلن سے ایڈورڈ ہیتھ تک میں نے گرم اور پرجوش دلائل کا سلسلہ جاری رہا ۔ پاکستان کے صدر کی حیثیت سے میں نے دولت مشترکہ کے ساتھ پاکستان کے تعلقات ختم کئے ۔ پاکستان کے وزیراعظم کی حیثیت سے میں نے مطالبہ کیا کہ کوہ نور ہیرا جو تاج کے ہیروں میں ہے واپس کیا جائے ۔ سات برس کی عمر سے پچاس برس تک چھوٹا زمانہ نہیں ہوتا ۔ جب گورنر کی چائے کی دعوت کے بعد ہم واپس آرہے تھے تو میرے والد نے مجھ سے پوچھا "سائیں وہ بات وہاں کرنے کی کیا ضرورت تھی" تو میں جو تب سے دباؤ میں جکڑا ہوا تھا اس کے لئے پرسش اس دباؤ سے نجات کا سبب بن گئی ۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے اور سسکیوں کے ساتھ تقریباً ہذیانی انداز میں سندھی میں چیخ اٹھا "ہمارا ملک ہے یہ ہمارا ملک ہے ۔ ۔ یہ ہمارا ملک ہے" ہر وہ ملک جو نو آبادیاتی نظام کے جوئے میں جکڑا ہوا تھا ۔ اسے میں

یوں سمجھتا تھا جیسے وہ میرا ملک ہے ۔

برطانوی ایمپائر کا خاتمہ ہو چکا ہے ۔ تیسری دنیا کے لئے اب سب سے بڑی دہشت فوجی سازشیں ہیں ۔ برطانیہ کے ساتھ میرے طویل اور تلخ تصادمات انقلابی تبدیلیوں کی وجہ سے ختم ہو چکے ہیں ۔ برطانوی حکومت اور برطانوی عوام نے میرے تین بچوں اور ساتھیوں کو جس باوقار انداز میں پناہ دی ہے اس سے میں بہت متاثر ہوا ہوں میں برطانوی رہنماؤں اور حکومتوں کے خلاف اسی وجہ سے لڑتا رہا کہ ایشیا کو دانش اور اخلاقی سطح پر مساوی تسلیم کریں ۔ میں یہ ایشائی عوام کی شان و شوکت کے لئے کرتا رہا ۔ برطانیہ کے ساتھ میری لڑائی ختم ہو چکی ہے ۔

پی این اے نے کس طرح فنڈز جمع کئے ۔ اگر یہ اس قرطاس ابیض کا مواد و موضوع نہیں بن سکتا جو عام انتخابات کے طرز عمل اور رویے پر تھا تو پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے کس طرح فنڈز جمع کئے اسے بھی اس قرطاس ابیض کا موضوع و مواد نہیں بنایا جا سکتا جو عام انتخابات کے انعقاد کے رویوں کے بارے میں ہے ۔ ہر شخص درباری سے مسخرے تک یہ جان چکا ہے کہ پی پی پی کے لئے ایک قانون ہے اور پی این اے کے لئے ایک دوسرا قانون ہے ۔ پی پی پی کے لئے ایک معیار ہے اور پی این اے کے لئے دوسرا معیار قرطاس ابیض صفحات پر صفحات پی پی پی کے فنڈز کے لئے وقف کرنے کے باوجود ہمارے خلاف کسی بے قاعدگی کو ثابت نہیں کر سکا ۔ پی پی پی نے غیر ملکی مدد وصول نہیں کی ۔ پی پی پی کا سرمایہ عوام ہیں ۔ یہ کبھی نہ ختم ہونے والا سرمایہ ہے اور اسے عوام سے کبھی چھینا نہیں جا سکتا ۔ اگر میں کل عوام سے عطیات کے لئے اپیل کروں تو لاکھوں دکھی روحیں خوشی سے آگے بڑھ کر اپنا آخری پیسہ بھی مجھے دیدیں ۔ یہ میری پارٹی کی طاقت ہے ۔ میں کوئی کلرک یا آڈیٹر نہیں ہوں کہ جس حقیر مواد کا ذکر قرطاس ابیض میں کیا گیا ہے اس کا جواب دوں دستاویزات خود بنائی گئی ہیں سچ اور حقائق کو جھٹلانے کے لئے فینٹسی اور فکشن کو انتہائی مبالغے اور سج دھج سے استعمال کیا گیا ہے ۔

ایک بڑا الزام یہ لگایا گیا ہے کہ دو سال یا اس سے زیادہ عرصے میں ایک بے نام سربراہ حکومت سے 2 سے 3 کروڑ (20 سے 30 ملین) روپے لئے گئے اس بیان کا مفہوم و مطلب میرے سیکرٹری مسٹر افضل سعید کی طرف سے بیان کیا گیا ہے ۔ مزید برآں افضل سعید نے یہ بتایا کہ مذکورہ رقم اسے یونائیٹڈ بنک کے سابق مینجنگ ڈائریکٹر یا چئرمین آغا حسن عابدی نے پہنچائی تھی ۔ یہ مسٹر افضل سعید کے صرف الفاظ ہیں ۔ اخباری رپورٹوں کے مطابق آغا حسن عابدی نے اس شمولیت اور کام سے صاف انکار کیا ہے ۔

ایک ضمنی بیان جو مسٹر افضل سعید سے 26 ستمبر 1977 کو لیا گیا میں بتایا گیا کہ افضل سعید نے مندرجہ ذیل بیان دیا ۔

"مسٹر آغا حسن عابدی مسٹر بھٹو کو ادا کرنے کے لئے نقد روپیہ لاتے تھے ۔ اور مجھے یہ کہتے تھے کہ اسے ۔۔۔ ایک غیر ملکی سربراہ حکومت نے وزیراعظم کو انتخابات کے مقاصد کے لئے بھجوایا ہے ۔ اور مجھے کہتے کہ میں اسے وزیراعظم تک پہنچا دوں میں فوراً ہی یہ رقم وزیراعظم تک پہنچا دیتا تھا ۔ یہ سلسلہ دو سال یا اس کے لگ بھگ عرصے تک جاری رہا اور رقم ہر بار چند لاکھ ہوتی تھی یہ رقم جو میرے ہاتھوں سے گزری دو یا تین کروڑ روپے بنتی ہے ۔ مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ یہ انتخابات کے مقاصد کے لئے ہے ۔

مسٹر افضل سعید کے بیان پر بحث کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ اس میں کون سا شخص شامل تھا ۔ آغا حسن عابدی نے اس الزام کی تردید کی ہے ۔ یہ بھی مد نظر رکھنا چاہئے کہ میری حکومت نے پاکستان کے تمام نجی بینکوں کو قومیا لیا تھا ۔ جس میں آغا حسن عابدی کا یونائیٹڈ بینک بھی تھا ۔ جو نجی بینکوں میں ایک انتہائی ممتاز اور خوشحال بینک تھا ۔ ایک ممتاز بینکر کو اس طرح اپنی پیارا اور چہیتا بنانا بہت مشکل ہوتا ہے ۔ میری حکومت نے آغا حسن عابدی کا پاسپورٹ ضبط کر لیا اور انہیں اس وقت تک پاکستان سے جانے کی اجازت نہ دی جب تک ان کے بینک کے معاملات کی تحقیقات مکمل نہ ہو گئیں اور جب تک وہ خود بری الذمہ قرار نہ پائے ملک سے باہر نہ جا سکے ۔

غیر ملکی سربراہ مملکت کا نام نہیں دیا گیا ۔ اگر میں نے ایک غیر ملکی دوست سربراہ مملکت سے پیسے لئے ہوتے اور اگر جو مواد قرطاس ابیض میں فراہم کیا گیا ہے اس سے اس غیر ملکی سربراہ مملکت کی شناخت ہو گئی تو میں اس کا اور اس کے ملک کا نام لینے میں کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتا ، قرطاس ابیض میں جو مواد فراہم کیا گیا ہے اس میں سے کسی شک و شبہ کے بغیر یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ یہ انہی کا حوالہ دیا گیا ہے تو وہ اس غلط بیانی کا اور اگر میں نے ذکر کر دیا تو وہ اس الزام کو شدید کراہت سے رد کر دے گا ۔ ایک غیر ملکی سفارت کار کا ذکر ہو گیا ہے جو چیف الیکشن کمشنر کے ساتھ ٹینس کھیلتا تھا اور جسے اس کا سفارت خانہ بھی پہچانتا تھا اور میں بھی ۔ اس کے برعکس یہ حوالہ اس قسم کا کوئی سراغ اور اشارہ فراہم نہیں کرتا ۔ جب میں نے کسی سربراہ مملکت یا حکومت سے کسی قسم کا کوئی عطیہ لیا ہی نہیں تو میں اندھیرے میں نشانہ نہیں لگا سکتا ۔ مسٹر آغا حسن عابدی ایک درمیانی رابطہ ہو سکتے تھے اگر ان کے تعلقات صرف ایک ملک یا ایک حکومت سے ہوتے ۔ آغا حسن عابدی نے اپنے کاروباری مفادات کو بہت وسیع سطح پر بہت سے ملکوں میں پھیلا رکھا ہے ۔ ان کے کاروباری اور بینکاری کے مفادات ابو ظہبی ، دوبئی

اور متحدہ امارات کے کئی مشمولات میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ ان کا کاروبار کویت ، ایران اور سعودی عرب میں ہے ۔ عابدی ان ملکوں میں سے کسی ایک ملک کا "واسطہ" ہوسکتے تھے ۔ ان تمام ملکوں اور حکومتوں کے سربراہوں کے ساتھ میرے بہت اچھے دوستانہ مراسم تھے ۔ تو پھر وہ کون ہوسکتا ہے ؟ میں حیران ہوں کہ محض میاں طفیل محمد کو ایک سیفٹی والو فراہم کرنے کے لئے فوجی حکومت ، افضل سعید کے بیان کے ذریعے ملوث کرنا چاہتی ہے ۔ یہ اس فوجی حکومت کا خاص طریقہ کار ہے ۔ ان کے ذہن اسی انداز میں کام کرتے ہیں ۔

فوجی حکومت سمجھتی ہے کہ اگر مجھے جھوٹے الزام میں ملوث کر دیا جائے تو اس طرح میاں طفیل محمد کا جرم دھویا یا کم کیا جاسکتا ہے ۔ لیکن وہ ایک مجرم آدمی ہے ۔ اس نے اپنے ملک کے خلاف سازش کی ۔ میں ایک بے گناہ آدمی ہوں ۔ میں نے اپنے ملک کے بلند و برتر مقاصد و مفادات کے لئے کام کرنے کی کوشش کی ۔ تاہم اگر میں نے یہ مبینہ عطیہ کسی غیر ملک سے وصول کیا بھی تھا تو بھی میری غلطی میاں طفیل محمد کی غلطی کے برابر نہیں ہوسکتی ۔ لیکن میں نے جن فنڈز کے لینے کا غلط الزام لگایا گیا ہے ، لئے ہی نہیں تھے ۔ آغا حسن عابدی کا نام لینے سے یہ اسرار کھل نہیں سکا ۔ اور پھر آغا حسن عابدی اس کی تردید کر چکے ہیں ۔ عابدی کے انکار ، ان عطیات کے متعلق میری لاعلمی ، عابدی کا کاروبار جو کسی ایک غیر ملک یا ایک سربراہ مملکت تک محدود نہیں ۔۔۔ ان تمام حقائق کے باوجود یہ فوجی حکومت اپنی ہی وجوہات کی بنا پر ، جنہیں وہ خود ہی جانتی ہے ، کسی سربراہ مملکت کو زبردستی اس میں ملوث کرنا چاہتی ہے ؟ کسے ؟ شہنشاہ ایران ، سعودی عرب کے شاہ خالد لیبیا کے صدر قذافی ، متحدہ عرب امارات کے صدر ، امیر کویت یا دوبئی کے حکمران ۔۔ کس مسلمان حکمران یا صدر کا انتخاب اس واحد اعزاز کے لئے ، ملک کے وقار اور اس کے سابق صدر اور وزیر اعظم کی عزت کی قیمت پر کیا جارہا ہے ۔ جذبۂ اخوت رکھنے والے کسی مسلمان سربراہ مملکت کی عزت کی قربانی صرف میرے خلاف انتقامی کارروائی کرنے کے لئے فوجی حکومت کی قربان گاہ پر دی جارہی ہے ۔ یوں دوست اور برادر مسلم سربراہان مملکت کے ساتھ پاکستان کے خارجہ تعلقات کو بھی ان ٹین کے دیوتاؤں نے نہیں بخشا جنہوں نے پاکستان کے مفادات کو یرغمال بنا رکھا ہے ۔

شائد مقصد یہ ہے کہ کسی یورپی ملک کے سربراہ یا امریکی سربراہ حکومت کو دام میں پھانسا جائے ۔ عابدی کا بینکاری کا کام یورپ اور امریکہ میں بھی موجود ہے ۔ وہ بینک آف کامرس اینڈ کریڈٹ انٹرنیشنل کے چیرمین ہیں ۔ بی سی سی آئی لکسمبرگ میں بھی رجسٹرڈ ہے اس بین الاقوامی بینک کے انتہائی گہرے تعلقات سابق امریکی بجٹ ڈائریکٹر برٹ لانس کے ساتھ ہیں ۔ جو جورجیا سے تعلق رکھنے والے امریکی صدر کارٹر کے گہرے دوست ہیں اس عجیب اور

انوکھی دنیا میں کون کہہ سکتا ہے کہ میں نے اور میاں طفیل محمد نے ایک ہی سربراہ مملکت سے فنڈز آغا حسن عابدی کے توسط سے وصول کئے ہوں آخر کار ، یہ بھی تو دیکھئے کہ میرا سیکرٹری افضل سعید مودودی کا قریبی رشتے دار ہے ایک تیار شدہ حاضر واسطہ ، وزیر اعظم ہاؤس سے اچھرہ تک وجود رکھتا ہے ۔

افضل سعید کو اگست 1977 میں نظربند کیا گیا تھا وہ مارشل لا کے خصوصی شکنجے اور ایف آئی اے کی نگرانی میں رہا ۔ اس کا ضمنی بیان 26 ستمبر 1977 کو قلمبند ہوا جب وہ زیر حراست تھا ۔ میں پہلے ہی اس کا ذکر کر چکا ہوں کہ قرطاس ابیض میں ایک ضمنی بیان کا مطلب یہ ہے کہ یہ سابقہ بیان سے بہتر صورت میں مزید دباؤ اور دھمکیوں کے ساتھ حاصل کیا گیا ہے ۔ مسٹر افضل سعید کو یہ سنسنی خیز انکشاف اپنے پہلے بیان مورخہ 22 ستمبر 1977 میں کرنا چاہیے تھا ۔ جو ان کے لئے پہلا موقع تھا ۔ اس نے یہ انکشاف پہلے موقع پر اس لئے نہیں کیا کہ کیونکہ آغاز میں اس پر تشدد نہیں کیا گیا تھا ۔ اس نے یہ جعلی اور جھوٹا انکشاف اپنے ضمنی بیان میں شدید دباؤ اور تشدد کے تحت کیا ۔

بختیار فارمولا

تو یہ سارا معاملہ کیا ہے محض مسٹر افضل سعید کے الفاظ ۔ اسے کیا کئے کہ خود قرطاس ابیض میں مسٹر افضل سعید کے وقار اور شخصیت کی مذمت کی گئی ہے ۔ یہ قاری کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ ہوشیار رہے ۔ اس کے کردار اور کارکردگی کو اپنی ہی دستاویز میں تباہ کرنے کے بعد فوجی حکومت عوام سے یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ واحد اور ضمنی بیان پر یقین کر لیں جو مسٹر افضل سعید سے نظربندی کے زمانے میں زبردستی حاصل کیا گیا ۔ یہ ستم ظریفی اس حوالے سے کی گئی ہے کہ مسٹر افضل سعید میرے سیکرٹری کی حیثیت سے نااہل تھے ۔ قرطاس ابیض قاری کو متنبہ کرتا ہے کہ اس آدمی سے ہوشیار رہے ۔ اس میں اسے ایک کمزور ، موم کی ناک رکھنے والا افسر بتایا گیا ہے جو اپنے مالک کے موڈ کے مطابق اپنا راستہ بدل لیتا ہے ۔ قرطاس ابیض صفحہ 25 پر بیان کرتا ہے سینئیر اور مستقل سول ملازموں کو سوچے سمجھے انداز میں جس طرح غلاموں کی سطح پر لے آیا جاتا تھا اس کی مثال ان کے سیکرٹری مسٹر افضل سعید خان سے دی جا سکتی ہے ۔ جس نے ایک چارج شیٹ کے جواب میں 22 ستمبر 1977 کو یہ بیان دیا ۔۔۔۔

قرطاس یہ تسلیم کرتا ہے کہ مسٹر افضل سعید کو چارج شیٹ کیا گیا تھا ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ محض زیر حراست ہی نہیں تھا بلکہ چارج شیٹ کے اضافی تباہ کن بوجھ کے نیچے بھی دبا ہوا تھا ۔ قرطاس ابیض میں یہ رائے ہے کہ ایک سینئر مستقل سرکاری افسر جو مسٹر افضل سعید کے

مرتبے کا حامل تھا اس کا وقار افسوناک حد تک گھٹا کر اسے غلاموں کی سطح پر جانے کی اجازت تھی یہی سینئر اور مستقل سرکاری افسر مارشل لا کے تحت بھی تو غلاموں کی سطح تک پہنچایا جاسکتا ہے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ نیچے مسٹر افضل سعید نے اپنے 22 ستمبر 1977 کے بیان میں یوں کہا ہے ۔

وزیر اعظم کسی قسم کی نافرمانی حکم عدولی اور ہدایات سے گریز کو برداشت نہیں کر سکتے تھے ۔ وہ کسی سے "ناں" نہیں سن سکتے تھے ۔

اس اعتراف کا نتیجہ مسٹر افضل سعید کو بہت کم روشنی میں سامنے لاتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بہت ڈھیلا اور شرمیلا شخص تھا ۔ جبکہ قرطاس میں ہی کہیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ میں کس طرح ٹھنڈے دل سے راؤ رشید اور محمد حیات تمن کے نوٹس میں سخت ترین تنقید کو برداشت کرتا تھا ۔ کس طرح میں نے فی الفور رفیع رضا سے ناقابل قبول خفیہ پیغام قبول کر لیا تھا ۔ اگر دوسرے مستقل سرکاری ملازم میرے ساتھ بحث کر سکتے اور دلائل دے سکتے تھے اور مختلف رائے رکھتے ہوئے اپنے نظریات بے خوفی سے بیان کر سکتے تھے تو پھر ایک بہت کمزور اور بزدل سرکاری افسر ہی ایسا مبینہ الزام لگا سکتا ہے جیسا کہ مسٹر افضل سعید نے لگایا ۔ ایک انتہائی نازک لمحے میں مجھ سے مشورہ کئے بغیر ، سابق اٹارنی جنرل نے یحییٰ بختیار فارمولا کے نام سے فارمولا پیش کر دیا اگر میں نے اپنے وزیروں کو اختیارات تفویض نہ کئے ہوتے اگر میں نے انہیں مناسب وسعت اور کارروائی کے لئے آزادی نہ دی ہوتی تو مسٹر یحییٰ بختیار ایسا بے باک قدم نہ اٹھاتے اور میرے اعتماد کو بحال نہ رکھ سکتے ۔ قرطاس ابیض میں پبلسٹی کمیٹی کا ذکر بھی موجود ہے جس نے اپنی ایک میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا کہ مجھے درخواست کی جائے کہ میں حمود الرحمن کمیشن کو شائع کرنے کے لئے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کے لئے پھر غور کروں ۔ اس سے یہ قطعی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ صرف افضل سعید جیسا ایک کمزور اور بزدل افسر ہی اپنی مذمت خود کرا سکتا ہے ۔ ایسے اشخاص اپنی ہی بزدلی کا نشانہ بن جاتے ہیں ۔

جیسا کہ میں پہلے ہی یہ ثابت کر چکا ہوں قرطاس ابیض صفحہ 77 پر بیان کرتا ہے "مسٹر افضل سعید ہمیشہ مسٹر بھٹو کے برتر موڈ کے مطابق چوکس رہتا تھا کیس کو فی الفور تیار کر دیتا تھا ۔ یہاں بھی قرطاس ابیض مسٹر افضل سعید کے کردار کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں دیتا ۔ یہ پہلے ہی ثابت کیا جا چکا ہے کہ وہ ایک کمزور آدمی تھا ۔ اب یہ ثابت ہوا کہ اس میں ذاتی وقار کا بھی فقدان تھا ۔ وہ اپنی رائے کا دیانتداری سے اظہار نہیں کرتا تھا ۔ وہ ہر وقت میرے برتر و بالا موڈ کے مطابق اس لئے چوکس رہتا تھا کیونکہ میں چیف ایگزیکٹو تھا ۔ اور اس وقت وہ موڈ

کے مطابق زیادہ حساس ہو گا چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کے بر تر یا دوسرے قسم کے موڈ جس نے اسے نظربندی میں رکھا اور اسے چارج شیٹ بھی کیا ۔

قرطاس ابیض میں صفحہ 218 پر بتاتا ہے ۔ بہرحال کچھ بھی ہو مسٹر افضل سعید خان نے یہ دیکھنے میں سوجھ بوجھ کا ثبوت دیا کہ تحقیقات نے مسٹر علی حسن منگی کے ساتھ تعلق رکھنے والے نکات کی توثیق کر دی ہے ۔ اس نے مسٹر ممتاز علی بھٹو کا کوئی ذکر نہ کیا" اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرطاس ابیض مسٹر افضل سعید کو ایک چوزے کا دل رکھنے والا جھوٹا سمجھتا ہے ۔ بے چارے آدمی کو قرطاس ابیض نے کلنک کا ٹیکا لگا دیا ہے ۔ اس کا دبو پن ظاہر کر دیا گیا ۔ اسے ایک ایسا آدمی بنا کر پیش کیا گیا جو موقع پرست ، بے وقعت ، ابن الوقت اور بے ایمان افسر ہے اس کے باوجود یہ قرطاس ابیض اس کے وقار اس کی کارکردگی کو تباہ کرنے کے بعد چارج شیٹ کئے گئے افضل سعید کے بارے میں یہ توقع رکھتا ہے کہ اس کی بات کا یقین کیا جائے جو صرف اور صرف اس نے ہی کیا ہے ۔ اور مجھ پر اپنے ضمنی بیان میں الزام لگایا ہے ۔ جبکہ وہ مارشل لا کی حراست میں تھا ۔ یہ تاکید واصرار قطعی طور پر ناقص اور بنیادی طور پر ضعیف اور ناپائیدار ہے ۔

ثانیاً ، اگر یہ رقم مجھے دو سال سے زائد عرصے میں پہنچائی گئی تھی تو تب میرے وہ الزامات کہ انتخابات کے دوران روپے کی قیمت چڑھ گئی تھی ۔ اور بعض بیرونی ملکوں سے روپیہ غائب ہو گیا تھا تو ان کا اطلاق ان 30 کڑور (300 ملین) روپوں پر ہوتا ہے جو پی این اے کو فروری اور مئی 1977 کے اندر دئے گئے تھے ۔ روپے کی قیمت اس صورت میں کس طرح کم نہ ہو سکتی اگر مبینہ الزام کے تحت رقم دو اس سے زائد سالوں میں دی گئی تھی ۔ نہ ہی اس طرح غیر ملکوں سے روپیہ غائب ہو سکتا تھا ۔ کیونکہ زمانہ دو یا اس سے زائد برسوں پر محیط بتایا جاتا ہے ۔ روپے کی قیمت اس طرح بڑھے گی اور وہ بعض بیرونی منڈیوں سے اس صورت میں غائب ہو گا کہ اگر غیر ملکی کرنسی کی بہت بڑی رقمیں اچانک پاکستان میں ایک مختصر عرصے میں بھر دی جائیں

یہ سمجھ کر کہ شکار کر لیا گیا قرطاس ابیض صفحہ 238 پر بڑے فاتحانہ انداز میں بتاتا ہے ۔

"اس کے بعد پی پی پی کے پلیٹ فارم سے ہونے والی یکے بعد دیگرے تقریروں میں یہ الزام دہرایا جاتا کہ پی این اے نے غیر ملکی مدد وصول کی ہے ۔ 25 کروڑ کی رقم کا ہندسہ بتایا جاتا تھا ۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ کلف کی مارکیٹ سے پاکستانی کرنسی غائب ہو گئی ہے ۔ اگر ایسا ہوا تھا تو پھر کچھ نہ کچھ کیا جانا چاہیے تھا ۔ اس سے قطع نظر کہ پی این اے کی کارروائیوں کے آغا حسن عابدی کے سفر بھی تو تھے جو روپوں سے بھرے تھیلے لایا کرتے تھے"

اگر افضل سعید کی اکلوتی اور واحد بات پر یقین کیا جائے کہ 2 یا 3 کروڑ روپے دو یا اس سے زائد برسوں میں پہنچائے گئے اور ہر بار رقم چند لاکھ روپوں پر مشتمل ہوتی تھی ۔ تو پھر ایسی

صورت میں پاکستانی کرنسی دنیا کی کسی بھی مارکیٹ سے غائب نہیں ہو سکتی تھی ۔ نہ ہی آغا حسن عابدی کی ان سیاحتوں سے ہی روپے کی قیمت ہی اضافہ ہو سکتا تھا ۔ افضل سعید کے بیان کا ان دو جڑے ہوئے توام واقعات سے کوئی تعلق بنتا ہی نہیں ہے ۔ ایک عام کاروباری اور تاجر بھی اس امر کی آسانی سے تصدیق کر سکتا ہے کہ صرف ایک بہت بڑی خطیر رقم کے ایک مختصر عرصے میں اندر داخل کئے جانے سے ہی روپیہ اس طرح متاثر ہو سکتا ہے ۔ جس طرح یہ 1977 کے موسم بہار میں متاثر ہوا تھا ۔ اور یہ اس لئے تھا کہ جماعت اسلامی کے میاں طفیل محمد کو تین یا چار مہینے کے عرصے میں 30 کروڑ روپے دئے گئے ۔ مسٹر افضل سعید نے میرے اس بیان کی حمایت کی ہے جو میں نے پوری ذمے داری سے اپنے اعلیٰ انتخابی ادارے پاکستان کی قومی اسمبلی میں 28 اپریل 1977 کی تقریر میں لگایا تھا ۔

وہ رقم جو ہر بار دو لاکھ روپے تھی جو دو سال یا اس سے زیادہ عرصے میں پہنچائی گئی تو پھر مسٹر افضل سعید کو ہر بار جتنی رقم ان کے ہاتھ میں دی گئی اس کی ٹھیک اور صحیح تعداد معلوم ہونی چاہیے ۔ یوں وہ اب لاپرواہانہ انداز میں نہ کہتے کہ وہ دو سے تین کروڑ تک تھی ۔ دو اور تین کروڑ میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے ۔ ایک کروڑ روپے (10 ملین) ردی کاغذ نہیں ہوتے کہ مسٹر افضل سید کو یاد ہی نہ رہیں ۔ یہ نقد روپیہ تھا ۔ جس طرح کی لاپروائی ان کے بیان میں ملتی ہے ایسی لاپروائی کا مظاہرہ صحیح رقم کے بارے میں کوئی نہیں کرتا ۔ ایسی صورت میں یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ اس کا اطلاق بہت جائز اور صحیح طریقے سے ہوتا ہے کہ رقم ہر بار چند لاکھ ہوتی تھی اور دو یا اس سے زائد برسوں میں پہنچائی گئی تھی ۔ جو شخص یہ رقم لے کر آتا تھا اگر وہ اس کی تصدیق تحریری یا خفیہ تحریر میں نہیں تو زبانی طور پر ضرور مانگتا ہو گا ۔ اس کے ساتھ ساتھ مسٹر افضل سعید بھی مجھ سے کہتے کہ میں رقم کی گنتی کروں ۔ تاکہ یقین ہو سکے کہ رقم مناسب طریقے سے پہنچا دی گئی ہے ۔ رقم جو چند لاکھ روپے ہوتی تھی ۔ اس کی گنتی میں افضل سعید یا میرا یا دونوں کا زیادہ وقت نہیں لگ سکتا تھا لیکن یہاں کس لاپروائی اور بے نیازی سے بتایا جا رہا ہے کہ رقم دو یا تین کروڑ روپے تھی مسٹر افضل سعید نے جو جھوٹ بولے ہیں ان کے بارے میں ان کا اپنا رویہ بیہودہ ہے ——— آغا حسن عابدی جیسے پختہ کار بینکار ، جو ایک غیر ملکی سربراہ مملکت کے لئے کام کر رہا ہو ، اس نرم و حساس نوعیت کے کاموں کو ایسی بے ترتیبی سے انجام نہیں دیتے ۔

خود قرطاس ابیض کا رویہ بھی اس رقم کے بارے میں بڑا لاپرواہانہ ہے ۔ صفحہ 236 پر بیان کیا گیا ہے "خلاصہ یہ ہے کہ دو یا تین کروڑ روپے کے لگ بھگ رقم آغا حسن عابدی کے ذریعے بھجوائے گئے" صرف وہی جماعت جس نے تیس کروڑ روپے کی رقم تین ماہ میں وصول کی ہو ،

تین کروڑ میں سے ایک کروڑ روپے کے فرق کے بارے میں ایسا لاپرواہانہ اور غیر محتاط رویہ اپنا سکتی ہے ۔ لیکن ایک پارٹی جسے زیادہ سے زیادہ تین کروڑ روپوں میں سے ایک کروڑ کم مل رہے ہوں وہی اس کمی پر بہت سنجیدہ اور فکرمند ہو سکتی ہے ۔

مسٹر افضل سعید بیان کرتا ہے کہ اسے یہ بتایا گیا کہ یہ رقم انتخابی مقاصد کے لئے ہے ۔ دوسرے الفاظ میں قرطاس ابیض کے مطابق مسٹر افضل سعید کو اس مقصد کا کوئی علم نہ تھا ۔ جس کے تحت یہ رقم اسے دی گئی تھی ۔ بس اسے تو یہی بتایا گیا کہ یہ رقم انتخابات کے لئے ہے لیکن وہ یقینی طور پر نہیں جانتا کہ واقعی یہ رقم اسی مقصد کے لئے تھی ۔ اس بیان کے اس حصے پر کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے جبکہ قرطاس ابیض صفحہ **240** پر بتاتا ہے ''مسٹر دلاور حسن اور مسٹر ایس ایم یونس ، دونوں نے اس امر سے انکار کیا ہے کہ ان کا تعلق پارٹی فنڈز سے تھا ۔ ایسی صورت میں مسٹر افضل سعید خان نے دلاور حسن سے یہ کیوں کہا کہ وہ ایک چیک تیار کریں ۔ اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملتا'' ۔

صفحہ **241** پر قرطاس ابیض پھر بیان کرتا ہے ''یہ اہم نکتہ قابل توجہ ہے کہ یہ تمام لین دین پارٹی فنڈز اور سرکاری فنڈز میں ہو رہا تھا اس طرح ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو چکا تھا کہ ان دونوں کو ممیز کرنے کے لئے کوئی واضح لکیر کھینچی نہیں جا سکتی تھی ۔ مسٹر افضل سعید پارٹی کے امور اور پارٹی فنڈز میں مکمل طور پر شریک و ملوث تھے ۔ ان کے ماتحت ، جو اگرچہ کسی شمولیت اور شرکت سے انکار کرتے ہیں وہ بھی پارٹی کی ادائیگیوں کے کھلے کھاتوں کا حساب رکھتے تھے ۔

''ان کے اپنے بیانات کے مطابق مسٹر دلاور حسن اور مسٹر ایس ایم یونس ، سیکرٹ سروس فنڈز ، ویلفیر فنڈ ، ریلیف فنڈ ، زیڈ اے بھٹو ٹرسٹ فنڈ ، پیپلز فاؤنڈیشن ٹرسٹ فنڈ اور پاکستان ریلیف فنڈ کا حساب کتاب رکھتے تھے'' ۔

اگر جوائنٹ سیکرٹری اور سیکشن افسر جو سیکرٹری مسٹر افضل سعید کے ماتحت تھے پارٹی فنڈز کا لین دین کرتے تھے اور قرطاس ابیض کے مطابق مسٹر افضل سعید مکمل طور پر پارٹی کے امور اور پارٹی کے فنڈز میں شامل تھے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ یہ بھی نہ جانتا ہو کہ دو یا تین کروڑ روپے جو الیکشن کے لئے دئے گئے واقعی انتخابات کے لئے تھے بھی یا نہیں ؟ صاف نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے ۔ اگر قرطاس ابیض میں یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ پارٹی کے امور اور فنڈز میں پوری طرح شامل تھا اس پر یقین نہیں رکھتا تو پھر وہ یہ کیوں نہیں جانتا کہ دو یا تین کروڑ روپے جو انتخابات کے نام پر دئے گئے کیا واقعی انتخابات کے لئے تھے یا نہیں ؟ تو پھر کوئی دوسرا کس طرح اس کی بات پر یقین کر سکتا ہے ۔ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے اس کا پورا بیان جھوٹا ہے ۔ یہ بیان اس سے زبردستی تشدد کے تحت حاصل کیا گیا 26 ستمبر 1977 کو جب اس نے

یہ ضمنی بیان دیا تو وہ حراست میں تھا اور اسے چارج شیٹ کیا جا چکا تھا ۔ اس کے اصلی بیان میں جو اس نے 22 ستمبر 1977 کو ضمنی بیان سے چار دن پہلے دیا تھا ۔ ایسے تانے بانے نہیں بنے تھے ۔ اس پر مودودی اور میاں طفیل محمد کے ذریعے مزید اور اضافی دباؤ نہ ڈالا گیا تھا جن کی اپنی ذات داؤں پر لگی تھی اور وہ اس لئے میری تباہی کے درپے تھے ۔

قرطاس ابیض میں مسٹر افضل سعید کے تین بڑے بیانات شامل ہیں ۔

(الف) چارج شیٹ کے جواب میں 22 ستمبر 1977 کا بیان ۔ اور اس جواب میں پارٹی فنڈز کا کوئی ذکر نہیں ہے ۔ میرے بہترین علم کے مطابق قرطاس ابیض میں اس کا پورا بیان شامل نہیں کیا گیا ۔ مسٹر افضل سعید کو جو چارج شیٹ دی گئی نہ تو اس کا خلاصہ اس میں موجود ہے نہ ہی بطور ضمیمہ تاہم 22 ستمبر کو افضل سعید کے جواب کا ایک خلاصہ صفحہ 25 پر دیا گیا ہے ۔ قرطاس ابیض میں یہ چارج شیٹ ہیں دکھائی نہیں دیتی ۔

(ب) 26 ستمبر 1977 کا ضمنی بیان جو بطور ضمیمہ 225—A دیا گیا اور صفحہ 225 پر درج ہے ۔ ضمیمے یا قرطاس ابیض میں ایسا کوئی اندراج موجود نہیں جس سے یہ نشاندہی ہوتی ہو کہ یہ ضمنی بیان کس کے سامنے ، کس کے لئے دیا گیا تھا ۔ جبکہ یہ ضمنی بیان اصلی بیان کے محض چار دن کے بعد دیا گیا ۔ 22 ستمبر 1977 کا اصلی بیان اس ضمن میں خاموش ہے کہ چارج شیٹ کس نے کیا تھا ؟ یقیناً یہ تصور صحیح ہوگا کہ مارشل لاء اتھارٹی نے ہی چارج شیٹ کیا ہوگا ۔ دوسری ایجنسیاں جیسے ایف آئی اے کو آزادانہ انداز میں بطور تحقیقاتی ایجنسیاں کہا گیا ہے ۔ لیکن مارشل لاء اتھارٹیز نے چارج شیٹ کے جواب سے مطمئن نہ ہونے کے بعد مارشل لاء حکام نے افضل سعید کو مزید تنگ کیا اور توڑا مروڑا کہ وہ ایک ضمنی بیان بھی دے ۔

(ج) ہاتھ سے لکھا ہوا ایک بیان جو انکوائری کمیٹی کو 10 اپریل 1978 کو دیا گیا بطور ضمیمہ 152—A شامل ہے ۔ جس کے متعلق قرطاس ابیض میں صفحہ 160 پر بیان کیا گیا ہے کہ یہ بیان انتخابات کی مجموعی منصوبہ بندی روپے امور مالیات پر کچھ روشنی ڈالتا ہے ۔

اس نے یہ تمام بیانات اس وقت دیئے جب وہ مارشل لا کی تحویل میں نظر بند تھا ۔ ان بیانات کی بنیاد پر اور خود مسٹر افضل سعید کے اپنے یقین کے تحت کہ افضل سعید مکمل طور پر پارٹی کے امور اور فنڈز میں شامل تھا ۔ قرطاس ابیض صفحہ 225 پر ایک نتیجے پر پہنچتا ہے ۔

"مسٹر افضل سعید جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے نے فنڈز کے تین ذرائع کی نشاندہی کی (ا) پارٹی کے قانونی اور جائز فنڈز جو رکنیت فیس اور واجبات اور انتخابی نشستوں کی زرضمانت کے طور پر وصول کئے گئے (ب) ایک غیر ملکی سربراہ حکومت سے ملنے والے فنڈز جن کا

تخمینہ اس نے دو یا تین کروڑ روپے لگایا ہے (ج) ریاست کے سیکرٹ سروسز فنڈز کا پارٹی کے مقاصد کے لئے غیر قانونی استعمال ۔

صیغہ ب میں جو الزام لگایا گیا ہے میں اس کی واضح تردید کر چکا ہوں کہ الزام لگانے والوں کے چہرے پر سب پتے پھینک سکتا ہوں ۔ جو انہوں نے جعل سازی سے کھیلنے کی کوشش کی لیکن اس موضوع کی نزاکت کے پیش نظر میں اس سے اجتناب کرتا ہوں ۔ فوجی حکومت انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ تعلقات کو بگاڑنے کی کوشش کر سکتی ہے لیکن میں ان کی اس منفی اور تباہ کن مثال کی پیروی نہیں کر سکتا ۔ جس حد تک مناسب حدود میں ممکن ہو سکتا تھا میں اس کا انکشاف کر چکا ہوں ۔ جہاں تک میرے ذاتی وقار کا تعلق ہے اس کے لئے میں نے اب تک جو کچھ بیان کیا ہے اس سے بھی آگے جا سکتا ہوں لیکن قوم کا مفاد مجھے اس سے روکتا ہے ۔ (الف) جہاں تک اس شق کا تعلق ہے اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ پارٹی کے جائز فنڈز تھے ۔ (ج) کا تعلق ریاست کے خفیہ فنڈز سے ہے ۔

یہ موضوع بھی انتہائی حساس اور نرم و نازک ہے ۔ جتنا کہ شق ب میں اٹھایا گیا ہے ۔ اس میں ان متعلقہ اخراجات کا ذکر ہوا ہے جو 1971 سے 1977 کے برسوں تک کئے گئے اور قرطاس ابیض کے مطابق چکرا دینے والی کل رقم 1.92 کروڑ روپے ہے "اگر مجھے سرکاری کاغذات اور دوسری دستاویزات اور ڈائریوں تک رسائی حاصل ہو سکے تو میں یہ ثابت کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہ کروں گا کہ یہ رقم جو 1.92 کروڑ سے کم یا زیادہ جتنی بھی رقم ہے میں نے بطور صدر اور وزیر اعظم ساڑھے پانچ برسوں میں صحیح جگہ اور کاموں کے لئے استعمال کی تھی ۔ یہاں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ گورنر وفاقی وزراء اور صوبوں کے وزرائے اعلیٰ نہ صرف پی پی پی کے رہنما تھے

رئیسانی کی مثال دینے کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ فوجی تنظیم جانتی ہے کہ بلوچستان میں گڑبڑ اور بغاوت کے دنوں میں رئیسانی کو ایک خصوصی کام سونپا گیا تھا خضر خاں زرکزئی — نامور گوریلا کے ساتھ اس کے بہت اچھے تعلقات تھے ۔ حکومت کی یہ خاص دلچسپی تھی کہ خضر خان باوقار تصفیے کے ساتھ پہاڑوں سے نیچے اتر آئے ۔ اگر یہ کامیابی حاصل ہو جاتی تو سروان میں امن کی بحالی ہو جاتی ۔ اس حوالے سے رئیسانی کو یہ ہدایت دی گئی کہ وہ اپنے دوست خضر خان کے ساتھ رابطہ قائم کرے اور اسے راغب کرے کہ وہ باوقار تصفیے پر راضی ہو جائے ۔ فوجی حکام کو یہ اچھی طرح علم ہے کہ رئیسانی نے خضر خاں سے کئی بار ملاقاتیں کیں ۔ اس کوشش کے لئے رئیسانی کو حکومت کی پوری حمایت اور پشت پناہی حاصل تھی ۔ مکمل فیاضی اور تعاون کے باوجود رئیسانی خضر خان کو تصفیے پر رضامند نہ کر سکا ۔ مارشل لا سے چند ماہ پہلے خضر خاں ایک مقابلے میں مارا گیا ۔ چیف آف آرمی سٹاف خوشی سے اچھل رہا تھا ۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ خضر خان کی ہلاکت اس کے اپنے زرکزئی قبیلے کے افراد کی ایک سازش اور باہمی جھڑپ کا نتیجہ تھی ۔ اس طرح سے رئیسانی سیکرٹ سروس فنڈز کے اعداد و شمار میں ظہور کرتا ہے ۔

اگر اس موضوع کو چھیڑا گیا اور میں اپنے وقار اور شہرت کے تحفظ کے لئے ان اخراجات کی تفصیلات بتانے پر مجبور کیا گیا تو پاکستان کے قومی اور بین الاقوامی مفادات ...... میں پھر دہراتا ہوں کہ ان مفادات کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا قدیم زمانے اور مشرق وسطی اور جدید ریاستوں کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہو رہا ہے کہ سرکاری سیکرٹ سروسز فنڈز کے موضوع اور مسئلے کو اعلیٰ ترین سطح پر تحقیقات اور مقدمے کی صورت میں چھیڑا جا رہا ہے ۔ اس کی مثال کسی قسم کی حکومت میں بھی نہیں ملتی ۔ اپنی اعلیٰ اور مناسب وجوہات کی بنیاد پر خفیہ فنڈز چیف ایگزیکٹیو کی صوابدید پر ہوتے ہیں ۔ وہ اس ضمن میں ایک عمومی سرٹیفکیٹ دیتا ہے ۔ اور اس میں کسی قسم کی معلومات اور تفصیلات کو بیان نہیں کرتا ۔ سیکرٹ سروسز کے فنڈز کے استعمال کے لئے اگر راز داری ختم کر دی جائے تو پھر سیکرٹ سروس فنڈز کے وجود کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔

اگر ہر آنے والی فوجی حکومت یا حکومت یہ فیصلہ کرنے بیٹھ جائے کہ اس کی پیشرو حکومت نے سیکرٹ فنڈز کا صحیح یا غلط استعمال کیا تھا تو پنڈورا کا باکس کھلنے سے کم واقعہ نہیں ہو گا ۔ ہمارے صوبائی وزرائے اعلیٰ ہوتے تھے ۔ فوجی حکومت کے مارشل لا ایڈمنسٹریٹرز ہیں ۔ سیکرٹ سروسز کی ضرورت ختم نہیں ہوئی یقیناً چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سیکرٹ سروس کی ضرورتوں کے لئے اپنی ذاتی دولت خرچ نہیں کر رہا ۔ وہ یہ دعوی نہیں کر سکتا نہ ہی ایسی حیثیت برقرار رکھ سکتا ہے کہ حکومت پر غاصبانہ قبضے کے ایک برس بعد بھی اس نے سیکرٹ

سروسز فنڈز کو ہاتھ تک نہیں لگایا ۔ ایسی مثال قائم کرتے ہوئے اس فوجی حکومت کے بعد آنے والی حکومت کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ چھان پھٹک کر سکے کہ اس نے اپنی انتظامی صوابدید خفیہ فنڈز سے استفادہ کرتے ہوئے جائز طور پر استعمال کی تھی یا نہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ آدمی اور اس کی حکومت ایک ملیامیٹ کر دینے والی تباہی کے بیج بو رہے ہیں ۔

مثال اور موازنے کے لئے دیکھیں تو رواں سال کے اعدادوشمار خود بولتے ہیں مجھ پر سرکاری خزانے کو ضایع کرنے کا الزام لگایا گیا آئے دیکھیے کہ کس طرح دیندار بچت کرنے والی مارشل لاء حکومت نے کسی بھی نمائندہ ذمے داریوں کے بغیر چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کے سیکرٹریٹ کا پہلے ' بے چیک ' سال میں بجٹ بنایا تھا ۔

(i) 6,32,500 روپے کی رقم ان ملازموں کی تنخواہ کے لئے رکھی گئی ہے جنہیں چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کے سیکرٹریٹ میں ملازمتیں دی گئی ہیں ۔ میرے زمانے میں یہ رقم 5,67,500 روپے تھی ۔

(ii) کنٹریکٹ الاونس کے تحت 8,90,000 روپے کی رقم کا مطالبہ کیا گیا ہے ۔ ایک سال پہلے اس مد کے تحت 8,25,000 روپے کی رقم لی جاتی تھی ۔

(iii) میرے زمانے میں چار لاکھ روپوں کی رقم دوروں اور سفر کے لئے مختص کی گئی تھی ۔ رواں سال میں اتنی ہی رقم اس کام کے لئے مختص کی گئی ہے جبکہ یہ ایک غیر نمائندہ ڈھانچہ ہے جس کا عوام کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ۔

(iv) سٹاف کی تنخواہوں کے لئے 6,13,300 روپے اس سال لئے گئے ۔ جبکہ میرے عہد حکومت کی فضول خرچی میں یہ رقم 3,65,000 روپے تھی اور یہ ایک جمہوری دور حکومت تھا ۔ اس غیر نمائندہ دور حکومت میں اس کے تحت اخراجات 5,96,500 کو چھو چکے ہیں

۔

(v) سٹاف الاؤنسز کے لئے میرے سیکرٹریٹ کی طرف سے 3,90,000 روپے طلب کئے جاتے تھے ۔ اس سال سٹاف الاونس کی ڈیمانڈ 6,98,300 روپے کی گئی ہے ۔

(vi) اس سال سیکورٹی کی جو کہکشاں مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کے ساتھ چمکے گی 83,000 روپے کی رقم کھا جائے گی ۔

(vii) سیکرٹ سروس کا بجٹ ، سیکورٹی سیل کے علاوہ 10,00,000 روپے کا بنایا گیا ہے ۔

(viii) میں جسے پرنس آف پکاڈلی کہا گیا ہے ۔ اس نے اپنے دور حکومت کے آخری برس 89,16,000 روپے "ضائع" کئے ۔ اس سال چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کے سیکرٹریٹ پر 1,06,48,000 روپے خرچ کئے جائیں گے ۔ اور ان کے بہت سے

ساتھی مسلح افواج کی رقم سے اپنی تنخواہیں اور الاؤنس بھی وصول کریں گے ۔

(ix) میرے بڑے دنوں میں انٹیلی جنس بیورو 3,56,78,000 روپے نگل جاتا تھا ۔ اور موجودہ بزرگی اور نیکی کے دنوں میں 3,85,64,000 روپے انٹیلیجنس پر خرچ کئے جائیں گے یہ رقوم اور اعداد شمار اپنی کہانی خود سناتے ہیں ۔

قرطاس ابیض میں مذکور پارٹی فنڈز کی تین مدات پر بات کرتے ہوئے ، جوکہ قرطاس ابیض میں شامل ایک ضمنی بیان کی نقل کے برعکس ہے ، میں ایک رضاکارانہ ضمنی بیان دینا چاہوں گا ۔ میرا بیان یہ ہے کہ میری بیوی ، بیگم نصرت بھٹو کا قطعی طور پر پارٹی فنڈز کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے ۔ قرطاس ابیض میں مسٹر افضل سعید کا بیان صفحہ 160 پر نقل کرتے ہوئے حسد اور کینے سے بیگم نصرت بھٹو کو اس میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو اس وقت پاکستان پیپلز پارٹی کی قائمقام چیرمین ہیں ۔ یہ جو مسٹر افضل سعید نے کہنے کے لئے بات بنائی ہے "جہاں تک میں جانتا ہوں انتخابات کے لئے فنانس کو سابق وزیر اعظم یا بیگم نصرت بھٹو سنبھالتی تھیں ۔" وہ جہاں تک میں جانتا ہوں یقیناً زیادہ نہیں ہے ۔ اسے خود یقین نہیں ہے ۔ لیکن قرطاس ابیض کے صفحہ 163 پر اسٹیبلشمنٹ اور کیبنٹ سیکرٹری مسٹر وقار احمد کو میری حکومت کا ایک اور ستون قرار دیا گیا ہے ۔ جو اس معاملے میں پورا یقین رکھتا ہے ۔ وہ کہتا ہے بیگم بھٹو خواتین کے شعبے کی انچارج تھیں مسٹر افضل سعید حسابات کے انچارج تھے جب سابق وزیر اعظم خود یہ کہتا ہے کہ بیگم نصرت بھٹو کا انتخابات کے روپے پیسے سے کوئی تعلق نہیں تھا تو افضل سعید کا بیان اگر اسے جوں کا توں قبول کر لیا جاتا ہے تو پھر یہ بھی یقین کر لینا چاہیئے کہ سابق وزیر اعظم ہی انتخابات کے فنانس کو سنبھالتا تھا ۔

اپنے غلط اور نقصان پہنچانے والے مقاصد کے تحت کتوں کی طرح سونگھتے ہوئے قرطاس ابیض کے صفحہ 161 پر مسٹر رفیع رضا کے ایک نوٹ مورخہ 9 اکتوبر 1976 کا حوالہ دیا گیا ہے ۔ یہ ایک طویل نوٹ ہے ، لگ بھگ آٹھ صفحات پر مشتمل جس میں الیکشن کمیٹی کی دو میٹنگوں کی ابتدائی سفارشات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے ۔ اس ابتدائی نوٹ میں وہ سفارشات جن کا تعلق بجٹ اور فنانس سے ہے کو صفحہ 161 پر یوں نقل کیا گیا ہے ۔

"الیکشن فنڈز بیگم نصرت بھٹو کنٹرول کریں گی ۔ تاہم یہ مناسب نہ ہوگا کہ بیگم صاحبہ کو ہر روز حساب کتاب کے لئے زحمت دی جائے بجٹ اور اخراجات پر مجموعی بنیادوں پر باقاعدگی سے ان کے ساتھ بات چیت ہوگی اور وہی انہیں طے کریں گی ۔ اس کے بعد یہ سفارش کرنے کا فیصلہ ہوا کہ الیکشن آفس کا انصرام بیگم صاحبہ مسٹر افضل سعید کی وساطت سے کریں گی جو حساب کتاب رکھیں گے ۔ فنانس کا ایک شعبہ الیکشن آفس میں کھولا

جائے جو تفصیلی حسابات رکھے گا"

ایک گدھ کی طرح قرطاس ابیض اس تجویز کو اپنی گرفت میں لے کر صفحہ 236 پر بیان کرتا ہے ۔

"فنڈز کا دوسرا بڑا ذریعہ وہ رقم تھی جو آغا حسن عابدی کے ذریعے آتی تھی ۔ جیسے کہ مسٹر افضل سعید نے انکشاف کیا ہے ۔ اس رقم کو بیگم بھٹو خرچ کرتی تھیں اور بلواسطہ اس کی تصدیق مسٹر رفیع رضا کے اس نوٹ (ضمیمہ 17) سے بھی ہوتی ہے جو 9 اکتوبر 1976 کو لکھا تھا ۔ اس رقم کا حصہ صوبائی پارٹی فنڈز میں منتقل کر دیا جاتا تھا ۔ صنعت کاروں اور کاروباری افراد سے بھی عطیات جمع کئے گئے ۔"

قرطاس ابیض کے مصنف نے مسٹر وقار احمد کے بیان کو یکسر توڑ مروڑ دیا ہے ۔ جو حکومت کے ایک ستون تھے ۔ اور اس کے برعکس مسٹر افضل سعید کے بیان کو معتبر ٹھہرایا ہے اور مسٹر رفیع رضا کے سفارشاتی نوٹ سے چھلانگ لگا کر یہ نتیجہ نکال دیا کہ بیگم بھٹو "فنڈز کے بڑے حصے کو خرچ کرتی تھیں" ۔

قرطاس ابیض کا مصنف شدید ہیجان اور جوش میں مبتلا ہے ۔ وہ ہر طرح کے حقیر اور معمولی حیلے بہانے کی تلاش میں ہے ۔ ہوا میں تنکے کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے جس سے نہ صرف مجھے بلکہ میری بیوی اور میرے بچوں کو بھی پھانسی پر لٹکایا جاسکے ۔ یہ میں چاہتا ہوں کہ میرے یہ الفاظ جنہیں میں نے بڑی سنجیدگی اور پختہ توقع کے ساتھ کہا ہے ، میرے آٹھ کروڑ عوام یاد رکھیں کہ وہ "غیرت" کے بغیر نہیں ہیں ۔ میں نے پوری شدت سے اور بالکل درست طور پر آغا حسن عابدی کی شرکت کا انکار کیا ہے اور اسی طرح آغا حسن عابدی بھی اس کی تردید کر چکا ہے ۔ میں یہ بھی ثابت کر چکا ہوں کہ مسٹر افضل سعید کے کسی بھی بیان پر یقین نہیں کیا جاسکتا ۔ خاص طور پر ایک ایسا بیان جو گھڑا گیا اور مبہم ہے اور اگر قرطاس ابیض خود اپنے اس حتمی نتیجے تک پہنچا ہے کہ افضل سعید پارٹی فنڈز کا انچارج تھا تو پھر اس نتیجے کو مسٹر وقار احمد میری حکومت کے ایک ستون سے ملا کر دیکھنا ضروری ہے ۔ کہ خود اس کے اپنے نتیجے میں کتنا تضاد ہے کہ افضل سعید فنڈز کا انچارج تھا ۔ قرطاس ابیض جھوٹ بولتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے ۔

قرطاس ابیض کے مصنفین کو جب تک یہ مشکوک تسکین اور مسرت ملتی رہے گی کہ وہ مجھے میری بیوی اور میرے بچوں کو نقصان اور تکلیف پہنچا رہے ہیں ، انہیں کھلے جھوٹ اور اپنے ہی شدید تضادات کا پول کھلنے پر شرم نہیں آئے گی ۔ وہ تمام لوگ جو سیاسی اور ذاتی طور پر میرے ساتھ عقیدت رکھتے ہیں ۔ انہیں میرے یہ الفاظ اپنے دلوں پر نقش کر لینے چاہئیں رفیع رضا کا

نوٹ سفارشاتی تھا ۔ اور اس کے حاشیے میں میرا لکھا ہوا ''ہاں''ایک تجرباتی اور عمومی منظوری تھی ۔ اگر میں اس پر زیادہ غور کرتا تو میں اس میں ترمیم کر دیتا یا مسترد کر سکتا تھا اور خود بیگم نصرت بھٹو بھی اس ذمے داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیتیں ۔ بیگم نصرت بھٹو اس میں شامل نہیں تھیں اور اس فریب قرطاس ابیض اور اس کے 342 ضمیموں میں منصف مزاج اور معقول انسانوں کے لئے کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ انہیں انتقام کے رسے کے اس سرے سے پھندے میں لایا جاسکے ۔

اگر میری پارٹی کے پاس یہ تمام فنڈز تھے تو میں نے وہ آخری خط 4 جولائی 1977 کو نہ لکھا ہوتا جو پارٹی فنڈز کے متعلق تھا" قرطاس ابیض اپنے صفحہ 242 پر یہ کہتے ہوئے ملتا ہے ۔ ''پارٹی کے فنڈز کے بارے میں مسٹر بھٹو کے آخری خط پر 4 جولائی 1977 کی تاریخ ہے ۔ اسے ضمیمہ نمبر 272 میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے ۔ یہ پنجاب پی پی پی کے صدر شیخ رفیق احمد کے نام ہے ۔ یہ ایک سخت یاد دہانی ہے ۔ جس میں کہا گیا ہے کہ اندراجاتی فیس کی بڑی رقمیں ابھی تک واجب الادا ہیں ۔ جنہیں چیئرمین کے حبیب بینک اکاؤنٹ میں فوراً جمع کرا دیا جائے ۔ چونکہ انتخابات دوبارہ ہونے کے اندازے محسوس کئے جا رہے ہیں اس سے ان فنڈز کی ضرورت ہے ۔ راؤ رشید نے نشاندہی کی ہے کہ ناپختہ ریفرنڈم کے لئے ایک کروڑ روپے کی ضروت ہوگی ۔ دوبارہ انتخابات کے سے پیسوں کی کتنی ضرورت ہوگی اس کا ابھی اندازہ لگانا ممکن نہیں ۔ تاہم یہ اندازہ لگانا غلط نہ ہوگا کہ اندراجاتی رقوم اس کے لئے کافی نہیں ہوں گی ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پارٹی کے پاس فنڈز کی کمی تھی ۔ اس معاملے کے ساتھ میری پریشانی بھی ثابت ہوتی ہے ۔ اگر ایک فیاض غیر ملکی سربراہ حکومت ہمارے انتخابات کے اخراجات برداشت کر رہا تھا تو پھر میں 4 جولائی 1977 جیسے خط پارٹی لیڈروں کے نام نہ لکھتا کہ وہ پارٹی فنڈز جمع کریں ۔ میں اس وقت مشرق وسطی کے ملکوں کے دورے سے واپس آیا تھا ۔ پی این اے نے مذاکرات کی تجدید نو کر دی تھی ۔ میں تب بھی پارٹی فنڈز کے بارے میں فکر مند تھا ۔ یہ کسی خوشحال یا ایسی پارٹی کا ردعمل نہیں ہوسکتا جو خوشحال ہو اور جسے ایک فیاض غیر ملکی سربراہ حکومت سرمایہ دے رہا ہو ۔ قرطاس ابیض میں متعدد مقامات پر راؤ رشید اور حفیظ پیرزادہ کا ذکر ہوا ہے کہ ریفرنڈم کے لئے ایک بہت بڑی رقم کی ضرورت ہوگی ۔ ریفرنڈم کا انعقاد حکومت کرتی ہے ۔ اس کے لئے فنڈز حکومت برداشت کرتی ہے ۔ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر اگر اسی مضحکہ خیز ڈرامائی سوال لوکل باڈیز کے انتخابات پر ریفرنڈم کراتا ہے تو وہ سرکاری فنڈز کا غلط استعمال کرے گا ۔ کسی ریفرنڈم کے لئے پارٹی فنڈز جمع کرنے کا سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا خواہ یہ سوال کوئی شخص بھی اٹھائے ۔ ریفرنڈم الیکشن نہیں ہوتا ۔ جیسے کہ پاکستان بھارت کو یہ بتاتا رہتا ہے کہ اسنے جموں اور کشمیر کے عوام کی امنگوں اور آرزوؤں کو جاننے کے لئے کہ وہ اپنی قسمت کا کیا فیصلہ کرتے ہیں ۔ ایک ریفرنڈم کرایا ، الیکشن نہیں ۔

اگر ایک چانڈیو سردار اور اس کے مقام و رتبے کو گھٹایا جاسکتا ہے تو بھی میں یہ کہنے کی کوشش نہیں کروں گا کہ جب میں 1958 میں وفاقی وزیر بنا تو کوئی فقیر یا گدا گر نہیں تھا ۔ پاکستان کی ادائیگیوں میں کہنہ خسارے کی وجہ سے وزارت تجارت ہمیشہ سے سونے کی کان رہی تھی ۔ میں صدر ایوب خان کے "سنہری دَور" میں وفاقی وزیر تجارت بنا ۔ وزارت تجارت سونے کی چند بڑی کانوں میں سے ایک تھی ۔ صدر ایوب کے بیٹے راتوں رات لکھ پتی بن گئے تھے ۔ میرا دوسرا بیٹا بھی مارشل لا کے ایک ماہ بعد پیدا ہوا تھا یہ لٹیرے نوابوں کا دور تھا ۔ جب وزرا دو عہدے رکھتے تھے ۔ ایک اسلام آباد میں بطور وزیر مالیات اور دوسرا عالمی بینک واشنگٹن میں بطور ایگزیکٹو ڈائریکٹر ۔ وسیع پیمانے پر منظم کرپشن کا ظہور پاکستان میں پہلے مارشل لا کے دوران ہوا ۔ یہ سنہری دور ۔ سرکاری سالوں کا دور تھا ۔ میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میرا کردار ہر داغ دھبے سے بالاتر تھا ۔ میں اس حکومت کے ان چند رہنماؤں میں سے ایک تھا ۔ جن کے ہاتھ صاف تھے ۔

مارشل لا کے نفاذ کے چند ماہ بعد ، کراچی کے ایک استقبالیے میں میرے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے ایک صنعت کار نے نیم مزاحیہ انداز میں کہا کیا مارشل لا بلیک مارکیٹنگ نہیں روک سکتا ۔ میں نے اس سے پوچھا کیا وہ بلیک مارکیٹنگ کرتا ہے اس کا جواب تھا جناب سچی بات یہ ہے کہ میں بھی ایسا کرتا ہوں ورنہ میرا کاروبار چوپٹ ہوجائے ۔ یہ سنتے ہی میں نے وہیں اس وقت جیسا کہ وہ کہتے ہیں عین موقع پر اس کی گرفتاری کا حکم دیدیا ۔ یہ خبر نیویارک ٹائمز میں شائع ہوئی ، لیکن پاکستان میں اسے دبادیا گیا ۔ اس صنعت کار کو ایک گھنٹے کے اندر اس بنا پر رہا کر دیا گیا کہ جوشیلے اور نوجوان وزیر تجارت کے اس اقدام سے ملک کا کاروباری طبقہ خوفزدہ ہوجائے گا اور ملک میں نجی سرمایہ کاری کی فضا خراب ہوجائے گی ۔

اس کے بعد مجھے تیل ، توانائی اور قدرتی ذرائع کا وزیر بنایا گیا جو ایک اور سونے کی کان تھی ۔ میں نے اپنے اس دور وزارت کے زمانے میں پاکستان میں مغربی تیل کمپنیوں کی دم گھونٹنے والی اجارہ داری کو ختم کیا ۔ میں نے تیل کی صنعتوں کے دو بہت طاقتور غیر ملکی نمائندوں کو اس لئے پاکستان سے نکل جانے کا حکم دیا کہ وہ دونوں مالیاتی وزارتوں میں اعلیٰ افسروں کو بدعنوان اور رشوت خور بنا رہے تھے ۔ اور خود انتہائی بدعنوانیوں کا ارتکاب کر رہے تھے ۔ دسمبر 1960 اور مارچ 1961 میں میں نے سوویت یونین کے ساتھ تیل کے سمجھوتے

گئے ۔ اس کے بعد مجھے وزیر صنعت بنادیا گیا جو سنہری دروازے کی سب سے بڑی سونے کی کان تھی میں نے سرکاری سیکٹر کا رخ کیا اور پی آئی ڈی سی پر توجہ دی ۔ لیکن پاکستان کے بائیس دولت مند گھرانوں اور ان کے سرپرست وزیر خزانہ نہ مجھے اس وزارت سے چلتا کر دیا کیونکہ میں نے ان کی بد عنوانیوں کے بارے میں جو انکوائری شروع کرائی تھی ۔ اس سے انہیں تکلیف پہنچ رہی تھی ۔

پچیس تیس ملین روپے ایک پُراسرار غیر ملکی سربراہ حکومت سے لینے کا فرضی الزام ان پیشکشوں کے مقابلے میں بہت معمولی حیثیت رکھتا ہے اگر اس کا موازنہ ان پیشکشوں سے کیا جائے جو میں نے پاکستان کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے اکتوبر 1963 اور دسمبر 1965 میں حقارت سے ٹھکرا دی تھیں ۔ میں پی این اے کا کوئی سیاست دان نہ تھا کہ اپنے ملک کی خارجہ پالیسی پر سودا کر لیتا 1968 کے موسم گرما میں میں اور میری بیوی پیرس میں تھے ۔ ہمیں ایک ضیافت میں مدعو کیا گیا ۔ اس ضیافت میں ایک بے انتہا دولت مند پڑوسی ملک کی شہزادی بھی مدعو تھی ۔ ضیافت شروع ہونے سے پہلے اس نے مجھے اپنی رہائش گاہ میں ملنے کے لئے کہا ۔ ہم اس کی شاندار رہائش گاہ میں گئے اور پاکستان اور اپنے علاقے کی سیاست پر بے تکلفانہ گفتگو کرنے لگے ۔ اس کے بعد ہم ضیافت میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے لیکن یہ موضوع کار میں بھی چلتا رہا ۔

شہزادی نے ایک ہیرے والا پینڈنٹ پہن رکھا تھا ۔ یہ ہیرا چٹان کی طرح تھا جب کھانا ختم ہوگیا تو ہم کافی پینے کے لئے دوسرے کمرے میں گئے ۔ میری بیوی اور میں ایک کونے میں شہزادی کے ساتھ بیٹھے تھے ۔ اس کے ساتھ اس کی دو مصاحب خواتین تھین ۔ شہزادی نے اس موضوع پر بات جاری رکھی یہ بہت زندہ اور دلچسپ گفتگو بن گئی ۔ اس کے خاتمے پر شہزادی کچھ سوچ بچار کرنے لگی ۔ وہ اپنے پینڈنٹ کے ساتھ کھیلتی ہوئی گہری سوچوں میں گم تھی ۔ اچانک اس نے کہا "ذوالفقار" "اگر تم پاکستان کے صدر بن گئے تو یہ میں تمہیں دیدوں گی ۔ اس نے اپنی انگلیاں ہار پر رکھد یں ہم خوشدلی سے ہنسنے لگے اور بات ختم ہوگی ۔

کئی سال بعد جب میں پاکستان کے صدر کی حیثیت سے ان کے عظیم ملک گیا تو شہزادی نے مجھے اور میری بیوی کو اپنے محل میں مدعو کیا ۔ جب ہم تمہیدی رسوم کے بعد ٹھیک سے بیٹھ گئے تو شہزادی نے ایک ملفوف پیکٹ پیش کیا اور کہا کہ میں اسے کھولوں ۔ ایسا کرتے ہوئے میں نے وہی ہیرے کا پینڈنٹ دیکھا ۔ شہزادی نے کہا ہم اپنا وعدہ نہیں توڑتے بڑے جتن اور دلائل کے بعد شہزادی نے میری دشواری کو سمجھ لیا ۔ میں نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنا بے انتہا قیمتی پینڈنٹ واپس لے لیں ۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کا یہ عندیہ

میرے لئے اس تحفے اور اس کا خیال اس پینڈنٹ سے زیادہ قیمتی ہے ۔

1970 کے انتخابات کے دوران میں فلیٹیز ہوٹل لاہور میں مقیم تھا جب ایک غیر ملکی مجھے ملنے کے لئے آیا ۔ تعارف اور رسمی تکلفات کے بعد اس شریف آدمی نے مجھے بتایا کہ اسے اس کے صدر نے انتخابات میں میری اعانت کی پیش کش کے ساتھ بھیجا ہے ۔ میرا ردعمل کیا تھا ؟ اس کے ٹھیک چار دنوں کے بعد لاہور کے کچھ وکیلوں نے انٹرنیشنل ہوٹل میں مجھے استقبالیہ دیا ۔ یہاں میں نے مشرق وسطی کے تصفیے کے لئے ایک راجرز پلان قبول کرنے پر اس صدر پر زبردست حملے کئے میری اس تقریر کے ایک ہفتے یا اس کے کچھ بعد ، اس ملک کا سفیر مجھے کراچی میں میری رہائش گاہ پر ملنے آیا ۔ اس نے مجھے بتایا کہ صدر نے میری تقریر پڑھ لی ہے ۔ اور اس نے اپنے سفیر سے یہ کہا ہے کہ وہ مجھے یہ بتادے کہ میں نے اس کا "دل توڑ دیا ہے" میں نے سفیر سے کہا کہ وہ میرا یہ پیغام انتہائی احترام سے صدر تک پہنچا دیں کہ "اس نے میرا دل توڑا تھا" ۔

ایسی ان گنت مثالیں ہیں ۔ اس میں سب سے تازہ یہ کہ اکتوبر 1976 میں سعودی عرب کے جلالت مآب شاہ خالد پاکستان کے دورے پر آئے ۔ ہز میجسٹی نے مجھے ایک رولز رائیس کار دی اور یہ اصرار کیا کہ یہ ایک ذاتی تحفہ ہے ۔ جو صرف میری ذات کے لئے ہے ۔ بہرحال اس کار کو فی الفور سرکاری املاک میں رجسٹر کرادیا گیا ۔ میں نے شاہ خالد کا اس فیاضانہ تحفے پر دل سے شکریہ ادا کیا تھا ۔ اگر غلام محمد شاہ ابن سعود کی کیڈلک اپنے لئے لے سکتا تھا تو میں بھی یہ رولز رائس اپنے لئے رکھ سکتا تھا ۔ میں کوئی ولی نہیں ہوں ۔ لیکن میں اتنا گناہگار بھی نہیں ہوں جتنا کہ یہ فوجی ٹولہ مجھے بنا کر پیش کر رہا ہے ۔ میں ایسے معاملات کو سامنے لانے میں کوئی مسرت محسوس نہیں کرتا ۔ لیکن میں کیا کر سکتا ہوں ؟ یہ فوجی حکومت اپنا توازن کھو چکی ہے ۔ میں اپنے نام کے دفاع کے لئے واضح اور برملا تھوڑی سی معلومات سامنے لانے پر مجبور کر دیا گیا ہوں ۔

ان تمام برسوں میں بڑے رشک کے ساتھ میں نے اپنی نیک نامی کی حفاظت کی ہے مجھ میں کئی خامیاں ہیں ۔ میں غلطیوں کا پتلا ہوں ۔ لیکن میری کوئی بھی خامی ہو ۔ میں ایک بدعنوان اور کرپٹ آدمی نہیں ہوں ۔ اس نامشکور انداز میں کسی کی تادیب کرنا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے ۔ یہ توہوس انتقام کا ایک سلسلہ ہے ۔ مجھے اذیت دینے والوں نے پاکستان کے نام کی تذلیل کی ہے ۔ تیس سے پینتیس سال تک کی خدمات میرے پس منظر میں کھڑی میں ۔ وقت ہی یہ بتائے گا کہ میرا نام برصغیر کے مجرموں کے ساتھ لیا جائے گا یا ان ہیروز میں جن کی شہرت دنیا بھر میں پھیلتی ہے ۔ میرے نام اور میرے وقار کے محافظ عوام ہیں اور یہ تاریخ کے دل میں دھڑکتا رہے گا ۔

(۱۲)

پھانسی کی کوٹھڑی اور تاریخ

میرے خلاف معاندانہ اور مخالفانہ پروپیگنڈہ اس نازک اور مشکل وقت کے سنگھم پر اس طرح بوچھاڑ کر رہا ہے جیسے کسی خود کار ہتھیار سے گولیاں برس رہی ہوں حتیٰ کہ ایک عام آدمی بھی یہ بخوبی جانتا ہے کہ اس خاص وقت میں میرے خلاف جھوٹ کے پُل کیوں باندھے جارہے ہیں ۔ یہ سلسلہ ایک برس سے بھی زائد عرصے سے جاری ہے اور پوری دنیا میں اس جیسے غلیظ پروپیگنڈے کی مثال نہیں ملتی ۔ اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں کہ نفرت کا یہ آپیرا سپریم کورٹ میں میرے مقدمے کی سماعت کے دوران اپنے عروج پر پہنچ رہا ہے ۔

18 مارچ 1978 سے میں نے چوبیس گھنٹوں میں سے بائیس یا تیئس گھنٹے ایک حبس زدہ ، دم گھونٹنے والی موت کی کوٹھڑی میں بسر کئے ہیں ۔ میں نے طویل موسم گرما کی حدت اور گرمی اور برسات میں اس کی گھٹن اور بدبو کو برداشت کیا ہے روشنی کا انتظام ناقص ہے ۔ میری بینائی بد تر ہو چکی ہے ۔ میری صحت کا شیرازہ بکھر چکا ہے ۔ لگ بھگ ایک برس سے میں قید تنہائی کی اذیت برداشت کر رہا ہوں لیکن میرا حوصلہ بلند ہے ۔ میں لکڑی کا بنا ہوا نہیں ہوں کہ جو آسانی سے جل سکتی ہے محض اور صرف اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر جبکہ حالات انتہائی ابتر صورت اختیار کر چکے ہیں میں نے یہ تحریر لکھی ہے ۔ اب جتنے بھی قرطاس ابیض شائع کئے جائیں میں عوامی رائے کے سامنے اپنے آپ کا دفاع نہیں کروں گا ۔ کیونکہ میری خدمات جو ہمارے عوام کے نصب العین اور آرزوؤں پر مبنی ہیں ۔ عوام کے سامنے آئینے کی طرح رکھی ہیں میرا نام جنگی قیدیوں کی واپسی مسئلہ کشمیر ، اسلامی سربراہی کانفرنس سیکورٹی کونسل پرولتاریہ کے کاز کے ساتھ ہم معنی و مترادف ہو چکا ہے ۔ عام حالات میں میں جھوٹ کے پلندے پر مشتمل گھناؤنی دستاویز کا جواب دینے کی بھی زحمت نہ کرتا ۔ لیکن حالات معمولی نوعیت کے نہیں ہیں ۔ اس میں اصول شامل ہے ۔ جواب دینے کے حق کا اصول اس حق کا اصول کہ جھوٹ کا مقابلہ صداقت سے کیا جائے ۔

کہا جاتا ہے کہ بد ترین شر سے بھی کچھ نیکی نکل آتی ہے ۔ بدی کی اس دستاویز سے جو اچھائی بر آمد ہو سکتی ہے ۔ وہ یہ ہے کہ جو بے بہا کنفیوژن اس پبلسٹی کے ذریعے پھیلایا جا رہا ہے ۔ اس میں سے حق اور صداقت چھن کر باہر آجائے ، اور ایک مقدمے پر جو اثرات ہوئے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں ۔ جب میں نے مقدمہ قتل کے حوالے سے اس امر پر احتجاج کیا کہ کھلی اور عام سماعت میری صفائی میں ہونی چاہئیے تھی تو میں ججوں کے سامنے پبلسٹی اور انصاف کا فرق واضح نہیں کر سکا تھا ۔ میں مقدمے کی کھلی سماعت کا مطالبہ کر رہا تھا ۔ کیونکہ انصاف کا تصور کھلی اور عام سماعت کے ساتھ جڑا ہوا ہے کھلی اور عام سماعت کے لئے سیاسی اور قانونی جدوجہد کو جبکہ اس میں بطور خاص سزائے موت بھی شامل ہو ، سنہری حروف میں لکھا گیا ہے ۔ حضرت موسیٰ نے ظلم کے خلاف خروج کے زمانے میں اپنے پیرو کاروں سے اس کی تبلیغ کی تھی ۔ یہی پیغام ہمیں حضرت عیسیٰ کے پہاڑی والے وعظ میں ملتا ہے خدا کے آخری پیغمبر بھی انصاف کھلی مسجد میں کیا کرتے تھے اور اس میں کسی پابندی کی شرط کو ملحوظ نہ رکھتے تھے ۔ رومی غلام سپارٹکس نے اپنی جان انصاف کے لئے دیدی افلاطون ارسطو اور سقراط نے کھلے اور عام انصاف کا فلسفہ پیش کیا ہے ۔

یورپ اور برطانیہ کی تاریخ کھلی اور عام سماعت کے مقدموں سے بھری پڑی ہے کامن لا میں مقدمے کی کھلی سماعت کو انصاف کا لازمی جزو اور حصہ قرار دیا گیا ہے ۔ امریکی عوام نے شجاعانہ جدوجہد کے بعد کھلی عام سماعت کے حق کو تسلیم کرا دیا ۔ اور اسے امریکی دستور کی چھٹی ترمیم کا جزو لاینفک بنوایا ۔ یہ قول کہ "صرف انصاف ہی نہ کیا جائے بلکہ انصاف اس طرح کیا جائے کہ دیکھا بھی جاسکے" قانون کا ایک ناگزیر اور بنیادی غیر متبدل حصہ ہے ۔ مقدمہ قتل کی سماعت کے دوران ایک جج نے یہ تند و تیز قسم کا ریمارک دیا "ہم تم پر مقدمہ چلا رہے ہیں ۔ عوام پر نہیں" اس درخشاں ریمارک پر لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے یوں اضافہ کیا لیکن یہ پبلسٹی چاہتا ہے "کیا ستم ظریفی ہے ۔ میں نے لاہور میں مقدمے کی سماعت کے دوران کہا تھا

"یہ حقیقت فراموش کر دیجئے کہ میں پاکستان کا صدر اور وزیر اعظم رہا ہوں ۔ فراموش کر دیجئے کہ میں ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کا رہنما ہوں ۔ یہ سب کچھ بھلا دیجئے لیکن یہ کہ میں اس ملک کا ایک شہری ہوں اور میں ایک مقدمہ قتل کا سامنا کر رہا ہوں ۔ حتیٰ کہ ایک عام شہری اور میں اپنے آپ کو ایسا ہی سمجھتا ہوں کو بھی انصاف سے انکار نہیں کیا جاسکتا ۔"

مقدمے کی سماعت سننے والے ججوں کی نازک مزاجی اور حساسیت اور ان کے مفروضے ان کے نزدیک میری زندگی سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے ۔ اگر کسی مقدمہ قتل کی خفیہ اور بند کمرے میں سماعت کی جاتی ہے تو پھر کسی مقدمے کی کھلی سماعت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی ۔ پھر کسی کو شہادت قلم بند کرانے کی ضرورت رہتی ہے نہ کسی کے قلم اور فیصلے کی اگر اس عمل کو جاری رکھا گیا تو پھر قانون اپنے وقار اور عظمت سے محروم ہو کر ظلم کا قانون بن جائے گا ۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ قتل کی قانون سازی کی جاری ہے ۔

اس کے باوجود اس بند عدالت کی خفیہ سماعت میں بھی مجھے یہ اجازت نہ دی گئی میں اپنی صفائی پیش کر سکوں ۔ کوٹ لکھپت جیل میں مجھے یہ زبانی اطلاع دی گئی کہ پروسکیوشن کے بعد عدالت کو خطاب کرنے کی میری درخواست مسترد کر دی گئی ہے ۔ میں ایک پیشہ ور وکیل نہیں تھا ۔ 9 جنوری 1978 سے وکلاء نے میرا دفاع پیش نہیں کیا تھا ۔ اپنی طویل علالت اور عدم حاضری کی وجہ سے میں نے استغاثے کی شہادتیں نہیں سنی تھیں ۔ تین ماہ تک جو کھلی سماعت ہوئی اس میں عدالت نے میری اہانت اور تحقیر کی ۔ استغاثے کے کیس کو زبردست پبلسٹی حاصل ہوئی ۔ اس کے بعد استغاثے نے مقدمے کو خفیہ بنا دیا ۔ ہر چیز مکمل طور پر میرے خلاف کر دی گئی ۔ لیکن ان تمام ہولناک دشواریوں کے باوجود جب میں نے بند اور خفیہ عدالت میں اپنی زندگی کے دفاع کے لئے خطاب کی درخواست دی تو مجھے اس کی اجازت نہ دی گئی کیونکہ میں چاہتا تھا کہ میں ایک مبتدی کی حیثیت سے جواب دینے سے پہلے استغاثے کو سنوں کسی طرح کے قانونی نوٹس ، قانونی کتابوں اور قانونی رولنگ کے بغیر جواب دینا چاہتا تھا ۔

یہ معقول درخواست ، کھردرے اور موجود انصاف کے لئے یہ درخواست ٹھکرا دی گئی ۔ غیر جانبدارانہ انصاف کسے کہتے ہیں ؟ مقدمے کی سماعت کرنے والی عدالت ، اپنا فیصلہ سنا دیتی ہے ۔ جس میں موت کی سزا دی گئی ہے ، اگر اس نے اس شخص کو جسے غیر قانونی طور پر بڑا ملزم قرار دیا ہو ، اس کی صفائی ہی نہ سنی ہو تو اسے کس طرح غیر جانبدارانہ انصاف کہا جا سکتا ہے ؟ اس حد تک جا کر مجھے مجرمانہ انصاف کا نشانہ بنایا گیا ۔ دنیا میں اسے کہاں تک ناقابل برداشت اور اذیت ناک تصور کیا گیا ہے کہ ایک فرد جس پر قتل کا الزام ہو اسے ایک متبدی کی طرح اس کی بے گناہی پر بغیر کسی تیاری اور قانونی مشیر کے خطاب کرنے کی اجازت نہ دی گئی ہو ۔ میری یہ درخواست کہ خفیہ سماعت میں ہی مجھے سنا جائے اس بنیاد پر ٹھکرا دی گئی کہ اس سے میں پبلسٹی حاصل کر سکتا تھا ۔

یہ غلط ہے کہ میں نے مقدمے سننے والے بینچ کے ساتھ تعاون کی کوشش نہیں کی ۔ جبکہ میری زندگی سے کم کوئی چیز داؤں پر نہ لگی تھی ۔ میں اتنی سوجھ بوجھ تو رکھتا ہوں کہ ان کے

ساتھ تعاون کروں جو مجھے یہ بتانے والے ہوں گے کہ مجھے اس وقت تک پھانسی پر لٹکایا جائے گا جب تک میں مر نہیں جاتا ۔ اصل میں ٹرائل بینچ یہ چاہتا تھا کہ میں ان کے سامنے گڑگڑاؤں ۔ سچی بات ہے کہ میں نے انہیں بتایا کہ میں ان کے سامنے جھکوں گا نہ رینگوں گا ۔ کیونکہ ایک مسلمان صرف اپنے خالق کے سامنے جھکتا ہے ۔ لیکن بنچ بالخصوص چیف جسٹس ہمیشہ رعونت اور تکبر سے میری تذلیل کرتا تھا ۔ اور اس کے عین برعکس چیف جسٹس جرم کا اعتراف کرنے والے شریک ملزموں کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آتے تھے ۔ وہ متبسم ہو کر انہیں دیکھتے ۔ میری قیمت پر وہ ان کے کھردرے مزاح سے لطف اندوز ہوتے ۔ وہ ان کے ساتھ پدرانہ انداز میں تحمل کا سلوک کرتے جہاں وہ یہ محسوس کرتے کہ وہ انگریزی میں سوال کا مطلب نہیں سمجھ رہے تو سوال اردو یا پنجابی میں ترجمہ کر دیتے ۔ دھمکیاں ، غصّہ اور آوازے صرف میرے لئے مخصوص تھے مجھے ''شٹ اپ'' اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ اور جب تک اس کے ہوش و حواس بحال نہیں ہوتے یہاں سے لے جاؤ'' جیسے احکامات سے نوازا جاتا ۔ ایسے حالات میں تعاون کی بات کرنا ایسے ہی ہے جیسے یہ کہا جائے ولیوں جیسے تحمل کا مطالبہ کیا جائے ۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ مقدمے کی سماعت کرنے والی عدالت بنیادی اصولوں قواعد اور عوامل سے نابلد تھی ۔ نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ پبلسٹی اور مقدمے کی کھلی سماعت کے فرق سے ناواقف تھی ۔ جبکہ قرطاس ابیض کے مصنفین پوری طرح سے پبلسٹی کی اہمیت سے واقف ہیں ۔ قرطاس ابیض کے صفحہ 145 پر میری حکومت کے خلاف ایک گالی کو رجسٹر کیا گیا ہے ۔ کہ ریڈیو اور ٹی وی پر پی این اے کا وقت مخصوص کرنے میں امتیازی سلوک روا رکھا گیا تھا ۔ اس میں بتایا گیا کہ جہاں 24 جنوری 1977 کو میری پریس کانفرنس کو ریڈیو اور ٹی وی نے بھرپور کوریج دی ۔ وہاں پاکستان قومی محاذ یا کسی بھی دوسری مخالف پارٹی کو یہ سہولتیں فراہم نہ کی گئیں ۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے بڑے اختصار سے ان کے منشور کو صرف خبروں میں کوریج دی ۔ اور جوں جوں انتخابی مہم زور پکڑتی گئی توں توں اس امتیازی برتاؤ میں بھی شدت پیدا ہو گئی ۔ مسٹر بھٹو کی ہر انتخابی تقریر کو پوری تصویر اور آواز کے ساتھ پیش کیا گیا ۔ حزب اختلاف کے کسی رہنما کو سمعی کوریج نہ دی گئی ان کی تقریروں کو بڑے اختصار سے صرف خبروں میں سنایا گیا ۔ بصری لحاظ سے انہیں چند اُڑتے ہوئے لمحوں میں دکھایا گیا ۔ لیکن ہجوم کو دکھانے میں ٹیلی ویژن نے کیمرہ ٹرک سے کام لیا پی پی پی کے جلسوں کے ہجوم کو بڑھا چڑھا کر اور حزب اختلاف کے جلسوں کو کم سے کم تر کر کے دکھایا گیا''

انتخابی مہم کے دوران پی این اے نے اس مبینہ امتیازی پالیسی کے خلاف ایک رٹ درخواست لاہور ہائی کورٹ میں دائر کی ۔ میرا خیال ہے کہ لاہور ہائی کورٹ نے یہ حکم دیا تھا کہ پی

این اے کو اس کی اہمیت اور حصے کے مطابق ریڈیو اور ٹی وی پر وقت الاٹ کیا جائے ۔ اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو مجھے یاد ہے کہ سپریم کورٹ کے ایک جج ان دنوں لاہور ہائی کورٹ کے اس بنچ میں شامل تھے ۔ جس کے سامنے اس امتیازی پبلسٹی کے خلاف درخواست کی سماعت ہوئی تھی اور انہوں نے اس امتیازی پالیسی کے خلاف حکم صادر کیا تھا ۔ میں نے اس وقت بھی اس پر کوئی شکایت نہیں کی تھی اور نہ ہی اب کر رہا ہوں ۔ میں تو ایک اصول پر دلالت کر رہا ہوں اگر یہ مساوات کا ایک حصہ اور اصول ہے کہ سیاسی مخالفوں کو ووٹ حاصل کرنے کے لئے اپنا نقطہ نظر پبلک کے سامنے پیش کرنے کا حق دیا جائے تو پھر یہ بھی مساوات ہی کا جوہر ہے کہ ملک کی سب سے بڑی اور سب سے طاقتور سیاسی پارٹی کے قائد اور پاکستان کے سابق صدر اور وزیر اعظم کے خلاف مقدمہ قتل کی سماعت کھلی عدالت میں ہو تاکہ وہ مناسب کوریج حاصل کر سکے ۔

ووٹوں سے بھی کہیں زیادہ بڑی چیز داؤں پر لگی ہے ۔ میری زندگی سے بھی بڑی چیز داؤں پر ہے ۔ اس میں کوئی غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ پاکستان کا مستقبل داؤں پر لگا ہوا ہے ۔ جب میرے کونسل نے یہ شکایت کی کہ صفائی کے کیس کو یکسر اور مکمل طور پر ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے بلیک آؤٹ کر دیا گیا ہے تو انہیں کسی بھی ہچکچاہٹ کے بغیر بلا دریغ یہ کہا گیا کہ ریڈیو اور ٹی وی پر اس کی پبلسٹی نہیں ہوگی ۔ یوں اس معاملے کو اختتام تک پہنچا دیا گیا ۔ خدا کے نام پر لوگوں کو صفائی کے کیس کے بارے میں ریڈیو اور ٹی وی کو اجازت نہ دی جائے کہ عوام کچھ بھی سن سکیں ۔ لیکن مہربانی سے ازراہِ ترحم اسے پبلسٹی کا نام تو نہ دیں ۔ کیا یہ ہے کہ میں سزاؤں اور پھانسیوں کی تشہیر چاہتا ہوں ۔ کیا میں پبلسٹی چاہتا ہوں میں صرف اور صرف انصاف چاہتا ہوں میں جو چاہتا ہوں وہ تو پاکستان کے عوام کے لئے ہے کہ وہ بھی یہ نتیجہ نکال سکیں کہ وہ رہنما جسے ووٹ دے کر وہ اقتدار میں لائے اسے اپنا صدر اور وزیر اعظم بنایا قاتل ہے یا اسے اس جرم میں پھنسایا گیا ہے ۔

یہ تجویز بہت سادہ ہے ۔ میں یہ تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں کہ اسے سمجھنے میں کوئی دقت پیش آئی یا اس میں پوری صفائی اور وضاحت موجود نہیں اور اس میں کوئی ابہام ہے ۔ یہ نام نہاد قرطاس ابیض جسے اس وقت زمین پر پھینکا گیا ہے اس وقت آیا ہے جب سزائے موت کے خلاف میری اپیل کی سماعت درمیان میں ہے ۔ اسے دنیا بھر میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ اسے بڑی شدت کے ساتھ تفصیل سے ریڈیو اور ٹی وی پر نشر کیا گیا ہے ۔ شر انگیز اور جھوٹ پر مبنی اداریئے شائع ہو چکے ہیں ۔ غیر ملکی صحافیوں سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اس کی تشہیر کریں ۔ پاکستانی سفیر دوسرے ملکوں کے ممتاز افراد کو استقبالئے دے رہے ہیں تاکہ ان میں یہ دستاویز تقسیم کی جاسکے ۔ عالمی پیمانے پر یہ ایک بہت بڑا تماشا ہو رہا ہے کردار کشی پر

مشتمل یہ بلیوپرنٹ چار زبانوں میں جن میں عربی بھی شامل ہے ، ترجمہ کیا گیا ہے ۔
میں حیران ہوں کہ عربی زبان کیوں ؟ انتخابات کے متعلق موضوع و مواد کا عرب ریاستوں سے کیا تعلق بنتا ہے ؟ عرب ملکوں میں نظام حکومت یا تو بادشاہت ہے یا ایک پارٹی کی حکومت ۔ لبنان میں پارلیمانی جمہوریت ہے ۔ اس وقت اس بد قسمت ملک کے عوام کے لئے اپنا ملک متحد رکھنا ناممکن ہو رہا ہے ۔ اس وقت جب کہ ان کے سروں پر گولیاں اڑ رہی ہیں ۔ میں نہیں سمجھتا فوج کے ذریعے حکومت کا جبری تختہ الٹنے کے اس نسخے سے کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے کویت اور بحرین اپنی پارٹیوں کو معطل یا منسوخ کر چکے ہیں قرطاس ابیض کا موضوع اور مواد عرب دنیا کی بادشاہتوں یا ایک پارٹی کی حکومتوں اور پاکستان کی فوجی حکومت کے مابین کسی بھی شراکت اور سانجھے کی چیز نہیں بنتا ۔ اس کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔ یا اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ ان ملکوں کے برادر فوجی افسروں کو للکارا جائے کہ وہ اٹھ کھڑے ہوں اور عرب حکومتوں میں بھی فوجی حکومتوں کی لعنت پھیلائی جائے ۔
فوجی بغاوت کے ذریع بارہ گھنٹوں کے اندر ان ملکوں کی جائز حکومتوں کا تختہ الٹنے کے لئے ایک قرطاس ابیض ان ملکوں کے ان فوجی افسروں کے لئے مفید اور کار آمد ثابت ہو سکتا ہے ۔ جو اپنی حکومتوں کا تختہ الٹنے کا ارمان دلوں میں لیے بیٹھے ہیں ۔ اس قرطاس ابیض کی عرب حکومتوں سے کیا نسبت بنتی ہے ؟ اس میں کون سا پیغام ہے جو انہیں پہنچانا مقصود ہے ؟ یہ کہ ذوالفقار علی بھٹو نے مبینہ طور پر پاکستان کے انتخابات میں دھاندلی کی اگر میں کوئی عرب بادشاہ یا عرب شیخ یا ایک عرب انقلابی قومی رہنما ہوتا ، جہاں کا یہ نظام نہ ہوتا اور جہاں بالغ رائے رہی پر پارلیمانی انتخابات کا نظام ہی نہ ہوتا تو میں کہتا تو پھر کیا ؟ وہ لوگ جو پاکستان میں فوجی بغاوت کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹنا ایک بہترین کام سمجھتے ہیں وہ اس بغاوت اور فوجی جبری بغاوتوں کو دوسرے اور ہمسایہ ملکوں میں پھیلانے کی کوشش کریں اس کے علاوہ تو قرطاس ابیض کے عربی ترجمے کے بارے میں کوئی وضاحتی منطق نہیں ملتی کہ فوج کے ذریعے حکومتوں کا تختہ الٹنے کا جواز فراہم کیا جائے ۔

سبق جو سیکھا جا سکتا ہے

کچھ متفرق نکات بھی ایسے ہیں جن کا قرطاس ابیض پر بات کرنے سے پہلے ،ذکر ضروری ہے ۔ قرطاس ابیض کے کئی حصوں میں اس بات پر بڑا اصرار کیا گیا ہے کہ میں نے انتخابات کے لئے تیاری معینہ تاریخ سے بہت پہلے شروع کر دی تھی۔ اس سلسلے کی ایک مثال

سے اس بات کی وضاحت ہو سکتی ہے صفحہ ۵۴ پر ۔۔ قبل از وقت پلاننگ کی سرخی کے تحت قرطاس ابیض بیان کرتا ہے "ایسی دستاویزی شہادت موجود ہے جو یہ ثابت کرتی ہے کہ اوپر جو عنوان لگایا ہے وہ درست ہے ۔ اس کے سرے ۱۹۷۴ سے جا ملتے ہیں ، جس پر پیپلز پارٹی کی صاحب بصیرت اور ہوشیار قیادت کو در حقیقت خراج تحسین پیش کرنا پڑتا ہے ۔ یقیناً وہ سیاست کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے اپنے سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیئے انہوں نے جائز اور اکثر ناجائز اور غیر قانونی ذرائع سے بہت ہی محنت کی اس سلسلے میں جو پہلا دھماکہ کیا گیا وہ پاکستان پیپلز پارٹی سندھ کے صدر سید قائم علی شاہ نے اس طرح کیا کہ انتخابی حلقوں کی حد بندیوں میں اپنی مرضی اور سہولت کے مطابق تبدیلیاں کرنے لگے۔ ۱۲ جون ۱۹۷۴ کو انہوں نے ایک خط (ضمیمہ ۲۵) وزیر اعظم چئرمین پاکستان پیپلز پارٹی کو لکھا اور یہ نشان دہی کی کہ انتخابی حلقہ بندیوں کی نئی حد بندیوں کے تعین کے لئے بل پاس ہو گیا ہے ۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر "وہ بل جو انتخابی حلقوں کی نئی حد بندیوں کے تعین کے لئے تھا، پاس ہو گیا تھا" تو اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ مینڈیٹری تھا ۔ اس میں قبل از وقت پلاننگ کا تو کوئی اشارہ نہیں ملتا ۔ دوسری بات یہ کہ انتخابات کے لئے ایک طے شدہ وقت پارلیمانی سسٹم کا اینٹی تھیسس ہوتا ہے ۔ صرف صدارتی انخابات میں ہی صدر کے عہدے کی معیاد کے تحت پہلے سے وقت کا تعین ہو چکا ہوتا ہے۔ جبکہ پارلیمانی نظام میں یہ واضح فرق موجود ہے اور اس میں پابندی اس امر کی ہوتی ہے کہ انتخابات کے لئے جو وقت مقرر ہے اس کے بعد انتخابات نہ ہوں، اس دوران میں ایک سے زیادہ بار انتخابات منعقد کئے جا سکتے ہیں۔

پارلیمانی نظام کا ایک فائدہ یا نقصان یہ ہوتا ہے کہ کسی وقت بھی انتخابات کرائے جا سکتے ہیں۔ حکومت، مخالف جماعتوں کو حیرت میں ڈال کر، وقت سے پہلے پارلیمینٹ توڑ کر انتخابات کروا سکتی ہے ۔ یہ استحقاق پارلیمانی نظام کا ایک حصہ ہوتا ہے ۔ اس کے برعکس صدارتی نظام کا فائدہ یا نقصان اس میں ہوتا ہے کہ صدر کے عہدے کی معیاد کے مطابق آئین ضمانت دیتا ہے کہ تعین کئے ہوئے وقت پر ہی انتخابات ہوں گے۔ جبکہ پارلیمانی نظام میں مدت کے خاتمے کے اندر اندر تین یا چار بار انتخابات ہو سکتے ہیں۔ مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات ایک سال پہلے منعقد ہوئے تھے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی سربراہی کانفرنس کے بعد میں نے سنجیدگی سے عام انتخابات کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ میں تمام اسمبلیاں ختم کر کے، اسلامی سربراہی کانفرنس کے بعد انتخابات کرانے کے بارے میں سنجیدہ تھا۔ اس حوالے سے میں بلوچستان میں سیاسی صورت حال کی پیچیدگی کے بارے میں بھی کوئی قدم اٹھانے کے بارے میں سوچ رہا تھا ۔ لیکن "عقلمندی پر مبنی اجتماعی مشورہ، رائج اور غالب رہا۔ پارلیمانی نظام کے

بارے میں قرطاسِ ابیض نے جس اصول کے تحت یہ کہا ہے کہ میں انتخابات کی تیاری انتخابات کی تاریخ سے بہت پہلے کرنے لگا تھا، اس سے قرطاسِ ابیض کی انتہائی پست جہالت کا ثبوت ملتا ہے کہ اسے پارلیمانی جمہوریت کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔ اس طرح کی بے سروپا باتیں کرنے سے قرطاسِ ابیض کی جمہوریت شناسی کا پول کھل جاتا ہے ۔ انہیں کچھ معلوم نہیں کہ پارلیمانی جمہوریت کیا ہوتی ہے ۔ اس کا یہ مطلب بھی نکلتا ہے اگر میں طے شدہ مدت کے ایک سال بعد انتخابات کرواتا تو مجھ پر یہ الزام نہ لگایا جاتا کہ میں مزید ایک سال اقتدار میں رہا ہوں۔ بلکہ یہ کہا جاتا کہ میں اس فاضل برس میں انتخابات کی تیاری کرتا رہا تھا۔

یہ انتہتائی تاریک اور غلیظ ترین الزام ہے کہ انتخابات کے بعد میری حکومت خانہ جنگی کرانے کی تیاری کر رہی تھی۔ یہ انتہائی شرپسندانہ اقدام حکومت کا فوجی بغاوت سے جبری تختہ الٹنے کے بعد لگایا گیا تھا ۔ بیگم نصرت بھٹو نے سپریم کورٹ میں آئینی درخواست دی تو سپریم کورٹ میں بھی یہ بات کہی گئی۔ یہی جھوٹا الزام پھر قرطاسِ ابیض میں دہرایا گیا ہے ۔ میں نے اپنے بیان حلفی میں یہ ثابت کیا تھا کہ خانہ جنگی کی ضرب بعد میں سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق لگائی گئی ۔ انتہائی تحکمانہ جہالت اور لاعلمی کے ساتھ انہوں نے کہا کہ تصادم اور تقطیب کا عمل ہو چکا تھا ۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ اجتماع ضدین کا عمل تیز اور نمایاں ہوتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عوام کی فتح قریب آچکی ہے ۔ اور پھر یہی وہ وقت ہوتا ہے جب اپنے ذاتی مفادات کو زندہ رکھنے کے لئے فوجی بغاوت کے انجن کو عوام کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے ۔ وہ بھیڑئے کا آوازہ لگا کر حملہ کرنے کے لئے وقت حاصل کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ پی این اے نے بھیڑیا آیا کی چیخ ماری اور جارحیت کا ارتکاب کرنے لگی۔ پی این اے نے بھاری مقدار میں اسلحہ اور ہتھیار خرید ے۔ پمفلٹوں کے اوپر اذانیں دیں کہ جہاد کرو، پی این اے نے ہر طرح کا محاصرہ کیا۔ ہڑتال کے لئے ہر بار پی این اے نے کہا، ہر طرح کے مفاہمتی تصفیوں کو پی این اے نے مسترد کیا ۔ حتیٰ کہ یہ پی این اے ہی تھی جو متفقہ طور پر پوری جزئیات سمیت منظور شدہ تصفیئے سے مکر گئی۔

میری حکومت نے خانہ جنگی کے لئے تنظیم نہیں کی ۔ مزید بر آں، جیسا کہ میں سپریم کورٹ میں بیگم نصرت بھٹو کی درخواست میں اپنے بیان حلفی میں واضح کر چکا ہوں، خانہ جنگی کے اپنے عناصر ترکیبی اور سابقات ہوتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے محض سیٹی بجا کر خانہ جنگی نہیں کرائی جا سکتی ۔ اجتماعی شعور اور ضمیر پہلے ترقی کی ایک خاص تسلیم شدہ سطح تک پہنچتا ہے ۔ افواج دو حصوں میں بٹ جاتی ہیں۔ ایک حصہ استحصال کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسرا ان کے ساتھ جن کا استحصال ہو رہا ہو ۔ پھر کہیں جا کر خانہ جنگی وقوع پذیر ہوتی ہے ۔

جب مسلح افواج کلیتاً ایک فوجی ٹولہ اپنے مفادات کے لئے استعمال کر رہا ہو تو ایسے وقت میں خانہ جنگی کا تصور ہی محال ہے ۔ خانہ جنگی کے لئے حکومت معروضی حالات کے مطابق، حکومت تشدد اور خونریزی کرنے والے ٹولوں کو منظم کرتی ہے۔ لیکن ایسا بھی اپوزیشن کر سکتی ہے اور یہ اپوزیشن نے ۱۹۷۷ میں کیا،

جب کسی خانہ جنگی کے لئے معروضی حالات پختہ ہو جاتے ہیں تو پھر کوئی فوجی بغاوت بھی واقعہ کو روک نہیں سکتی۔ خانہ جنگی کے لئے حالات کو پختہ کرنے کا تیز ترین طریقہ فوجی حکومت ہے ۔ معروضی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے میں یہ کہوں گا کہ آج پاکستان ، ۱۹۷۷ کے موسم بہار کے بدترین ایام کے مقابلے میں خانہ جنگی کے کہیں زیادہ قریب ہے ۔ میرے ایک خصوصی معاون کے جنگجویانہ بیانات کو سامنے رکھ کر، مگر مچھ کے آنسو بہانے والی ایک درخواست سپریم کورٹ میں پیش کی گئی۔ جس میں کہا گیا تھا کہ خانہ جنگی ہونے ہی والی تھی اگر چیف آف آرمی سٹاف صحیح سمت تیز اور فوری قدم نہ اٹھاتا۔ میرے اسی خصوصی معاون نے سپریم کورٹ میں میری اس اپیل کے ساتھ ایک بیان حلفی داخل کروایا ۔ جس میں حلفاً یہ بیان کیا کہ چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر نے اسے میرے خلاف گواہی دینے کے لئے غلط طور پر استعمال کرنے کی کوشش کی۔ وہ جنرل جس نے فوجی بغاوت سے حکومت کا تختہ الٹا اور چیف آف آرمی سٹاف کے منہ میں اقتدار کا لالی پاپ دیا اس نے خانہ جنگی برپا کرنے والے سے ۱۹اگست ۱۹۷۸ کو تین گھنٹے سے زیادہ عرصے تک ملاقات کی۔

قرطاس ابیض کے صفحہ ۳۹۸ پر بیان کیا گیا ہے کہ میری حکومت اور پارٹی نے خانہ جنگی کی تیاری کے لئے میسرز ڈوسل اینڈ کمپنی کراچی سے ہتھیار خریدے۔ میسرز ڈوسل اینڈ کمپنی کے مالک کو میری حکومت نے کئی مواقع پر جیل میں ڈالا تھا ۔ اس حقیقت کی تصدیق ٹیپ پر سپریم کورٹ کے ریفرینس یا سرکاری ریکارڈ سے کی جا سکتی ہے ۔ اس فرم اور اس کے مالک کے خلاف سخت ترین کارروائیاں کرنے کے بعد یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم پورے پاکستان میں سے صرف اس کا انتخاب کرتے اور اس سے وہ ناجائز اور غیر قانونی طور پر ہتھیار خریدتے جن کی ضرورت متوقع خانہ جنگی میں پڑنے والی تھی ۔ ان دستاویزات کے تضادات اور جھوٹ لرزاں اور بے بنیاد ہیں۔

تقطیب جب ایسے نقطے پر پہنچتی ہے کہ جہاں سے واپسی ممکن نہ ہو تو اس کی مثال سپین سے دی جا سکتی ہے ۔ چودہ مہینوں سے سپین اس نقطے تک پہنچ چکا ہے ۔ سپین کے فوجی ٹولے کو بہت کچھ یاد رکھنا چاہئے ، بطور خاص وہ واقعات جو جنوبی جزیرہ روم میں رونما ہوئے ہیں یونان سماجی اور اقتصادی لحاظ سے پاکستان سے ترقی یافتہ ہے۔ یونان میں فی کس آمدنی بارہ سو ڈالر

ہے ، جبکہ پاکستان میں فی کس آمدنی ۱۸۴ ڈالر ہے ۔ یونان یورپی تہذیب کی ماں ہے ۔ وہاں کے عوام کا سیاسی شعور ہمارے مقابلے میں بہت بلند ہے ۔ اس کے باوجود یونان میں سیاسی سیچو ئیشن کئی برسوں سے غیر مستحکم ہے ۱۹٦۷ میں یہاں کے فوجی کرنلوں نے بغاوت کے ذریعے حکومت پر صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قبضہ کر لیا ۔ اس "عزم" کے ساتھ کہ وہ باہمی تصادم کے عمل کو روک کر سیاسی استحکام پیدا کریں گے۔ سات برسوں میں ان کرنلوں نے یونان کا وہ حشر کر دیا کہ نہ صرف اپنے ملک بلکہ قبرص کو بھی تباہی کے کنارے پر لے آئے ہیں۔ ترکی کے ساتھ وہ جنگ کرنے پر تلے ہوئے ہیں ، یونانی قوم کو بالآخر پیرس میں مقیم اپنے رہنما کانسٹنسٹین کارملیاس کو واپس بلوانا پڑا کہ وہ یونان کو متحد و مضبوط بنا سکے۔

ارجنٹائن میں برسوں سے سیاست کے ساتھ فٹ بال کھیلتے ہوئے پولرائزیشن کے مسئلہ کو حل کئے بغیر ، فوجی حکمران ٹولے کے ایک رکن جنرل ہارگنڈ گائی نے حال ہی میں کہا ہے "جو مسائل آگے درپیش ہیں انہیں فوجی حکمرانوں کے ساتھ محض چند شہری معاونوں کے ذریعے حل نہیں کیا جا سکتا" یہ الفاظ بیونس آئرس میں کہے گئے تھے۔ لیکن اس سے اسلام آباد کے بارے میں بھی گھنٹی بجنے لگی۔ جنرل ہارگنڈ گائی نے اجتماعی سول شراکت پر مبنی ایک ملکی حکومت پر بھی زور دیا ۔

اٹلی جو تہذیب کا ایک اور اہم مرکز ہے، گہرے اور سنجیدہ اقتصادی اور سیاسی مسائل کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے ۔ وہاں پولرائزیشن ایک عجیب خطرناک سطح تک جا چکی ہے ۔ یہ قبول کرتے ہوئے کہ موجودہ نظام ناکام ہو چکا ہے اور بحران عام طرز اندمال کی گرفت سے ماورا ہو چکا ہے ریڈ بریگیڈ اطالوی ریاست کے موجودہ ڈھانچے کو ملیامیٹ کرنے کا عزم کر چکا ہے ۔ اور اس کی جگہ ایک نیا غیر طبقاتی ڈھانچہ قایم کرنا چاہتا ہے ۔ وہ اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ موجودہ ریاستی ڈھانچے کو توڑنے کا یقینی اور فوری طریقہ یہ ہے کہ فوج کو ترغیب دی جائے کہ وہ اقتدار پر قبضہ کر لے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جونہی فوج ریاست پر قبضہ کرے گی جو آئین پر استوار ہے اور اس کے تحت ادارے کام کرتے ہیں، وہ دھڑام سے گر جائیں گے، مزید براں ان کا خیال ہے کہ ایک بار جب حکومت کے یہ ستون گریں گے تو یہ استحصالی ریاست بھی ان ستونوں کے ساتھ ڈھیر ہو جائے گی۔ ریڈ بریگیڈ اقتدار پر فوج کے قبضے کو اٹلی کے لئے مسئلے کا حل گردانتی ہے ۔ اسی قسم کا حل، ہم پاکستان میں دیکھ رہے ہیں۔

اٹلی کے فوجی زعما اس لرزاں صورتِ حال سے آگاہ ہیں، یہ فوجی زعماء بہت زیادہ تعلیم یافتہ اور اطالوی قوم کی تاریخ سے اچھی طرح آشنا ہیں ، اٹلی کے یہ فوجی زعما یہ فراموش نہیں کر سکتے کہ اطالوی قوم کو متحد کرنے کی آخری فوجی فتح کے بعد، گیری بالڈی اپنی بیوی آنا کے ساتھ

پہاڑوں میں غائب ہو گیا تھا تاکہ نئی قوم کے استحکام کا فریضہ پائیوڈمنٹ کے تجربہ کار اور ماہر سیاست دان کونٹ کامیلی ڈی کاویر انجام دے سکے۔ ایک سو سال پہلے اٹلی کے اتحاد نو کا فریضہ۔ ایک سیاسی فریضہ تھا تو اٹلی کی مسلح افواج ۱۹۷۸ میں اٹلی کی سیاست میں فوجی مداخلت کر کے تیزی سے ریڈ بریگیڈ کی دعوت قبول نہیں کر رہے ہیں۔

روسی انقلاب کے بعد، لینن کو بڑی جفاکشی سے ایسی کوششیں کرنی پڑیں کہ جن سے پارٹی کی سیاسی برتری فوج پر مستحکم ہو سکے، سٹالین کو بھی اس ضرورت کا بھرپور احساس تھا۔ لینن اور سٹالین دونوں بڑی شدت سے یہ سمجھتے تھے کہ اگر پارٹی کی برتری پر فوج فائق رہی تو روسی ریاست شدید ترین خطروں میں گھری رہے گی۔ یا دوسرے لفظوں میں فوج پارٹی کے کنٹرول اور ریاست کی سمت پر غالب آ جائیگی ۔ روسی انقلاب سے لے کر اب تک ، روسی ریاست کا یہ نمایاں پہلو رہا ہے کہ پارٹی فوج سے برتر ہے ،اور یہی اصول مستقبل میں بھی برقرار رہے گا۔ ایک ترقی اور طاقت کا ذریعہ ہے ۔ دوسرا تصادم اور ابتری کا طریقہ ہے ۔ ۱۹۵۷ کے اواخر میں، دوسری جنگِ عظیم کے عظیم ترین جرنیلوں میں سے ایک اور برلن کے فاتح اور سوویت یونین کے وزیر دفاع مارشل زوخوف کو اس لیے عہدے سے نکال دیا گیا کہ وہ بوناپارٹ، رجحانات کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

انقلاب کی صبح سے اب تک، اسی اصول کو عوامی جمہوریہ چین نے برقرار اور اپنائے رکھا ہے ۔ یہ چین اور اس کے عوام کے لئے بہتر اور مفید ہے ۔ اگر چین میں فوجی پارٹی اگر سیاسی قیادت پر کنٹرول حاصل کر لیتی تو چین پھر سے اپنے جنگی آقاؤں کے دور میں واپس چلا جاتا، چین کے ۸۰۰ملین عوام کو مارشل لا آرڈر نمبر ۱۲ کے تحت متحد نہیں رکھا جا سکتا۔ چین کے ۸۰۰ملین عوام اس لئے ترقی کرتے ہوئے طاقتور نہیں بن رہے کہ انہیں سرعام کوڑے مارے جاتے ہیں، چین اور چین کے عوام جن اعلیٰ اور باوقار بلندیوں تک پہنچے ہیں۔ اس کی وجہ چینی قیادت اور سیاسی تحرک ہے، یہ سیاسی عنصر ہی ہے جو ۸۰۰ ملین چینیوں کو متحد رہنے اور اور رضا کارانہ قربانیوں کے لئے وجدانی تحریک بخشتا ہے ۔ جب چین کے وزیر دفاع مارشل لین پیاؤ نے اپنے آپریشن فیر پلے جس کا نام "آؤٹ لائن آف پروجیکٹ ۱۷۵" کا سازشی منصوبہ تیار کیا چیئرمین ماؤزے تنگ کو قتل کر کے چین پر فوجی برتری قائم کر دے تو وزیر اعظم چواین لائی نے براہِ راست افواج کی کمان سنبھال لی اور مارشل لین پیاؤ کی سازش کو کچلنے میں کلیدی کردار ادا کیا، وزیر اعظم چواین لائی کی بروقت کارروائی جو سیاسی تفوق اور سیاسی قیادت برقرار رکھنے اور پارٹی کی برتری کے لئے تھی اس نے چین کو تباہی سے بچالیا،

ہمارے جرنیلوں کو ترکی کی تاریخ سے پوری طرح ناواقف ہونے کے باوجود ترکی کی مثال

دینے کا بڑا شوق ہے ۔ قسطنطنیہ کی فتح سے لے کر چند مستثنیات کے علاوہ، ترکی کی مسلح افواج کبھی ناکام ہوئی ہیں نہ انہیں شکست ہوئی ہے ، برطانوی ایمپائر سے پہلے، ترکی کی مسلح افواج اور عسکری رہنماؤں نے دنیا میں سب سے بڑی ایمپائر قایم کی، سلجوقیوں کے دور سے لے کر، عثمانیوں تک، فوجی فتوحات کی صدیوں پر مشتمل تاریخ ہے، ایک فوجی فتح دوسری فوجی فتح کا سبب بنتی رہی، بلاشبہ اس میں مستثنیات بھی تھیں، لیکن ان میں سے کسی بھی شکست کیوجہ سے ترکی کی مسلح افواج یا اس کی عسکری قیادت کی بے عزتی نہیں ہوئی۔ بعض لڑائیوں میں پوری فوج کا صفایا ہوگیا اور انہوں نے اپنے پیچھے ایک بھی جنگی قیدی نہ چھوڑا۔

جنرل مصطفےٰ کو وی آنا کے دروازوں پر جو شکست ہوئی وہ فوجی شکست نہیں تھی۔ گیلی پولی کی لڑائی میں ترکی کی مسلح افواج نے ایسی بہادری کا مظاہرہ کیا کہ نتیجے میں کچھ بھی نہ رہا، پہلی جنگِ عظیم میں برطانیہ کو جو تباہ کن شکست درّہ دانیال پر ہوئی اسے چرچل مرتے دم تک فراموش نہ کر سکا ، مغربی طاقتوں کی ڈپلومیٹک سازشوں کے نتیجے میں ترکی یورپ کا مردِ بیمار بن گیا۔ کمزور اور انحطاط پذیر سلطانوں نے غیر ملکیوں کے ساتھ مراعات اور اطاعت کے جو معاہدے کئے ان کی وجہ سے حب الوطن طاقتوں میں نفرت کی لہر ابھری جس نے ینگ ترکی تحریک کو جنم دیا، بنیادی طور پر یہ تحریک سیاسی اصلاحات کی تحریک تھی ۔ اور ترکی کی تاریخ اور سیاست کی روایات اور کردار سے پھوٹی تھی ۔

سیاسی اور عسکری شخصیتیں اور ان کے مقاصد غیر ممیز اور اٹوٹ تھے ۔ ینگ ترکس سپاہیوں اور سیاست دانوں کا مرکب تھے۔ مصطفےٰ کمال پاشا، انور پاشا، عصمت پاشا، رؤف پاشا اور طلعت پاشا جیسے لوگ پانچ صدیوں سے زائد عرصے سے سپاہی اور سیاست دان چلے آرہے تھے ۔ کیونکہ ترکی ہمیشہ برسرِ پیکار رہتا تھا۔ جرمنی کا حلیف ہونے کے ناطے ترکی نے جرمنی کے ساتھ پہلی جنگ عظیم میں شکست کھائی ۔ لیکن مصطفےٰ کمال پاشا کی قوتِ آفرین قیادت نے ترکی کی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا۔ اپنی شجاعانہ قیادت میں اتاترک نے شکست خوردہ اور پارہ پارہ ترک قوم کو جرات دلا کر یونانیوں کو زبردست شکستیں دیں، جس کی فرانس اور برطانیہ مدد کر رہے تھے۔ ترکی کی سرزمیں سے غیر ملکیوں کو نکالنے کے بعد، عسکری قوم کے عظیم ترین ہیرو نے اپنی فوجی وردی اتار دی ۔ اتاترک نے ترکی کو ایک پارلیمنٹ اور ایک دستور دیا، اس نے ترکی کو جدید بنایا، عورتوں کو آزادی دی، اتاترک نے ایک پارٹی کی حکومت بنائی اور ان ابتدائی ایام میں اس نے ترکی کے لئے مخلوط معاشیات کا حکم دیا۔

کچھ وقت گذرنے کے بعد اپنے ملک میں جمہوریت کو طاقتور بنانے کے لئے اپوزیشن بنانے کی حوصلہ افزائی کی، عصمت پاشا جوانونو کی لڑائی کے ہیرو تھے، انہیں اپنا فوجی کیریئر

ترک کر کے اپنے آپ کو مکمل طور پر سیاست کے لئے وقف کرنے کے لئے تیار کیا ، اتاترک نے اسے وزیر اعظم اور پیپلیز ری پبلکن پارٹی کا قائد بنایا، انہوں نے اکانومسٹ اور بینکر جلال بایار کی ہمت افزائی کی کہ وہ ڈیمو کریٹ پارٹی کے صدر بنیں ۔

تاریخی اسباب و وجوہات اور اپنی عظیم اور قابل فخر خدمات کے حوالے سے، فوجی روایات ترکی کے سماجی سیاسی تانے بانے میں مضبوطی اور گہرائی سے گھل مل گئیں۔ اگر اتاترک زیادہ عرصہ زندہ رہتے ، یاان کی صحت بہتر ہوتی تو وہ فوجی اثر ورسوخ اور اثرات کو ترکی کی سیاست سے باہر نکال پھینکتے۔

جب ان کا انتقال ہوا تو اتاترک اپنے پیچھے ایسی جمہوریت چھوڑ گئے جو ابھی عنفوان شباب میں تھی۔ جمہوریت کے نوجوان پودے نے کئی نشیب وفراز دیکھے، کئی دہائیوں کی حکمرانی کے بعد ری پبلکن پارٹی کو ۱۹۵۰ میں ڈیموکریٹ پارٹی نے شکست دیدی، جلال بایار، ترکی کے صدر اور عدنان میندریس وزیر اعظم بنے، تب جنرلوں نے ۱۹۶۰ میں بغاوت کے ذریعے وار کیا۔ ان کا دعوی تھا کہ ترکی خانہ جنگی کے دہانے پر پہنچ چکا تھا اور اسے روکنے کے لئے انہوں نے مداخلت کی ہے ، پاسیدہ نامی جزیرے میں ڈیمو کریٹ پارٹی کے لیڈروں کو نظر بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد رسوائے زمانہ پاسیدہ مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی، وزیر اعظم عدنان میندریس، وزیر خارجہ زور کو اور وزیر مالیات کرپیتکان کو سزائے موت دیدی گئی۔

اس افسوسناک فیصلے کے اعلان کے فوراً بعد صدر ایوب نے مجھے اپنا خصوصی ایلچی بنا کر انقرہ بھیجا کہ میں فوجی حکمران ٹولے کو قائل کروں کہ وہ اس فیصلے پر عمل نہ کریں۔ میں صدر جنرل گرسل سے انقرہ میں ملا، وزیر خارجہ سلیم ساپر موجود تھے اور ترجمانی کر رہے تھے۔ یہ گفتگو بہت اچھی رہی ، جنرل گرسل نے مجھے بتایا کہ ان سزاؤں پر عمل کرنے سے ترکی کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ اصرار سے، لیکن ادب کے ساتھ میں نے اپنی آواز اٹھا کر انہیں بتایا "مسٹر پریذیڈنٹ سر، ان سزاؤں کے ساتھ ترکی کے مسائل شروع ہو جائیں گے" جب میں ترکی کے صدر کے دفتر سے نکل چکا تو وزیر خارجہ جو میرے ساتھ تھے انہوں نے کہا " آپ پر اللہ کی برکت ہو" آج ترکی کو جس تکلیف دہ اور شدید پولرائزیشن کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس کی جڑیں ان سزاؤں میں ہیں۔ جو غلط مشوروں کا نتیجہ تھیں۔

ترکی کی مسلح افواج نے دیکھ لیا ہے کہ پولرائزیشن کا ظاہر ہونا ایک سیاسی مظہر ہے ۔ کسی سینتھیسز کا بننا اور توازن - سیاسی ارتقاء کا ایک پہلو ہوتا ہے، کسی طرح کی بھی براہِ راست یا استفادہ کرنے والی مداخلت ، جو سیاست سے نہیں بلکہ باہر سے آئے گی ، صورت حال کو مزید ابتر کر دے گی ۔ ہر ملک کی سیاسی گڑبڑ اور بے چینی کا اپنا ایک تجربہ رکھتا ہے برطانیہ میں

ٹریڈ یونینز حکومت سے برتر تصور کیا جاتا تھا۔ تاہم فوج نے ان سے نمٹنے کے لئے کبھی اقتدار پر قبضہ نہیں کیا ، ۱۹۳۱ میں جب برطانیہ عام ہڑتال کی وجہ سے مفلوج ہو کر رہ گیا تھا تب بھی مسلح افواج نے اقتدار پر قبضہ نہیں کیا۔ ۱۹۳۰ اور ۱۹۳۱ کی عظیم ڈیپریشن کے نتیجے میں امریکی حکومت تقریباً گر چکی تھی ۔ لیکن امریکی افواج نے سیاسی اقتدار پر قبضہ نہیں کیا۔ اگر پاکستان میں فوجی بغاوت کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کرنے کی مثال کو فوجی مداخلت کا جواز بنا لیا جائے تو پھر پوری دنیا میں فوج اقتدار پر قبضہ کر لے گی۔ مجھے قطعی طور پر یہ یقین ہے کہ اگر اطالوی فوج کا چیف اف آرمی سٹاف روم ٹیلی ویژن پر ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو نمودار ہو کر ، عہد نامہ جدید سے کچھ اقتباسات پڑھنے کے بعد، اٹلی کے عوام کو یہ بتاتا کہ وہ مداخلت کرنے پر مجبور ہو گیا تو میں معروضی سچائی کے ساتھ کہوں گا کہ اس کے الفاظ میں زیادہ سچائی اور وزن ہوتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا ہے اور نہ ہی ہو گا کیونکہ اس طرح سے اٹلی اور اس کا اتحاد تباہ ہو جائے گا۔

مسلح افواج کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بحران کو تقویت دے کر، حوصلہ افزائی کریں کہ اس طرح اقتدار پر قبضہ کر لیں ، جہاں کہیں بھی ایسا ہوا ہے بحران بد تر اور شدید ہوا اور حل نہیں ہو سکا۔ یہ دوبارہ ظاہر ہو کر بڑی بدی بن جاتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے یکم جنوری ۱۹۷۸ کو راولپنڈی میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ سیاسی مسائل سیاسی ذرائع سے ہی حل ہو سکتے ہیں تو اسے اس میں ان الفاظ کا بھی اضافہ کرنا چاہئے تھا" سیاسیات کے ذریعے نہیں بلکہ سیاست دانوں کے ذریعے" پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں فرانس کے وزیراعظم کلیمینسو نے ایک مدبرانہ بات کی تھی۔ یہ ایک ایسی رائے ہے جسے پاکستان کے جرنیلوں کو بھی اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے ۔ کلیمینسو نے کہا تھا، "جنگ ایک سنجیدہ کام ہے جو جرنیلوں کے سپرد کر دینا چاہیے" یہ مدبرانہ رائے یقیناً اس وقت زیادہ مستند ہے جب امن کا دور ہو، اس سارے مسئلے کی سچائی یہ ہے کہ ، تمام تر داخلی اور بیرونی سازشوں اور منصوبوں کے باوجود، اس نتیجے سے مفر نہیں ہے کہ سخت ترین آزمائش کا دن گذرنے کے بعد، میں نے صورت حال پر قابو پا لیا تھا، حتیٰ کہ اس حقیقت کو اب اپوزیشن بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی ہے ۔ حفاظتی تحویل سے رہائی پائے کے بعد، پی این اے کے رہنما نوابزادہ نصر اللہ خان نے تسلیم کیا کہ ۴ جولائی ۱۹۷۷ کو ساڑھے دس بجے ایک معاہدہ طے پایا گیا تھا ۔ میں نے اپنے تمام اعتراضات واپس لے لئے تھے ۔ اس معاہدے پر آنے والے تابع تقدیر دن کو دستخط ہوئے تھے۔

قرطاس ابیض صفحہ ۳۹۱ پر راؤ رشید کے نوٹ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۷۷ کا حوالہ دیتا ہے" امن

وامان کی صورتِ حال مسلسل بہتر ہو رہی ہے ۔ اگرچہ پی این اے کے ، پاس ابھی اتنی معقول صلاحیت اور استعداد ہے کہ وہ امن وامان کا ایک نیا بحران، مذاکرات ناکام ہونے کی صورت میں پیدا کر سکتا ہے، وقت کا فاصلہ تیزی سے ان کی اس استعداد اور صلاحیت کو کم کر دے گا۔ اسلئے جس حد تک ممکن ہو، زیادہ سے زیادہ وقت مذاکرات پر لگایا جائے۔ مستقبل قریب میں دوبارہ انتخابات کرانا، ہر نقطۂ نظر سے تباہ کن ثابت ہو گا۔

"ہر نقطۂ نظر" میں قومی نقطۂ نظر ، کسی بھی دوسرے نقطۂ نظر سے زیادہ شامل ہے، اندازاً ۴ جولائی کی رات کے ایک بجکر بیس منٹ پر یا ۵ جولائی ۱۹۷۷ کی صبح ۔ کھانے کے بعد، جب سازشی اپنا وار کر چکے تھے۔ مسٹر حفیظ پیرزادہ نے مجھے کہا "مبارک ہو، سر ، بحران ختم ہوگیا ہے" میں نے ان سے پوچھا کہ وہ یہ بات کیسے کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اپوزیشن کی بھاپ نکل چکی ہے۔ میں نے قہقہہ لگایا اور مسٹر ممتاز علی بھٹو سے کہا کہ وہ پیرزادہ کی اس اذیت ناک رجائیت کو کچھ صاف کریں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایسا کرنے کے لئے پیرزادہ کو اس وقت سکھر بیراج لے جانا ہو گا جب وہاں اونچا سیلاب آیا ہو۔ اور ہم تینوں ہنسنے لگے ۔ تیس گھنٹوں کے اندر ہم نے ایک دوسرا قہقہہ سنا ۔ وقت آنے پر، یہ بتائے گا کہ آخری قہقہہ کون لگائے گا؟

(۱۳)

وقت ختم ہوچکا ہے

اس خاص موقع پر اس قرطاس ابیض اور اس کے بعد آنے والے قرطاس ابیضوں کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ماحول کو اس حد تک بدبودار کر دیا جائے کہ اس کی وجہ سے لکڑی لگی دیواروں میں بھی چھید کر بدبو گھس جائے۔ یہ کامل ترین نمونے کا حسد و عناد ہے۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص خواہ ایک بے بس و عاجز ترین کلرک ہے یا طاقتور عدالت، اس کی رائے کو اس طرح میرے خلاف بدلا جائے کہ وہ محض ایک رائے پر اتفاق کریں مقصد صرف مجھے رسوا کرنا ہے ۔ اس مقصد اور توجہ کا اندازہ لگاتے ہوئے ، اسی کے اغراض و مقاصد کے بارے میں محتاط انداز میں یہ کہا جا سکتا ہے ایسی بے ہودہ اور قابلِ نفرین کوشش کسی بھی لیڈر کو ہراساں کرنے کے لئے نہیں کی جا سکتی۔

میرے خلاف یہ مہم بتدریج ۵ جولائی ۱۹۷۷ سے ۲۸ اگست ۱۹۷۸ تک بڑھتی چلی جا رہی ہے ، تاہم یہ اپنے عروج کو اس وقت پہنچے گی جب میری اپیل کا فیصلہ ہونے والا ہو گا۔ سپریم کورٹ کی عدالتی سماعت و کارروائی کے ساتھ ساتھ قوم پر جھوٹوں کے ایک اور پلندے کے ساتھ سواری کر لی گئی ہے ۔ جھوٹ کا یہ پلندہ ۲۸ اگست ۱۹۷۸ کو جاری کیا گیا ۔ قومی حکومت کے اس نئے نکتے میں بڑے کھوکھلے شور و غوغا کا تعلق میری حکومت کے ذرائع اطلاعات و ابلاغ کے غلط استعمال سے بتایا گیا ہے ۔ بہرحال اس طرح سے اس حکومت نے ایک بار پھر اپنے آپ کو ننگا کر دیا ہے اس حکومت کی حماقت یہ ہے کہ، یہ زہر آلود بھالے رائے عامہ کی شکل میں مخصوص وقتوں کے بعد بڑی احتیاط سے چن کر ، برسائے گئے ہیں ۔ لیکن اس کی حماقت یہ ہے کہ یہ اپنے نشانوں کو نہیں مٹا سکے۔ وہ سٹیکر جس پر ۲۸ اگست ۱۹۷۸ لکھا گیا ہے، انہیں بڑی آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے کہ ان کے نیچے اپریل ۱۹۷۸ کے الفاظ شائع ہیں یوں اصل تاریخ اشاعت کو اس سٹیکر سے چھپانے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن اسے پھر پہلے صفحے پر دہرایا گیا ہے۔ اور اس کے آخری صفحے کے نیچے پرنٹر کی طرف سے جو نوٹیفیکیشن ہے اس پر تاریخ ۷۸-۳-۲۵ ہے ۔ جس سے یہ

نشاندہی ہوتی ہے کہ چھپائی کی ڈیڈ لائن مارچ کا آخر تھا ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کچھ شک نہیں رہ جاتا کہ اس طرح جو اعتراف خود بخود ہوا ہے ، اس سے عوام اور سپریم کورٹ دونوں کو میرے خلاف تعصب اور عناد پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

مزید برآں ، لعنت ملامت کی آبشار کی یہ دوسری قسط اس وقت سامنے لائی گئی ہے جبکہ مصنفوں اور صحافیوں کو دستوں کی صورت میں گرفتار کیا جا رہا ہے ۔ نامور اور ممتاز مصنفوں کو دھمکیاں دی جا رہی ہیں کہ انہیں الٹا لٹکا دیا جائے گا ۔ مارشل لا ریگولیشن کے پردے میں پرنٹنگ پریس ہتھیائے جا رہے ہیں ۔ وہ اخبارات جو ہماری پارٹی سے تعلق رکھتے تھے انہیں وقفوں میں بند کر دیا گیا ہے اور اس حکومت نے انہیں غصب کر لیا ہے ۔ سرکاری کنٹرول میں ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے شعبوں میں، ملازموں کو سمری ملٹری عدالتوں نے سخت سزائیں دی ہیں۔ جب میں کوٹ لکھپت جیل لاہور میں تھا تو وہ صحافیوں سے بھری پڑی تھی، اب میں ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی میں ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ یہ جیل بھی صحافیوں اور ٹیلی ویژن کے ملازموں سے بھری ہوئی ہے ۔

دنیا میں کہیں بھی صحافیوں کو کوڑے نہیں مارے جاتے۔ اس فوجی حکومت کو طرۂ امتیاز حاصل ہے کہ یہ صحافیوں کو کوڑے لگا کر انعام دیتی ہے ۔ فوجی حکومت کو یہ استحقاق قطعاً حاصل نہیں کہ وہ میری حکومت کے خلاف ذرائع ابلاغ کو غلط استعمال کرنے کے متعلق قرطاس ابیض پیش کر سکے ۔ اس فوجی حکومت نے صحافت کے معزز پیشے کی توہین اور بے عزتی کی ہے ۔ یہ صحافیوں کی پیٹھ پر اسی طرح سوار ہو گئی ہے جیسے کبھی منگول گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ وہ صحافیوں پر سوار انہیں چابک مارتے ہوئے اسی طرح دوڑنے کے لئے کہہ رہے ہیں جس طرح منگول اپنے گھوڑوں کو تیز بھگانے کے لئے چابک مارتے تھے ۔ یہ دوسرا قرطاس ابیض اگر اسے ذرائع اطلاعات وابلاغ اور صحافیوں کے بارے میں کچھ بھی کہہ سکتا ہے تو اس کا نام "جانوروں پر رحم کیجئے" رکھنا چاہئے۔ اس حکومت نے اپنے تراشے ہوئے جو بڑ پریس کے علاوہ، اس حکومت نے جو سلوک روا رکھا ہے وہ اس میم صاحب کے سلوک سے بھی بدتر ہے ، جو وہ برطانوی راج کے دنوں میں اپنے پالتوؤں سے کرتی تھی

اس یک طرفہ، غلیظ پروپیگنڈے، تعصب اور عناد کے اس شرمناک مظاہرے کا موازنہ ان کے ان تضادات سے کرنا چاہئے کہ جب میری بند کمرے میں بھی اپنے مقدمۂ قتل میں صفائی پیش کرنے کی درخواست مسترد کر دی تھی اور بیماری سے علاج کے لئے مجھے ہسپتال منتقل کرنے کی درخواست بھی ٹھکرا دی گئی تھی میں پھانسی کی کوٹھڑی میں ہوں۔ میری بیوی کا سر اس حکومت نے بڑی بہادری سے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۷ کو قذافی سٹیڈیم میں پھاڑ دیا جس پر لاہور ہائی

کورٹ کے چیف جسٹس نے اگلے دن کہا تھا "اگر تم پریشان ہو تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں" میری اس بیوی کو گیارہ ماہ تک نظر بندی میں رکھا گیا، اس کی نظربندی کو سندھ ہائی کورٹ نے غیر مؤثر قرار دیدیا تھا ۔ فوجی حکومت اس کی رہائی سے بہت پریشان ہوئی ۔ میرا کزن ممتاز علی بھٹو جیل میں ہے ۔ پی پی پی کے بیشتر رہنما اور کارکن یا تو نظربند ہیں یا جیلوں میں ہیں۔

ایسے حالات و واقعات میں، یہ امکان کہاں رہ جاتا ہے کہ آلودگی کو پاک کیا جاسکے ؟ اپنے اس جواب دعویٰ کا بیشتر حصہ میں نے کاغذ کو اپنے گھٹنے پر رکھ کر لکھا ہے۔ کئی بار تھکن سے میری آنکھیں دھندلا گئیں اور سر چکرانے لگا۔ ایک بے بصیرت ، کور چشم اور عناد رکھنے والا شخص یہ دلیل دے سکتا ہے کہ آخر قرطاسِ ابیض کے بارے میں یہ جو سارے نکات اٹھائے گئے ہیں ان کا حاصل کیا ہے؟ اس کا جزوی جواب تو قرطاسِ ابیض میں نہیں ملے گا لیکن وہ مقصد جو قرطاسِ ابیض پر فائق دکھائی دیتا ہے اسمیں اس کا جواب موجود ہے ۔ یہ اسکا انتہائی جامع جواب ہے۔

اس جواب دعوے میں جتنے امور پر بحث کی گئی ہے اس کا براہ راست اور تفصیلی تعلق قرطاس ابیض سے ہے ، جس میں سے پی این اے کے اس رویے کو خارج کر دیا گیا ہے جس کا مظاہرہ پی این اے نے مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات میں کیا تھا۔ یہ تمام امور مارشل لا کے نفاذ سے جنم لیتے ہیں ۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو غیر متعلقہ اور جداگانہ ہو۔ نہ ہی کسی ایک کو دوسرے کے بغیر مناسب انداز میں سمجھا ہی جاسکتا ہے ۔ قرطاسِ ابیض میں جس طرح جھوٹ کو تراش خراش کر پیش کیا گیا ہے ، اس کے برعکس میں نے سب امور کو حقائق کے ساتھ پیش کیا ہے اور کسی بھی غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میرا یہ جواب ان سیاسی تصورات سے تہی ہوتا اور یہ تحریر اپنے مصنف کے شایانِ شان نہ ہوتی۔ مارشل لا کے نفاذ کے بعد برصغیر میں رونما ہونے والی تبدیلیاں، افغانستان اور پاکستان کے مابین تعلقات کی نوعیت، نیو کلیر پراسسینگ پلانٹ کا مستقبل، جانبداری اور غیر جانبداری، یہ تمام ایسے موضوعات ہیں جن کا پاکستان کی تقدیر کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے ۔ موجودہ صورت حال کی متوازن تصویر پیش کرنے کے فریضے کی کسی بھی مجبوری اور قید سے ماوراء، یہ قاری کے ساتھ زیادتی ہوگی کہ اس کی جھوک کی تحدید کر دی جاتی ۔

قرطاسِ ابیض کے مرتبین کو اپنے انگلش گرامر کے علم پر ناز ہے۔ اور اس کے تعارف میں انہوں نے دوسروں کی غلطیوں کی وضاحت پیش کی ہے ۔ کوئینیز انگلش میں میرا علم شاید اتنا ترقی یافتہ نہیں ہے جتنا کہ قرطاسِ ابیض کے کئی مرتبین کا - حتیٰ کہ اگر ایسا ہوتا بھی تو میں انگلش گرامر کی غلطیوں پر معذرت نہ کرتا۔ میں تو سیاسی گرامر کی غلطیوں پر معذرت کرتا۔ اگر کوئی خیال واضح طور پر یا مؤثر انداز میں پیش نہیں کیا جاسکا ، اگر سیاسی تجزیہ میں کوئی نقص ہے

اگر منطق میں کوئی خامی ہے تو میں معذرت کروں گا لیکن قاری کو یہ بھی یاد دلاؤں گا کہ میں لگ بھگ ایک سال قیدِ تنہائی اور چار مہینوں سے زائد عرصے سے پھانسی کی کوٹھڑی میں پڑا ہوں۔

میرے خلاف کارروائی کا آغاز ۵ جولائی ۱۹۷۷ سے اور اس کے بعد شروع ہو گیا۔ اگر فوجی بغاوت نہ ہوئی ہوتی تو بیگم نصرت بھٹو سپریم کورٹ میں مارشل لا نفاذ کو چیلنج کرنے کے لئے آئینی درخواست دائر نہ کرتیں، میں گرفتار ہی نہ کیا جاتا ۔ میرے خلاف فوجداری مقدمات درج نہ کئے جاتے۔ مجھے مارشل لا کے ریگولیشن نمبر ۱۲ کے تحت نظربند نہ کیا جاتا۔ لاہور میں مقدمے کی سماعت کی عدالت معرضِ وجود میں نہ آتی ، یہ اپنے آپ ہی خود کو بند عدالت میں تبدیل نہ کرتی۔ میں موت کی کوٹھڑی میں نہ ہوتا ۔ اور موت کی سزا کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل بھی نہ کی جاتی۔

اس درد اور تکلیف کو کشادہ کرنے اور پھیلانے کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ مارشل لا کے آغاز سے لے کر ، سپریم کورٹ نے اسے جو استحکام دیا، تک کے ہر واقعے اور معاملے کا تعلق جہاں تک بھی ہو سکتا ہے میری ذات کے ساتھ بنتا ہے ایک کیس کو دوسرے کیس سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں کہ مختلف فیصلے سنائے جائیں اور مختلف سزائیں دی جائیں۔ اور نہ ہی ایک کیس میں جس عناد اور بغض کی کمی بیشی کو بھی دوسرے کیس سے جدا کیا جاسکتا ہے ۔ ایک سابق صدر اور وزیر اعظم کے خلاف ان الزامات کی سماعت کے لئے جو بظاہر جوڈیشل ٹریبونل تشکیل دیا گیا ہے اس کے سربراہ لاہور ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس شفیع الرحمن ہوں گے۔ اس سپیشل ٹریبونل کی کارروائی ۱۰ مارچ ۱۹۷۸ کو کوٹ لکھپت جیل لاہور میں شروع ہوئی۔

مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن کی سربراہی میں اس سپیشل ٹریبونل میں اس فوجی حکومت نے مجھ پر جو فوجداری الزامات عائد کئے ۔ ان فوجداری الزامات میں سے ایک کا براہِ راست تعلق اس قرطاسِ ابیض سے ہے جسے اس فوجی حکومت نے شائع کیا ہے ۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فوجی حکمرانوں نے ایک سپیشل ٹریبونل اس لئے قائم کیا کہ یہ معلوم کر سکے کہ کیا میں نے وہ جرم کیا ہے جو ایک ۱۰۴۴ صفحات کی دستاویز جس میں ۳۴۲ ضمیمہ جات بھی شامل ہیں اس حکومت نے شائع کیا ، جس کا واحد مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ میں اس الزام میں قطعی طور پر مجرم ہوں، جو مجھ پر اس سپیشل ٹریبونل میں عائد کیا گیا ، جس کے سربراہ مسٹر جسٹس شفیع الرحمن ہیں۔ اب فیصلہ کرنے کے لئے باقی کیا رہ گیا ہے ؟ فوجی حکمرانوں نے اپنا فیصلہ اس ٹریبونل کو دیدیا ہے جسے انہوں نے قائم کیا تھا۔

ہماری انٹیلیجینس میں ایک معمولی سا عنصر ان لوگوں کا بھی شامل ہے جو بال کی کھال اتارنے کے ماہر ہوتے ہیں، اگر بال کی کھال اتارنے والے دلائل کے ذریعے یہ کہتے ہیں کہ اس

قرطاسِ ابیض اور سپیشل ٹریبونل یا سپریم کورٹ کی اپیل میں کوئی واسطہ یا تعلق نہیں ہے ، تو پھر بال کی کھال نہ اتارنے والے دانشوروں کی بے پناہ اکثریت اس بات کو فوجی حکومت کے تعصب اور عناد سے بھی گہرا قرار دے گی۔ ان میں ایک قطعی ربط ہے اور ان میں ٹھوس باہمی تعلق پایا جاتا ہے ۔ تمام عذاب اور ہر آسانیاں تمام فوجداری اور دیوانی الزامات اور مقدمات کا سراغ جاکر مارشل لامیں مِل جاتا ہے ۔ قرطاسِ ابیض کا مقصد بھی سپریم کورٹ کے فیصلے پر اثر انداز ہونا ہے ۔ اس میں فیصلے کی غلط شرع ترجمانی اور تشریح کی گئی ہے Oletadicta اس میں RatioDissiddnda بن کر ظاہر ہوتا ہے ۔

اپنی اس کوشش میں کہ ماحول کو پوری طرح زہریلا بنایا جائے، قرطاسِ ابیض نے یہ کوشش کی ہے کہ عوام کو اور بطور خاص ان لوگوں کو، جن کا تعلق میری قسمت سے ہے ، اس وقت میرے خلاف متعصب اور پُر عناد بنا دیا جائے۔ قرطاسِ ابیض حسد اور عناد سے شرابور ہے ۔ میں پہلے ہی یہ ذکر کر چکا ہوں کا الیکشن کمیشن کے سیکرٹری مسٹر اے۔ زیڈ فاروقی کے ذریعے قرطاسِ ابیض نے میرے خلاف ناراضگی اور نفرت کو پھیلانے کی کوشش کی ہے ۔ چیف الیکشن کمشنر نے اس سلسلے میں کوئی گواہی نہیں دی کہ میں نے مبینہ طور پر انہیں ٹیلی فون پر قائد اعظم اور علامہ اقبال کی تشہیر روکنے کے لئے کیا کہا تھا ۔ نہ ہی اُنہوں نے یہ بات اب کہی ہے اور نہ ہی انہوں نے یہ بات پہلے کہی تھی۔ لیکن، مسٹر اے زیڈ فارقی جو مسٹر این اے فاروقی کے بھانجے اور جو بڑے سلطانی وعدہ معاف گواہ مسعود محمود کے بہنوئی ہیں، انہوں نے ان رسوا اور بدنام حتمی بیانات میں سے ایک ضمنی بیان میں کہا ہے کہ چیف الیکشن کمشنر نے انہیں ٹیلی فون پر بتایا تھا کہ میں نے چیف الیکشن کمشنر کو ٹیلی فون پر کہا تھا "کیا آپ ہماری پبلسٹی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں؟ آپ قائد اعظم اور اقبال کا حوالہ کیوں دیتے چلے جارہے ہیں؟"

قرطاس ابیض کا یہ سفید جھوٹ کسی برف کو نہیں کاٹ سکے گا ۔ یہ واقعات ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو تو رونما نہیں ہوئے تھے۔ جب میری حکومت نے قائد اعظم اور علّامہ اقبال کے جشن صد سالہ کا اہتمام کیا تو اپوزیشن کے رہنماؤں نے مجھ پر اقبال پر روپیہ ضائع کرنے کا الزام لگایا تھا۔ ان شاندار صد سالہ جشنوں اور تقریبات پر مجھ پر الزامات عائد کئے اور قائد اعظم اور علامہ اقبال کی جو پبلسٹی کی گئی تھی اس پر شدید تنقید کی تھی ۔ انہوں نے بانئی پاکستان کی تذلیل کی اور پوری سفاکی سے ان پر حملے کرتے رہے ، آج کے دن تک، وہ لوگ مارشل لاء کی روشنیوں میں ہیں، قائد اعظم کے مقبرے یا ان کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے نہیں گئے۔ انہوں نے قائد اعظم کو اپنا قائد تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے ۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۷۶ کو میں نے قائد اعظم کے صد سالہ جشن پر پارلیمنٹ سے خطاب کیا تھا۔ اپنی اس تقریر میں میں نے قائد اعظم کی مخالفت اور تنقید کا جو

مودودی اور اس کی جماعت اسلامی نے کی تھی، تفصیلی تجزیہ کیا تھا۔ قائد اعظم کی تصویر کو مخاطب کرتے ہوئے میں نے کہا تھا،

"جب آپ شوکتِ اسلام اور مسلمانوں کے فخر و افتخار کی جدوجہد کر رہے تھے تو انہوں نے آپ کو سب سے زیادہ برا بھلا کہا اور بدنام کیا جو اس خطے میں اسلام کی تقدیر اور مسلمانوں کے دعویدار بنتے تھے میں جانتا ہوں کہ آج وہ آپ کا احترام کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آج وہ اخبارات میں ایسے مراسلے شائع کراتے ہیں، جن میں آپکے کردار اور شخصیت کی ثنا خوانی ہوتی ہے ۔ لیکن آپ کی زندگی میں، جب آپ جدوجہد کے میدان میں تھے، جیسا کہ آپ نے ایک بار لاہور میں کہا تھا جب آپ اپنے خون کو پانی بنا رہے تھا۔ تب انہوں نے کیا کہا تھا؟ اُن مولاناؤں ، اور مولویوں" نے جن کا آپ نے عوام میں ذکر کیا، اس وقت کیا کر رہے تھے؟ کیا آپکے ایمان پر حملہ کرنے میں اُنہوں نے کوئی ہچکچاہٹ محسوس کی؟ آپ اسلام پر اپنے ایمان کی نمائش نہیں کرتے تھے۔ یہ ایمان آپ کے دل کی گہرائیوں میں تھا۔ ان میں سے ایک بدزبان شخص نے آپکو کافرِ اعظم" کا نام دیا تھا۔"

میرا خیال ہے کہ اس اہم تقریر کو قومی اسمبلی کے آرکائیوز سے نکال دیا گیا ہو گا۔ کچھ بھی ہو، محب وطن یہ کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ مودودی اور جماعت اسلامی نے قائد اعظم کی شدید مخالفت کی تھی۔

(ا) وہ لوگ جو آغاز سے اسلام کا علم نہیں رکھتے، جو اپنے آپ کو اس لئے مسلمانوں کی قیادت کا مجاز سمجھتے ہیں کہ وہ مذہبی سیاست یا مغربی طرز کی تنظیم کے خصوصی ماہر ہیں اور وہ اپنی قوم کی محبت میں بھیگے ہوئے ہیں ، تو اس طرح اپنا اظہار کرتے ہوئے وہ اسلام کے بارے میں اپنی قطعی لاعلمی ثابت کرتے ہیں اور غیر اسلامی ذہنیت رکھتے ہیں۔

(ب) وہ جو کہ لفظ "مسلم" سے دھوکہ کھا کر اپنے آپ کو بطور مسلم منظم کرتے ہیں، وہ جاہلیت کی راہ اختیار کرتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی تنظیم اسلامی نقطۂ نظر سے مفید اور کارآمد ہوگی ، ان کی حماقت پر ماتم کرنا چاہئیے ۔

(ج) کتنے افسوس کی بات ہے کہ لیگ کے قائد اعظم سے لے کر ، لیگ کے پیرو کاروں تک، ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جن کا ذہن اسلامی ہو، جو اسلام کو سمجھتا ہو اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات و امور کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھ سکتا ہو۔

(د) ایک مسلمان کی حیثیت سے، مجھے مسلمانوں کی ریاست قائم کرنے یا ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان کی حکومت بنائی جائے ، اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے ۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے قائد اعظم کے جشن صد سالہ پر پارلیمینٹ میں کہا تھا" ہم جانتے ہیں کہ وہ ہمیں کافر" کہتے ہیں ۔ ایسا کہتے ہوئے دراصل وہ اس جنگ کو جاری رکھے ہوئے ہیں جو انہوں نے قائد اعظم کی زندگی میں شروع کی تھی" اس تقریر کے ایک سال سے کچھ زیادہ عرصے کے بعد لاہور ہائی کورٹ نے اپنے فیصلے میں مجھے نام نہاد مسلمان، بنادیا۔ اس وقت جبکہ میں اس انتہائی عفونت زدہ موت کی کوٹھڑی میں بیٹھا ہوں ۔ میں جانتا ہوں کہ اس تاریخی دن، پارلیمنٹ میں میرے الفاظ کتنے سچے تھا" اب قائد اعظم پر حملہ کرنے کی کون جرأت کر سکتا ہے؟ یہ تو بغاوت ہوگی۔ اسی لئے اب اس حملے کا رُخ ان کی طرف کر دیا گیا ہے جو پاکستان کی سربراہی کر رہے ہیں۔ ہاں اگر آپ قائد پر حملہ نہیں کر سکتے تو آپ اب بھی ان کے وارثوں پر حملہ کر سکتے ہیں"

کشمیر اور حمود الرحمن کمیشن کے بارے میں جو مسخ شدہ اور بے بنیاد حوالہ قرطاس ابیض کے صفحہ ۱۰۷ پر دیا گیا ہے، اس کا پہلے بھی جواب دے چکا ہوں۔ یہاں میں یہ ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو من مانی توڑ پھوڑ کی گئی ہے اس کا مقصد عوام کو میرے خلاف برگشتہ کرنا اور مسلح افواج میں غلط فہمیاں پیدا کرنا ہے۔

موجودہ سچوئیشن کے حوالے سے ، اس جنگ کا پلان، جو فوجی حکمرانوں کے ماڈل پلان پر استوار ہے، اور جو پاکستان کی فتح کا پلان ہے ۔ اس کے تحت مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو غلیظ اور گمراہ کن پروپیگنڈے سے منفعض کیا جائے ۔ بطور خاص عدلیہ کو متعصب بنانے کی کوشش کسی تفصیل کی محتاج نہیں ہے ۔ قائد اعظم اور علامہ اقبال کے بارے میں وحشیانہ جھوٹ پھیلا کر، عدلیہ کو ناراض کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک بار پھر ہر جگہ حاضر وموجود رہنے والے سیکرٹری الیکشن کمیشن مسٹر اے زیڈ فاروقی کی خدمات حاصل کی گئیں کہ وہ یہ کہیں کہ انہیں حیات محمد ٹمن نے یہ کہا تھا کہ وہ ججوں کے بارے میں پریشان نہ ہوں، کیونکہ وہ تو چھوٹی چھوٹی مراعات کے لئے حکومت کے پاس آتے ہیں ، ان کا انتظام کر لیا جائے گا ، یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ دلچسپ اور حیران کن دھوکہ دہی جو صفحہ ۳۳ پر دی گئی ، کافی نہیں سمجھی گئی اور اس یقین کے لئے کہ یہ اہانت اصل گھر تک پہنچ جائے قرطاس ابیض نے اسے اپنے طریقے سے صفحہ ۴۴ پر پھر دہرایا ہے۔ میں یہ قطعی طور پر واضح کر چکا ہوں کہ مسٹر ٹمن ایسی احمقانہ بات نہیں کر سکتے اور عدلیہ کی ایسی اہانت نہیں کر سکتے، ایسے لوگ تو اتنے محتاط ہوتے ہیں کہ وہ کسی سب انسپکٹر کو یا ایک پٹواری یا تحصیلدار کو بھی ناراض نہیں کر سکتے، اس بہتان کا اطلاق ٹمن جیسے آدمی پر نہیں ہو سکتا ۔

سپریم کورٹ میں بیگم نصرت بھٹو کی آئینی درخواست کی سماعت اور فیصلے کے بارے میں قرطاس ابیض میں کئی حوالے دئے گئے ہیں ۔ اگرچہ یہ حوالے اہم اور خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ جہاں تک میں ان میں سے زیادہ اہم حوالوں کو جمع کر سکا ہوں ، وہ

صفحات ۲۰۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۸، ۲۵۹، ۲۶۶، ۳۳۹ - ۳۳۸، ۳۹۵ - ۳۹۳، اور ۴۰۰ پر ہیں۔ اس کیس میں سپریم کورٹ کا ہر ریفرینس جسکا تعلق اس مسئلے سے ہے، جس کا میں نشانہ بنایا گیا ہوں ، مساوات دیکھنے والی نگاہ میں احتمالی اور قیاسی پہلو واضح ہیں۔ میرے تمام مقدمات اور کرسچینو ملز مارشل لاکی ضمنی پیداوار سے جنم لیتے ہیں۔ ان حوالوں میں توڑ پھوڑ کی گئی انہیں مسخ کیا گیا ہے ، سپریم کورٹ کی سماعت اور فیصلوں کو توڑ مروڑ کر کئی مقامات پر پیش کیا گیا ، مارشل لاکی ضرورت جیسے موضوع کو بلامقصد نظر انداز نہیں کیا گیا۔ ہر حوالہ باتھ سے چن کر نشانے ذوالفقار علی بھٹو پر تیر کی طرح پھینکا گیا ہے۔ جس نے سپریم کورٹ میں سزائے موت کے خلاف اپیل کر رکھی ہے جو لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے سنائی تھی اس مقصد کو بے نقاب کرنے اور حسد و عناد کی حد کی نشاندہی کرنے والی، میں صرف دو مثالیں دوں گا۔

(ا) قرطاس ابیض کے صفحہ ۲۰۵ پر بیان کیا گیا ہے۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۷۷ کو سپریم کورٹ کے سامنے اپنے بیان میں، مسٹر اے۔ کے بروہی کے پاس فیڈرل سیکورٹی فورس کو بے نقاب کرنے کے لئے کچھ اور لرزہ خیز تفصیلات تھیں۔ ان کے بیان کے مطابق میاں محمد عباس بھی اس ڈیمولشنگ سکواڈ کے قیام میں اہم اور بنیادی کردار ادا کر رہا تھا، اس سکواڈ کے قیام کی غرض وغایت یہ تھی کہ ایک ایسا ڈھانچہ بنایا جائے جو اپوزیشن کی سیاسی پارٹیوں کے جلسوں میں گڑبڑ کریں اور انہیں توڑ پھوڑ دیں ۔ مسٹر راؤ رشید بھی ایف ایس ایف کے دوسرے سینئر افسروں کی طرح بم چلانے والے، ماہر نشانہ بازوں اور خنجر چلانے والے سکوراڈز کے قیام کا ذمے دار تھا۔"

یہ ایک مقدمۂ قتل میں استغاثے کا کیس ہے ۔ دو وعدہ معاف گواہوں اور شریک ملزموں نے جو بیانات دئیے ہیں ان کے مطابق یہ فیڈرل سیکورٹی فورس کی غلط تشریح ہے ۔ صفائی نے بڑی شدت سے ان تشریحات کی تردید کی تھی اور اس نکتے پر زور دیا تھا کہ وعدہ معاف گواہوں، ساتھیوں اور شریک ملزموں کی گواہیاں بے بنیاد اور جھوٹی ہیں۔ تاہم مقدمے کی سماعت کرنے والی عدالت نے استغاثہ کی اس کہانی کو تسلیم کر لیا تھا ۔ لیکن اس اپیل میں، محمد عباس شریک ملزم شریک اپیل بھی ہے دوسرے شریک ملزمان اور شریک اپیل کا بھی اس سے گہرا تعلق ہے۔ بہرحال انہیں اس پر تشویش ہے یا نہیں ، میں بہرحال فریق ہوں فیڈرل سیکیورٹی فورس کا بھی اس سے تعلق ہے ، فیڈرل سیکورٹی فورس کی سرگرمیاں اور اس کا کردار اس اپیل کا موضوع و مسئلہ ہے۔ اپیل کی سماعت کے عین درمیان قرطاس ابیض مستند کہانی کی

طرح دخل اندازی کرتا ہے۔ جو کہ استغاثہ کی جھوٹی کہانی ہے۔ جو ان بڑی معروضات میں سے ایک ہے جس کا فیصلہ کرنے کے لئے سپریم کورٹ کے حضور رکھا گیا ہے سپریم کورٹ کے لئے یہ ایک بر وقت یاد دہانی ہے کہ دس اکتوبر ۱۹۷۷ کو مسٹر اے کے بروہی جو اس وقت مستغیث کے وکیل تھے اور اب وزیر قانون ہیں۔ اُنہوں نے یہی بات سپریم کورٹ کو بتائی جو استغاثہ نے بعد میں مقدمے کی سماعت سننے والی عدالت کو بتائی تھی۔ اور چند دنوں کے بعد ایک بار پھر سپریم کورٹ میں دہرائی جائے گی ۔ ہر ایک شخص کو مزید عناد اور مخالفت کی اثر اندازی کے لئے قرطاس ابیض مسٹر اے۔ کے بروہی کے اس بیان کو جو سپریم کورٹ میں پیش کیا گیا۔ اس طرح بیان کرتا ہے "کچھ اور لرزا دینے والی تفصیلات جو فیڈرل سیکورٹی فورس کے متعلق تھیں" پہلی بات جو مقدم رکھنی چاہئے یہ ہے کہ قرطاس ابیض کا بنیادی موضوع تو میری حکومت اور سرکاری افسروں کی عام انتخابات میں دھاندلی ہے۔ فیڈرل سیکورٹی فورس کے انتخابات میں مبینہ کردار کے بارے میں سلطانی وعدہ معاف گواہ مسعود محمود کا وہ بیان صفحہ ۲۰۳ پر نقل کرتا ہے جو ۵ اگست ۱۹۷۷ کو لاہور ہائی کورٹ میں توہین کے مقدمے میں دیا گیا تھا۔ اپنے اس بیان میں، اس وقت کے فیڈرل سیکورٹی فورس کے ڈائریکٹر جنرل نے یہ کہا تھا کہ انہیں جو واحد فریضہ انتخابات کے لئے سونپا گیا "سیاسی معلومات جمع کرنا" اور "ان شخصیتوں کے جملہ کوائف مکمل کرنا تھا جو انتخابات میں حصہ لینے کے اہل یا دعویدار تھے"

اس کے بعد وہ یہاں یہی بتاتا ہے کہ اس نے یہ ذمہ داری اس وقت کے ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل (آپریشنز) مسٹر حبیب الرحمن کو سونپ دی جو میری تنظیم میں تیسرے نمبر پر تھے یہ نوٹ کرنا بے حد مناسب وضروری ہے کہ اس وقت کے ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل (آپریشنز) مسٹر حبیب الرحمن اس وقت صوبۂ پنجاب کی پولیس کے انسپکٹر جنرل ہیں ۔ فیڈرل سیکورٹی فورس میں وہ افسر انچارج برائے آپریشنز تھے۔ اگر فیڈرل سیکورٹی فورس کے متعلق مسٹر اے کے بروہی لرزہ خیز تفصیلات ، جو اُنہوں نے ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۷ کو سپریم کورٹ کے سامنے بیان کیں، پر اگر یقین کر لیا جائے اور اگر اسی طرح سنسنی خیز لیکن اس کے مساوی جھوٹ پر مبنی استغاثہ کی کہانی بھی درست ہے تو پھر مسٹر حبیب الرحمن ایف ایس ایف کے آفیسر انچارج آپریشنز کو سلطانی گواہ یا اعتراف جرم کرنے والا شریک ملزم یا مقدمے میں شریک ملزم ہونا چاہیئے تھا۔

لیکن وہ افسر انچارج جو براہِ راست اس ذہنی اور قیاسی "ڈیمویشنگ سکواڈ، بم چلانے والوں، تیز نشانہ بازوں اور خنجر گھونپنے والوں کا انچارج تھا وہ اس فوجی حکومت میں صوبہ پنجاب کی پولیس کا انسپیکٹر جنرل ہے۔ اس کا بھائی جنرل مجیب الرحمن اسلام آباد میں سیکرٹری وزارت اطلاعات ہے ۔ اور اس قرطاس ابیض کو عالمگیر پبلسٹی دینے کا ذمہ دار ہے ۔ سلطانی گواہ مسعود

محمود کا یہ بیان کہ انتخابات میں فیڈرل سیکورٹی فورس کو صرف یہ ذمے داری سونپی گئی تھی کہ وہ متوقع امیدواروں کے بارے میں معلومات حاصل کرے، اس کی تصدیق قرطاس ابیض نے صفحہ ۲۰۵ پر کی ہے ۔

"سرکاری ریکارڈ سے بھی یہ حقیقت ، ثابت ہوتی ہے کہ آپریشن وکٹری، کے تحت پی پی پی کے متوقع امیدواروں کے بارے میں ایسا مواد جمع کیا گیا تھا تاکہ ان کو انتخابات میں پارٹی کی ٹکٹ دینے کے لئے ان کی موزونیت کا اندازہ لگایا جاسکے"

تین ماہ کی پر جوش انتخابی مہم کے درمیان، اپوزیشن کے کسی ایک جلسے یا جلوس میں کوئی ہنگامہ آرائی ہوئی نہ انہیں منتشر کیا گیا۔ انتہائی شدید دباؤ سے بوجھل انتخابی مہم کے دوران اپوزیشن نے ایسا کوئی الزام عائد نہ کیا ، انتخابی مہم کے آخری دن کے خاتمے پر اپوزیشن کے بعض رہنماؤں نے انتظامات پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ ان میں سے کسی نے بھی ایسی شکایت نہیں کی کہ ان کے جلسے یا جلوس کو درہم برہم کرنے یا توڑنے کی کوشش کی گئی ہو۔ پورے قرطاس ابیض میں ایسی کوئی بات نقل کی گئی، نہ حوالہ دیا گیا، جن کا تعلق مسٹر اے کے بروہی کی ان معروضات سے ہو ۔ جو اُنہوں نے ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۷ کو فیڈرل سیکورٹی فورس کے کردار کے بارے میں سپریم کورٹ کے سامنے پیش کیں۔ قرطاس ابیض اور ان ریمارکس کے درمیان قطعی طور پر کوئی تعلق یا واسطہ نہیں ہے ۔ قرطاس ابیض اور ان ریمارکس کے ساتھ واحد تعلق -میری اپیل سے بنتا ہے۔

قصوری کا قتل

ایف ایس ایف کے متعلق "لرزہ خیز تفصیلات ، میاں محمد عباس کا کردار بسلسہ ڈیموینشنگ سکواڈز، بم چلانے والوں کے سکواڈ کا واسطہ انتخابات سے ہے نہ انتخابات میں ایسی کوئی شکایت کی گئی۔ ان کا تعلق میرے مقدمے اور سپریم کورٹ میں میری اپیل میں اہمیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کے سبب مسٹر اے کے بروہی کے یہ خصوصی اور رسیلے ریمارکس، قرطاس ابیض کے موضوع سے کوئی ربط نہ رکھنے کے باوجود قرطاس ابیض میں ان کی پیوند کاری کی گئی۔ ان ریمارکس کے متعلق سپریم کورٹ نے کوئی نتیجہ نہیں نکالا تھا۔ لیکن یہ کسی مبتدی کے لئے واضح نہیں ہو سکے، مقصد یہ ہے کہ اپیل کی سماعت کے دوران استغاثہ کو طاقتور اور مؤثر بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ سہارا دیا جائے۔ اور باتوں کے علاوہ، ایف ایس ایف کا مبینہ کردار، میاں محمد عباس اور ایف ایس ایف کے دوسرے سرکاری اور اہم ملازموں کے قصوری

کے والد کے قتل میں شریک کیا جائے ۔ اگر مسٹر اے کے بروہی ایف ایس ایف کے ٹھیک نشانہ بازوں کے بارے میں صحیح کہتے ہیں اور اگر استغاثہ کی یہ بات بھی مان لی جائے کہ یہ قتل ایف ایس ایف کا کام تھا تو پھر فورس کو ایسے ٹھیک نشانہ بازوں، کو بھرتی نہیں کرنا چاہیئے تھا جو ایسا بھدا اور بے ہنگم کام کرتے ہوں۔

قرطاسِ ابیض کے صفحہ ۳۳۸ اور ۳۳۹ بر انتخابات کے بارے میں سپریم کورٹ کی آراء کو اس انداز سے یہ تأثر پیدا کرنے کے لئے پیش کیا گیا ہے کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ قرطاسِ ابیض کا ہم خیال ہے ۔ سپریم کورٹ کی یہ رائے عدلیہ کی تحقیقات و نتائج کے لئے کہ اس ضمن میں بے اطمینانی صحیح تھی بہتر تھی سرکاری ریکارڈ طلب نہیں کیا گیا" کو صفحہ ۳۳۹ پر درج کیا گیا ہے ، لیکن یہ ایسے ہی ہے جیسے مسخ شدہ حقیقتوں ، آدھی سچائیوں اور جعلی جھوٹ کے سمندر میں پانی کا ایک قطرہ ہو"

عام حالات میں، میں سپریم کورٹ سے درخواست کر سکتا تھا کہ اس قرطاسِ ابیض پر پابندی کا حکم صادر کیا جائے۔ کیونکہ یہ مسٹر شفیع الرحمن کے خصوصی ٹریبونل کے انصاف کی راہ کو پہلے سے متأثر کرتا تھا اور سپریم کورٹ میں میری اپیل کے خلاف شدید تعصب اور عناد پیدا کرتا ہے ۔ عام حالات میں، میں ایسی تمام سرکاری دستاویزات کے لئے پابندی لگانے کی درخواست کر سکتا تھا جو قرطاسِ ابیض کے مزید مقاصد کی بر آوری کے لئے ابھی جاری کی جانے والی ہیں اور ان پر اس وقت تک پابندی لگا دی جائے جبتک سپیشل ٹریبونل اور سپریم کورٹ اپنے فاضلانہ فیصلے صادر نہیں کرتے ۔ عام حالات میں، میں یہ درخواست بھی کر سکت ا تھا کہ اس حکومت کے اس یکطرفہ معاندانہ اور جھوٹے پروپیگنڈے کا جواب دینے کے لئے مجھے ضروری اور مناسب سہولتیں فراہم کی جائیں۔

پاکستان کے شہری اور اس کے سابق صدر اور وزیر اعظم کی حیثیت سے یہ میرا ناقابلِ انتقال حق ہے کیونکہ جس طریقے سے اس فوجی حکومت نے مجھے رسوا اور بدنام کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اس سے نہ صرف اس ملک کے سب سے بڑے انتخابی عہدے کو ہی بلکہ ملک کو بھی ناقابلِ بیان نقصان پہنچا ہے۔ چونکہ عدلیہ کے طریق عمل میں جواب کا حق عدلیہ کا ایک لازمی حصہ ہے، اور چونکہ اس قرطاسِ ابیض کے ذریعے سپریم کورٹ میں میری اپیل کے اوپر مہیب سایہ کر دیا گیا ہے، اسی لئے پاکستان کے عوام کا یہ حق ہے کہ وہ میرے دفاع تک کسی بھی رکاوٹ کے بغیر رسائی حاصل کر سکیں۔ پبلسٹی کی ایک رعایت کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنے وقار کے دفاع اور اپنی بے گناہی کو ثابت کرنے کے حق کے طور پر۔ حق کو نہ کم کیا جا سکتا ہے نہ اس کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔ اسی لئے ۲۸ اگست ۱۹۷۸ کو جاری کئے جانے والے پروپیگنڈے کے اس

مالیخولیا کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئیے۔ بیگم نصرت بھٹو کی رٹ درخواست کی سماعت کے دوران مدعا علیہ کے وکیل نے سپریم کورٹ کی اجازت حاصل کرنے سے پہلے تمام مواد پریس کے لئے جاری کر دیا تھا۔ یہ قتل کے خلاف ایک اپیل ہے، جس پر میری جان داؤں پر لگی ہوئی ہے۔

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ یہ ایک شاہکار ہے قرطاس ابیض کا خاتمہ ایک اختتامیے پر کیا گیا ہے۔ اس نے مجھے تاریخ سکھانے کی گستاخی کی ہے۔ اس دستاویز کے مرتبین نے نپولین کا حوالہ دے کر تاریخ کی توہین کی ہے۔ جس طرح ۲۸ مارچ ۱۹۷۷ کو میری قومی اسمبلی کی تقریر کو یہ مصنفین اس کے اس نکتے کو سمجھنے میں ناکام رہے اور میری تقریر کو غلط رنگ دیا، اسی طرح نپیولین کے ریمارک کے بارے میں یہ فلسفیانہ ریمارک اس قابل رحم مخلوق پر ضائع ہو گیا۔ بہرحال اگر وہ نپولین کے ریمارک کی لفظی تشریح ہی کرنا چاہتے ہیں کہ نپولین کا یہ ریمارک کہ تاریخ ایک فرضی حکایت ہے تو اس لحاظ سے یہ قرطاس ابیض تمام قصوں کہانیوں سے زیادہ کمزور و لاغر ہے ۔ یہ کہیں زیادہ مناسب و موزوں ہوتا اگر قرطاس ابیض کارل مارکس کا حوالہ دیتا ۔ جس نے کہا تھا کہ تاریخ انسانوں کی پشت کے عقب میں لکھی گئی ہے۔ قرطاس ابیض میری پشت کے پیچھے جاری کیا گیا ہے یہ کسی اور طرح سامنے آ ہی نہیں سکتا تھا۔

قوموں کا عروج وزوال سورج کے طلوع اور غروب کی طرح ہوتا ہے کلچر اور تمدن کے ذریعے بعض قومیں اپنے آپ کو عظیم بناتی ہیں، فوجی بغاوتوں اور سازشوں سے دوسری قومیں تاریخ کا ملبہ بن جاتی ہیں۔ اکتوبر ۱۹۷۷ میں مَیں نے سپریم کورٹ کے سامنے بیان کیا تھا کہ اگر ۱۹۷۳ کا آئین کم سے کم مدت سے ماوراء یا معطل کیا جاتا ہے تو پھر اس کی معطلی کا قانونی فنکشن ناقابلِ قبول ہو جائے گا۔ ۱۹۷۳ کے آئین کی تنسیخ سے عدلیہ کے لئے دو نتائج وواقعات بنیں گے۔

(ا) اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم واپس انڈین انڈی پینڈینس ایکٹ کے تحت ۱۹۴۷ پر واپس چلے جائیں گے جسے برطانوی پارلیمنٹ نے منظور کیا تھا ۔

(ب) اس کا یہ مطلب بھی ہو گا کہ انڈین انڈی پینڈینس ایکٹ ۱۹۴۷ کی بحالی کے بعد اختیار کا وہ توازن، جو صوبوں نے رضاکارانہ فیڈریشن کے لئے چھوڑ دیا تھا وہ ان صوبوں کو واپس چلا جائے گا۔

میں نے سپریم کورٹ کو بتایا تھا کہ یہ فوجی حکومت ایسے راہ انتخاب کھول رہی ہے جنہیں کبھی کھولنا نہیں چاہئے تھا۔ اور وہ راہ انتخاب بند کر رہی ہے جنہیں کبھی بند نہیں ہونا چاہئے ۔ حالات کو ابتر بنانے کے لئے، جو نقصان ہوا اس کی مذمت کرتے ہوئے، نہ صرف یہ کہ آئین کو سپریم کورٹ کے نظریۂ ضرورت کی تشریح کے تحت بھی، غیر ضروری

اور لمبے عرصے سے سرد خانے میں ڈال دیا گیا ہے بلکہ رائے دہندگان کے بنیادی حقوق کی شقوں کو بھی، ایک آدمی اپنی من مانی مرضی سے ترمیم کر رہا ہے۔

آئین کا جائز استعمال کیا جاتا ہے یا پھر آئین ہی نہیں ہوتا۔ یہ کوئی میز پوش نہیں ہوتا کہ جب جی میں آیا اٹھا لیا جب چاہا میز پر بچھا دیا۔ یہ کوئی تصویر بھی نہیں ہے کہ اسے محفوظ کر لیا جائے اور جب چاہیں باہر نکال لیں، آئین ریاست ہوتا ہے اگر آئین کو موقوف و معطل نہیں کیا گیا تو پھر ایسی کوئی گنجائش ، قانونی گنجائش سرے سے موجود نہیں ہے کہ خود مختاری کے تنازعے کو پھر سے زندہ کیا جائے۔

جب ہم نے پارلیمنٹ میں دستور کی شقوں کے مطابق آئینی ترامیم کیں تو پی این اے نے یہ کہا کہ یہ ''ترمیمیں یک سمتی ہیں اور انہوں نے دستور کو بے ضابطہ بنا دیا ہے'' جبکہ تمام ترمیمیں دستور کی شقوں کی سخت پابندی کے مطابق کی گئی تھیں۔ اس کے باوجو پی این اے کے لئے وہ قابل قبول نہ تھیں۔ اگر اس مؤقف میں ذرہ بھر بھی صداقت تھی تو پھر یہی لوگ آج یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ فوجی بغاوت کے باوجود یہ دستور قابل عمل ہے نظریۂ ضرورت کو بھی نظرانداز کر کے دستور کا یہ تعطل اور ایک فرد واحد کا آئین کی بنیادی شقوں میں اپنی مرضی کی ترمیمیں کرنا کہاں تک جائز و درست ہے؟ موجودہ مارشل لا دستور کے باہر ہے ۔ یہ تو ڈیوک آف ولنگٹن کا مارشل لا ہے اسے یہی نام دیا جا سکتا ہے اس کا آئین کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ دستور کی شقوں سے نہیں آیا ہے واقعات اس فوجی حکومت کو ایک خطرناک اور سفاک راستے کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ یہ معاملہ سرنگ کے خاتمے پر بھی ختم نہ ہو گا ۔ اس کے بعد ایک اور سرنگ ہے آج کے بعد ایک کل ہے اور آپ جیسا بوئیں گے ویسا ہی کاٹیں گے۔ دوسرے لفظوں میں پاکستان کو تلخ اور کڑوی فصل کاٹنا ہوگی

۲ ستمبر ۱۹۷۸ کو سعودی عرب سے اپنی واپسی کے بعد جنرل ضیاء الحق نے اعلان کیا کہ نیروبی میں جو موکینیاٹا کی تدفین کے موقع پر ان کی ''اچھی دوستانہ اور مفید بات چیت'' ''بہت تجربہ کار سیاست دان'' بھارت کے وزیر اعظم کے ساتھ انتہائی خوشگوار ماحول میں ہوئی۔ ایک سوال کے جواب میں جنرل نے کہا'' بھارت اور پاکستان دونوں ملکوں کے گذشتہ تیس برسوں کے باہمی تعلقات میں عدم اعتماد کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں ۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ بھارت کے متعلق شک و شبہات دور کئے جائیں۔ ایک سینئیر حصے دار کی حیثیت سے بھارت کو ان شبہات کے خاتمے کے لئے ابتدا کرنی چاہئے'' حکومتوں کی مساوی خود مختاری کے تصور میں کسی ''سینیئر پارٹنر (بڑے حصے دار) کے لئے کوئی گنجائش نہیں نکلتی'' ،

لیکن بھارت کس طرح ایک حصے دار یا شریک ہو سکتا ہے؟ اگر ہم کسی بھی شکل میں حصے

دار ہیں تو پھر پاکستان کی علّت غائی ہی ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ قائد اعظم کا بنیادی موضوع و مقصد ہی یہ تھا کہ چونکہ ہم ہندوستان میں شریک و حصے دار بن کر نہیں رہ سکتے۔ اس لئے اس کا نعم البدل پاکستان ہے۔ بھارت نہ صرف سینیئر حصے دار بلکہ سرے سے حصے دار ہی نہیں ہے ۔ بڑا چھوٹا یا برابر کسی حیثیت میں بھی حصے دار نہیں ۔ یہ شراکت کہاں ہے؟ کسی سطح یا کسی نوعیت کی شراکت و حصے داری کیسے ہو سکتی ہے۔ کیا پاکستان شراکت و حصے داری کا کوئی خفیہ معاہدہ کر چکا ہے یا بھارت کے ساتھ کنفیڈریشن کر لی ہے۔ کیا اس فوجی حکومت نے دھوکہ دہی سے کوئی ایسا معاہدہ کر لیا ہے جس کے نتیجے میں پاک بھارت تعلقات میں ساجھے داری پیدا ہو گئی ہے ۔ کیا یہی وجہ ہے کہ جنرل ہمیشہ بھارت کی خوشامد کرتا ہے اور اس کے رہنماؤں کی مدح قصیدہ خوانی کی شکل میں کرتا رہتا ہے؟

پاکستان کے مطالبے کے بر تر محرکات میں سے ایک ایک محرک یہ تھا کہ مسلم انڈیا پر ہندو انڈیا کی برتری اور بڑائی کے واہمے کو ختم کر کے ایک مسلم ریاست تخلیق کی جائے جو دوسری ریاست کے مقابلے میں مساوی اور خود مختار ہو ۔ "بڑے حصے دار" کا تصور اور مفروضہ تو صرف اور صرف تراش خراش کے تعلقات کی دنیا میں ہوتا ہے، کیا اسی لئے انتہائی تجربہ کار سیاست دان کو ایک بامروّت وزیر اعظم کا مقام دیا گیا ہے۔ سکون و اطمینان کا یہ احساس تکبر اور سرپرستانہ انداز سے خارج ہوتا ہے لیکن یہی احساس برتری اور بڑے پن کے ساتھ دلایا جائے تو پھر ایک دوسری ہی قسم کی ذہنیت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

جنرل ضیاء الحق کے اس ریمارک کی سنگینی ان کے بعد کے الفاظ میں پائی جاتی ہے۔ مسٹر مرارجی ڈیسائی بھارت کے وزیر اعظم نے پاکسان کے چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کو بتایا کہ "ایک مضبوط اور مستحکم پاکستان بھارت کے مفاد میں ہے" یہ وہ بات ہے جو جنرل ضیاء الحق نے بتائی ہے کہ اُسے مسٹر ڈیسائی نے کہی تھی۔ جنرل نے بات کو بڑھاتے ہوئے کہا کہ بھارتی وزیر اعظم نے اسے کہا کہ "نہ صرف حکومت بلکہ بھارت کے عوام بھی پاکستان کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور وہ کسی طرح بھی نہیں چاہتے کہ پاکستان کی ترقی کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو" جنرل ضیاء الحق نے بھارتی وزیر اعظم کے الفاظ بتائے ہیں اور یہ الفاظ اہمیت رکھتے ہیں۔ بلاشبہ یہ الفاظ جو بھارتی وزیر اعظم نے کہے ہیں بہت اہم ہیں۔ لیکن یہ الفاظ انہی کے لئے خوش آئند اور حوصلہ افزا ہو سکتے ہیں، جو ایک بار بھی ڈسے نہیں گئے، کہ دوسری بار شرمسار ہوں۔

اس واسطے سے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ سابق صدر رچرڈ نکسن کی یاد داشتوں سے بھارتی وزیر اعظم کے ساتھ وائٹ ہاؤس میں ان کی ۴ نومبر ۱۹۷۱ کی ملاقات کا حوالہ دیا جائے۔ آرابین کے

نام سے حال ہی میں شائع ہونے والی ان یادداشتوں کے صفحہ ۵۲۵ پر بیان کیا گیا ہے۔

"مسز گاندھی نے جس طرح میں ویت نام میں جنگ ختم کر رہا تھا اور جس بہادری سے چین کے ساتھ تعلقات کا آغاز کیا تھا میری بہت تعریف کی ہم نے پاکستان کی مضطرب صورت حال پر بات چیت کی اور میں نے اس پر زور دیا کہ یہ بات کتنی اہم تھی کہ بھارت نے اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہ کی جس سے اس بے چینی میں اضافہ ہو سکتا تھا۔ اُس نے بڑے خلوص سے مجھے یقین دلایا کہ بھارت نے کبھی پاکستان دشمن رویہ اختیار نہیں کیا ۔ "بھارت نے کبھی پاکستان کی تباہی یا اس کی مستقل معذوری کی خواہش نہیں کی" اس نے کہا تھا۔ بھارت تو، یہ چاہتا ہے کہ وہاں استحکام کی بحالی ہو۔ ہم ہر قیمت پر وہاں جو بحران ہے اُسے ختم کرنا چاہتے ہیں" بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ جس وقت ہم باہمی گفتگو کر رہے تھے، مسز گاندھی اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کے جرنیل اور مشیر اس وقت مشرقی پاکستان میں جبری مداخلت کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مغربی پاکستان پر حملے کے منصوبے بھی بن رہے تھے"۔

اس سے پہلے بھارت کے ایک دوسرے وزیر اعظم نے بڑے خلوص سے یہ کہا تھا کہ بھارت نے جموں اور کشمیر میں رائے شماری کا جو وعدہ کشمیر کے عوام سے کیا ہے وہ پوری دنیا کے ساتھ بھی وعدہ ہے، اسی وزیر اعظم نے جب وائٹ ہاؤس میں آنجہانی صدر جان کینیڈی سے ملاقات کے وقت اعلان کیا تھا "امن ہمارے لئے ایک جذبہ اور امنگ ہے" چند دنوں کے بعد بھارتی افواج پورے جذبے کے ساتھ گوا کی طرف پیش قدمی کر رہی تھیں ۔ اور پھر اسی وزیر اعظم نے بڑے جوش و خروش اور شدت سے اعلان کیا تھا کہ بھارت اور چین "بھائی بھائی" ہیں۔ اور بھارت چین کے ساتھ کبھی لڑائی نہ کرے گا، کچھ برسوں کے بعد، اس نے اپنے جرنیلوں کو حکم دیا کہ وہ چینیوں کو نیفا اور لداخ سے باہر پھینک دیں۔ قائد اعظم کی وفات کے ایک دن بعد بھارتی افواج حیدر آباد میں داخل ہو گئیں۔ اس سے پہلے جونا گڑھ، منگرول اور مناوردر پر قبضہ کر چکی تھیں۔

افسوسناک تشریحات اور ٹوٹے ہوئے وعدوں کا یہ ایک سوگوار ریکارڈ ہے ۔ یہ عظیم پیمانے پر منافقت اور دھوکہ دہی کو سامنے لاتا ہے ۔ بھارت نے بھارت ماتا اور اکھنڈ بھارت کا جو نعرہ لگایا تھا، وہ ابھی تک اسی صورت میں موجود اور قائم ہے۔ کئی برسوں کی مدت میں بھارت نے پاکستان کو معذور اور توڑنے میں کئی اہم کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ پاکستان کی تباہی اور بربادی کا عمل بھارت نے بڑی تیزی سے اسی دن شروع کر دیا تھا جب پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ جب تک، گاندھی نے مرن برت نہ رکھا بھارت نے پاکستان کے اثاثے منتقل کرنے سے

انکار کر دیا، جب پاکستان نے اپنی کرنسی کی قیمت کم کرنے کا خود مختارانہ فیصلہ کیا تو بھارت نے اچانک کسی اطلاع کے بغیر پاکستانی معیشت کو تباہ کرنے کے لئے تمام تجارتی تعلقات ختم کر دیئے۔ بھارت نے پاکستان کے خلاف جس خوفناک جارحیت کا مظاہرہ کیا، اس سے قطع نظر، بھارت کے نظام حیدر آباد نے جو فنڈز پاکستان منتقل کرنے تھے اس سلسلے میں کسی "مروت" کا اظہار نہ کیا۔ نہ ہی انڈیا آفس لنڈن کی کتابوں کی تقسیم میں ہی اس مروت کا اظہار ہوا۔ دریائے سندھ کے پانی کے بارے میں معاہدہ ہوا اس میں بھی بھارت نے ایک قطرہ پانی کے لئے بھی مروت اور خوش خلقی، کا ثبوت نہ دیا۔ بلاشبہ بھارت کے اس وزیر اعظم کے الفاظ اتنے ہی اہم ہیں جتنے کہ اس سے پہلے کے دو معزز پیشرو وزراء اعظم کے تھے۔

جنرل ضیا کو یہ مشورہ دینا بہت صائب ہو گا کہ جو کام کرنے سے فرشتے بھی کتراتے ہیں وہ ان کاموں میں عجلت کا مظاہرہ نہ کریں۔ اس نے جو خوفناک غلطیاں کی ہیں ان کا تحفظ تو عدلیہ نے فراہم کر دیا ہے لیکن آئندہ کے لئے اسے ایسی ناکامیوں سے روکنا ضروری ہے ۔ چونکہ وہ سیاست دان نہیں ہے، اس لئے ایک تجربہ کار سیاست دان کو تو ایک طرف رکھئے، اس نے ایک ہی جھٹکے میں وہ سب کچھ گنوا دیا، جو میں نے افغانستان سے حاصل کیا تھا۔ اس کے علاوہ ملک میں بلوچستان اور صوبہ سرحد میں جو مثبت صورتِ حال مَیں نے مستحکم کی تھی، اسے بھی گنوا دیا۔ اس کی ان دو مہیب حماقتوں کی پاکستان کو ناقابل تلافی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ گھٹیا قسم کے حربے اختیار کرتے ہوئے جنرل اور اس کے حاشیہ نشینوں نے فرضی "خفیہ شقوں" کا پروپیگنڈہ کر کے کشمیر کے مسئلے کو بھی بہت مجروح کر دیا ہے۔ قتل و غارت گری کا یہ وحشیانہ مقصد تھا میں محض یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں نوے ہزار جنگی قیدیوں کو واپس لایا اور پانچ ہزار مربع میل سے زائد علاقہ بھی واپس لیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مَیں نے یہ سب کچھ واپس لے کر دکھا دیا۔ میرا سخت ترین دشمن بھی میری اس کامیابی سے انکار نہیں کر سکتا، اس سے بھی زیادہ یہ کہ مَیں نے مجیب الرحمان کو جنگی مقدمے چلانے سے روکا ۔ میں جموں اور کشمیر کے حقِ خود اختیاری کے مؤقف پر مضبوطی سے ڈٹا رہا میں نے شہنشاہ ایران کو روکا کہ وہ بھارت کو دفاعی مورچے تعمیر کرنے کے نام پر راجستھان نہر کے لئے قرضہ نہ دے۔ جی ایچ کیو کے اعتراض کی بنا پر مَیں نے سلال ڈیم کے معاہدے کی تکمیل نہ ہونے دی۔ فرانس کے صدر سے جنرل نے ایک لیموں حاصل کیا ہے ۔ اگر وہ بھارت جاتا ہے تو جنرل کو وہاں بھارتی وزیر اعظم سے ایک چیکو ملے گا۔

اب یہ وقت آ گیا ہے کہ جنرل نے پاکستان میں جو بحران پیدا کیا ہے، اس کے گہرے کنوئیں کے اندر دیکھے ۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس بات کو کھرے انداز میں واضح کر سکوں، خود غرضانہ روئے اور طرز عمل جہنمی انتقام نے یہ سارے بحران جنم دئے ہیں۔ آج پاکستان جن

بحرانوں کا سامنا کر رہا ہے یہ ۱۹۷۱ کے بحرانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوفناک اور تباہ کن ہیں۔ معروضی طور پر بات کرتے ہوئے کہوں گا کہ اس وقت حقیقی سیاست اور سیاست کے مطابق، پانچ پڑوسی ملکوں کا گہرا واسطہ بنتا ہے ۔ اگر پاکستان عدم استحکام اور گڑبڑ کا اس طرح مستقبل میں شکار رہا تو یہ تصور بھی بہت خطرناک ہے کہ ان پانچ ہمسایہ ملکوں میں سے کوئی ایک پاکستان کو اس صورتِ حال میں مبتلا دیکھ کر، ہڑپ کر جائے گا۔ یہ انتہائی قسم کی رجائیت پسندی ہوگی کہ یہ پانچوں ملک تارک الدنیا بن کر دوسری طرف دیکھنے لگیں گے ۔ ان میں سے ہر ایک کی فوجی حکمت عملی اور جغرافیائی سیاسی مفادات کا پاکستان سے تعلق ہے، کوئی ملک بھی اسے نظر انداز نہیں کر سکتا، ہمارا پیارا ملک ویت نام سے زیادہ تباہ کن میدانِ جنگ بن سکتا ہے ۔

۱۷۰۷ میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد وہ عظیم مملکت جس کی بنیاد، بابر نے رکھی تھی، ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگی، غیر ملکی حملہ آور اس دولت مند مملکت کی دولت پر قبضہ کرنے کے لئے کسی سیزر کی طرح یلغار کرنے لگے۔ سابقہ گورنروں، معزول سرداروں اور قسمت کے سپاہیوں نے آزاد ریاستیں قائم کر لیں، اگر اس قسم کی تباہی چنگیز خان کے وارثوں پر آسکتی ہے تو تاریخ اپنے آپ کو اُن کے مقابلے میں کمتر آدمیوں پر بھی اپنے آپ کو دہرا سکتی ہے ، چکرا دینے والی بخشیں ، زندہ یا مردہ گھوڑوں کے بارے میں بے کار اور بے معنی ہو چکی ہیں۔ وقت کا گجر بج چکا ہے ۔ ایک بڑے انتشار اور تباہی کو روکنے کا عظیم چیلنج سامنے آچکا ہے زبان درازی ، گالیاں اور طاقت کا مظاہرہ، تباہ کن جوابی پیدواری عمل ہو گا، وقت سیاسی استحکام کی چیخ وپکار کر رہا ہے ۔ بصیرت اور جائز اجماع کا تقاضا کر رہا ہے۔ فوری تقاضا اور ضرورت یہ ہے کہ مساوات پر مشتمل ایک جامع سیاسی معاہدہ طے کیا جائے، اب وہ لمحہ آچکا ہے کہ پر سکون اور مخلصانہ مفاہمت، کسی حسد وعناد کے بغیر، اپنے بھائیوں میں ہو جائے۔

ضروری ہے کہ مارشل لاکی لعنت اور کالک کا ٹیکا کسی تاخیر کے بغیر ختم کر دیا جائے، ایک چمنی سے آگ لگا کر اقتدار حاصل کرنے سے اور زیادہ دھواں ہو گا۔ بے بصیرت اور دانش سے کورے بونے اور طالع آزما ایک بلوچ رہنما پر اپنے آتشیں الفاظ کی بوچھاڑ کر رہے ہیں، میں اس پر بے حد متفکر ہوں، بلا شبہ مَیں نہ صرف اس آواز سے پریشان ہوں بلکہ اس کے پیچھے جو آوازیں ہیں ان سے بھی سہما ہوا ہوں، لیکن یہ نہیں کہہ رہا کہ ان میں کوئی غیر ملک کا ترجمان اور نمائندہ ہے ۔ یہ قطعی طور پر ممکن ہے کہ سرحدوں کے باہر کے خیالات و تصورات اور سرحدوں کے اندر کے خیالات و تصورات میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے ۔ اس طرح سے ہی کوئی بین الاقوامی آئیڈیالوجی جنم لیتی ہے اور اس کی وجہ سے ہی جدوجہد زیادہ مؤثر اور طاقتور ہو جاتی ہے، میں نے

جون ۱۹۷۷ میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں یہ کہا تھا کہ اگر پاکستان کو غیر مستحکم کیا گیا تو ایک عجیب عمودی اور اُفقی پولرائزیشن جنم لے گی ۔ افقی پولرائزیشن سے میری مراد صوبائی عصبیت تھی اور عمودی پولرائزیشن سے میری مراد طبقاتی عصبیت تھی۔ اور یہی کچھ وقوع پذیر ہو چکا ہے ۔

عظیم ترین کامیابی

جب مجیب الرحمن بولا تو اس نے لاہور میں اپنی سکیم بھی پیش کی یہ اعلان کرنے کے لئے وہ ڈھاکہ سے لاہور اس وقت تک نہیں آسکتا تھا جب تک دو غیر ملکی طاقتوں کے پروں پر نہ اُڑتا۔ مجیب الرحمن کو گرفتار کر لیا گیا۔ پی این اے کے ساتھی ڈھاکہ میں حکومت کے ساتھ مل گئے ، اس کے باوجود سقوطِ ڈھاکہ ہوا۔ یہ طریق عمل ۱۹۷۱ - ۱۹۷۰ کے ڈھانچے کے مطابق اب بھی ظہور پذیر ہے ۔ یہی عوام دشمن، رکاوٹیں پیدا کرنے والوں کے ساتھ مل گئے ہیں ، یہی چیتھڑوں والوں کا گروہ ، یہی غور و فکر کے "منابع" اب "جوڑ توڑ" کر رہے ہیں۔ اپنے آثار ونشانات اور مشابہت کی بنا پر یہ سکیم بہت شاندار ہے لیکن اس وقت یہ زیادہ خطرناک ہو گئی ہے، عقلمند لوگ ماضی کی غلطیوں اور ماضی سے سبق سیکھتے ہیں۔

لاہور پلان کے دو حصے تھے۔ پہلے حصے پر عمل در آمد ہو گیا میں نے دوسرے حصے کے عمل در آمد کو رکوا دیا، یہ دفن ہو چکا تھا، لیکن ۵ جولائی ۱۹۷۷ کی فوجی بغاوت نے اسے زندہ کر دیا، بھوتوں اور آسیبوں کے پیچھے بھاگنا کار ضیاع ہے۔ معالج کو چاہئے کہ وہ پہلے اپنے زخموں کا علاج کرے۔ ۱۹۷۳ کے آئین کو اولو العزمانہ حب الوطنی کے ساتھ اس کی غیر ترمیمی پاکیزگی کے ساتھ بحال کیا جائے، مکمل اور وسیع تر اجماع سے تعلق رکھنے رہنماؤں کے ساتھ مفاہمت کے دروازے کھولے جائیں، یہی ایک واحد راستہ باقی رہ گیا ہے کہ اس منتشر اور محصور ملک کو بچایا جا سکے جسے بنانے کے لئے لاکھوں انسان خون میں نہائے تھے۔

جب میں اس وقت اس موت کی تنگ کوٹھڑی کی چار دیواری کے اندر بیٹھا ہوں تو میرا ذہن میرے زندگی کے پردے پر پھیلی ہوئی عوامی خدمات کی جھلکیاں پیش کرتا ہے ، میرا ذہن دیکھ رہا ہے کہ کس تیزی سے شاندار سیاسی بیداری پیدا ہوئی تھی۔ انسان انقلاب اور اصلاحات کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اپنی اس قیدِ تنہائی میں مَیں بعض اوقات سوچتا ہوں کہ مَیں نے ماضی میں دو بار زندگی گذاری ہے وہ مناظر جو میری یادوں کے پردے پر آتے ہیں بہت ہی خوبصورت اور متنوع ہیں۔ مَیں کئی یادگار لمحوں کو تازہ کرتا ہوں، ملک کی تقسیم، جوانی میں باغیانہ موڑ، رزمیاتی جدوجہد، پاک بھارت جنگیں، سیکورٹی کونسل، عظیم انسانوں کے ساتھ ذہانت کی لڑائیاں، اگر مجھے

اپنے ماضی کے اس پورے موزیک سے مجھے اپنی انتہائی اہم اور یادگار کامیابی کے واقعہ کا انتخاب کرنا پڑے تو میں ۱۹٦۵ کی جنگ میں اپنی کنٹری بیوشن کا حوالہ نہیں دوں گا، نہ ہی اس دوطرفہ مساوی سطح پر خارجہ پالیسی کا آغاز، جو میں نے اپنی قوم کی شان و شوکت کے لئے وضع کی، میں اس وقت کا ذکر بھی نہیں کروں گا جب ۱۹۷۱ میں میں نے اپنے پارہ پارہ وطن کے ٹکڑے چن کر اسے متحد کیا، نہ ہی شملہ معاہدے کا ذکر کروں گا۔ میں شاید اس خون اور پسینے کا بھی ذکر نہیں کروں گا جو میں نے مساوات اور انصاف پر مبنی ایک معاشرے کے قیام کے لئے بہایا نہ ہی اپنی اُن ان تھک کوششوں کا ذکر کروں گا جو میں نے ان انسانوں کی روحوں کو اطمینان اور چہرے پر مسکراہٹ لانے کے لئے کیں کہ جو انسان موہنجو ڈارو کی تعمیر کے وقت سے تلخ آنسو بہاتے چلے آرہے تھے۔

موجودہ حالات اور تبدیلیوں کی روشنی میں، جو میری واحد اور سب سے اہم کامیابی، جس کے بارے میں میرا یقین ہے کہ وہ میری پبلک لائف کی تصویر میں سب سے نمایاں رہے گی، ایک معاہدہ ہے جو میں نے گیارہ برسوں کی ان تھک محنت اور مذاکرات اور مفاہمت کے بعد جون ۱۹۷٦ میں اختتام تک پہنچایا تھا۔ یہ میری سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اور اپنے ملک اور عوام کی بقا کے لئے سب سے بڑی عطا ہے۔

۵ جنوری ۱۹۴۸ کو اپنی اکیسویں سالگرہ پر مجھے لاڑکانہ سے دو تحفے ملے۔ ان میں ایک پانچ جلدوں پر مشتمل نپولین بوناپارٹ کی وہ قیمتی سوانح عمری تھی جو سلون نے لکھی تھی ۔ دوسرا تحفہ ایک سستا پمفلٹ تھا نپولین سے میں نے اقتدار کی سیاست سیکھی اور اس پمفلٹ سے میں نے افلاس کی سیاست سمجھی۔ مؤخر الذکر کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا تھا" دنیا بھر کے محنت کشو متحد ہو جاؤ۔ تمہارے پاس گنوانے کے لئے سوائے زنجیروں کے کچھ بھی نہیں ۔ تمہیں پوری دنیا فتح کرنی ہے" بہرحال اس فوجی حکمران ٹولے کے جذبات کے پیش نظر میں بات اس انقلابی نوٹ پر ختم نہیں کروں گا۔ میں اپنی بات جواہر لعل نہرو کے ان الفاظ پر ختم کروں گا۔ جہاں ان کی کتاب "ڈسکوری آف انڈیا" کا اختتام ہوتا ہے۔ یہ آخری کتاب تھی جو اُنہوں نے آزاد اور جمہوری ہندوستان کی کمان سنبھالنے سے پہلے جیل میں لکھی۔ نہرو نے کتاب کا خاتمہ اوسٹروسکی کی کتاب "لوہا کیسے پگھلتا ہے" کا ایک حوالہ ہے ۔ اس میں کہا گیا ہے۔

"انسان کی سب سے پیاری متاع اس کی زندگی ہے ۔ اور چونکہ یہ اُسے صرف ایک بار زندہ رہنے کے لئے دی جاتی ہے۔ اس لئے اسے اسطرح زندہ رہنا چاہئے کہ کبھی اسے اپنے برے اور بزدلانہ ماضی پر ندامت نہ ہو تاکہ بلامقصد اذیت برداشت کر کے زندہ رہنے کی بجائے مرتے ہوئے یہ کہہ سکے "میں نے اپنی ساری زندگی اور طاقت دنیا کے اولین نصب

العین ۔ بنی نوع انسان کی آزادی کے لئے وقف کی تھی"۔

ذرائع ابلاغ کس غلط استعمال پر جاری کئے جانے والے اس نام نہاد قرطاس ابیض نے انصاف کی راہوں میں انتہائی گھناؤنی مداخلت کی ہے ، مارچ/اپریل ۱۹۷۸ میں شائع ہونے والے اس قرطاس ابیض میں اگست ۱۹۷۸ اور اس کے ایک ماہ بعد کے واقعات بھی جمع کر دئے گئے ہیں ۔ جبکہ لعنتوں کا پہلا راگ شروع ہوا تھا ۔

ایک ایسا موضوع جو ذرائع ابلاغ سے تعلق رکھتا ہو اسے حکومت کے گوداموں میں چار طویل مہینوں تک دفن نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بے ہودہ فکشن اسی معیار اور خوبی کا حامل ہے جو اس کے مرتب کی شان کے شایان ہے ۔ اس میں بھی ویسے ہی صداقتوں کو مسخ اور آدھی سچائیوں کو پیش کیا گیا ہے۔ اس میں وہی جھوٹ اور گمراہیاں بھری گئی ہیں ۔ اس دستاویز میں وہی یک طرفہ انداز نمایاں اور بر تر دکھائی دیتا ہے ۔ دستاویز کو توڑا مروڑا گیا ہے۔ اس میں یہ نشاندہی بھی ہوتی ہے کہ کس طرح حقائق کو بدلا اور کچلا گیا ہے۔ بعض امور میں ، صفحات حذف کر کے میرے اوریجنل نوٹس کو تبدیل کرنے کے لئے دوبارہ ٹائپ کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی صحافی یا مصنف کو جماعت اسلامی اور وفاق" کے مصطفےٰ صادق سے زیادہ میری سرپرستی حاصل نہیں ہوئی۔ یہ سرپرستی جو اسے ملی آزادانہ اور فیاضانہ تھی۔ وہ مودودی کا کٹر حامی اور جماعت اسلامی کے فلسفے اور اخلاقیات کا کٹر پیرو کار ہے ۔ اس کا نام سر فہرست آنا چاہئے ۔ مجلس شوری کا ایک رکن، جو جماعت اسلامی کی اخلاقیات کا انتہائی وفادار تھا، اُسے بھی خدمات کے عوض مناسب سرپرستی ملی۔

آخر پی این اے کے یہ صحافی اور پی این اے کے ان جرائد کو کیوں حذف کر دیا گیا؟ کیا یہ اس فوجی حکومت اور پی پی پی کا مشترکہ فرض ہے کہ جسمیں پی این اے کے صحافیوں کی کورپشن اور روپے پیسے کے لالچ کو قرطاس ابیض میں پیش نہ کیا جائے؟ قرطاس ابیض کی نئی جلد پر بھی ایسے ہی تعصب اور عناد کا اطلاق ہوتا ہے۔

مسٹر حامد محمود نے مجھ سے جو واحد اجازت حاصل کی وہ پاک بھارت تعلقات پر لکھنے کی تھی۔ میں نے انہیں نے بتایا کہ وہ ایک عجیب طرح کی درخواست کر رہے ہیں، کیونکہ پاکستان میں کسی موضوع پر اتنا نہیں لکھا گیا جتنا کہ پاک بھارت تعلقات پر، اس نے کہا کہ ان کے پاس بعض نادر اور نئے خیالات ہیں۔ مَیں نے اپنے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا کہ خواہ وہ آئیڈیاز نئے ہیں یا پرانے وہ اس کے خیالات ہیں میرے اور میری حکومت کے نہیں، اس لئے مجھ سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب میں نے وہ مضمون پڑھا تو اس نے جن نظریات کا اظہار کیا تھا، ان پر حیران ہوا ۔ مَیں نے اپنے ایک رفیق سے کہا کہ مَیں نہیں جانتا تھا کہ جی معین الدین کی طرح یہ

شخص بھی دل سے ایک یونینسٹ ہے ۔

ان دنوں بہت سی ممتاز اور نامور شخصیتوں کو اس طرح گرایا اور ذلیل کیا جارہا تھا کہ وہ مجھے بھارت کے ساتھ ہمارے تعلقات کے بارے میں عجیب وغریب مشورے دیتے تھے۔ ان میں سے ایک ایک اخبار کا تراشہ لے کر آیا، جس میں وہ بیان تھا جو انہوں نے پاکستان کے خلاف ۱۹۴۵ میں دیا تھا۔ اس بیان کا لب لباب یہ تھا کہ پاکستان کا قیام قابل عمل نہیں ہے اور اگر یہ بن گیا تو پھر بیس یا تیس برسوں میں یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا ۔ وہ اپنی اس بصیرت اور دانش پر ناز کر رہا تھا۔ پنجاب کے ایک سابق وزیر اعلی سر خضر حیات ٹوانہ نے مجھے بتایا کہ وقت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ درست تھا اور "سر پھرے" غلط تھے۔ سندھ کے ایک سابق وزیر اعلیٰ کے ایک بھائی اور موجودہ حکومت کے ایک حال میں بننے والے مشیر ، مولا بخش سومرو نے مجھے کہا کہ پاکستان اتنا غیر فطری تھا کہ خدا بھی اسے چلانے کے قابل نہیں، مفتی محمود نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ تخلیق پاکستان میں ان کے ہاتھ لتھڑے ہوئے نہیں ہیں۔ مودودی اس فوجی حکمران ٹولے کا پوپ، چار یا پانچ قومیتوں کے نظرئے کا مصنف ہے ، اس نے اپنی کتاب سیاسی کشمکش میں لکھا کہ قیام پاکستان سے پاکستان کے صوبوں میں قومیتوں کے مطالبے میں شدت پیدا ہو جائے گی۔

جماعت اسلامی نے یہ کتابچہ غائب کر دیا ہے اور اب گردش میں نہیں ۱۹۷۰ میں جب میں کراچی ضلع بار میں کراچی کے وفد سے خطاب کرنے گیا تو معراج محمد خان نے یہ مجھے دکھایا تھا۔ یہ ایک انکشافات سے بھری ہوئی دستاویز ہے۔ پاکستان کے دولخت ہونے کے بعد، محمد اکبر خان بگٹی نے کھلے عام بھارت کے ساتھ کینفنڈریشن کا مطالبہ کر دیا، اسی کے بیان پر مناسب بین الاقوامی توجہ دی گئی ۔ ایسے ماحول اور ایسے حالات میں جن کا ذکر ہوا ہے کیا مجھ سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ میں نے حامد محمود سے کہا ہو کہ وہ اپنے منتشر اور بے ربط نظریات کو مزید بے ربطی سے لکھیں؟ قرطاس ابیض جلد اول میں کہا گیا ہے کہ میں نے مسٹر رفیع رضا سے یہ کہا تھا میرے پاس حامد محمود جیسے لوگوں سے ملنے کے لئے وقت نہیں ہے وہ خود ایسے لوگوں سے ملیں ۔ قرطاس ابیض جلد دوئم یہ نشاندہی کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ حامد محمود میرے اتنا قریب تھا کہ میں نے بہت لوگوں کو چھوڑ کر اسے منتخب کیا کہ وہ "ہمارے اور عظیم بھارت" کے ساتھ کینفیڈریشن کے نظرئے کو پھیلائیں۔ مصور اپنی کینوس کے لئے رنگ انتخاب کرتا ہے شکاری اپنے شکار کے لئے میدان چنتا ہے۔ اس فوجی حکومت نے مجھے مسمار کرنے کے لئے کسے چنا؟ اس نے واضح تضادات اور شدید اور کھردرے تضادات کا انتخاب کیا ہے۔

الطاف گوہر اور اس کے بھائی کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے ، قرطاس ابیض کے

مرتبین سے زیادہ یہ دونوں بھائی جانتے ہیں کہ میں نے ۱۹۵۸ سے ۱۹۶۶ تک ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور اس کے بدلے میں اُنہوں نے ۱۹۶۶ سے ۱۹۷۰ تک مجھے کیا دیا۔ وہ سب کچھ جو لکھا گیا، اس کے ساتھ میں نے اس کے بھائی کو ۱۹۷۶ میں ملائیشیا میں سفیر بنایا اور الطاف گوہر کو "روئی پلانٹس" کے لئے ٹھیکے دئے ۔ اس نے انتہائی خوشامدانہ انداز میں اظہار تشکر کیا ہارون خاندان کے ساتھ میری وابستگی اور تعلق نیا نہیں ہے۔ سر عبداللہ ہارون اس وقت سندھ یونائیٹڈ پارٹی کے وائس پریذیڈنٹ تھے جب میرے والد اس کے صدر تھے۔ اس سے پہلے جب میرے والد سندھ محمڈن ایسوسی ایشن کے صدر تھے تب عبداللہ ہارون اس کے نائب صدور میں سے تھے ۔ پان امریکن ائر لائنز کے مسٹر لی ڈیٹن بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر میں اپنی طرف سے مناسب کوشش نہ کرتا تو یوسف ہارون کو انٹر کونٹینینٹل ہوٹلز میں شراکت کبھی حاصل نہ ہوتی ۔ کراچی میں ایک ملاقات کے دوران صدر ایوب نے مسٹر ڈیٹن کو میری موجودگی میں کہا تھا کہ اگر ہارون فیملی کا کوئی بھی عمل دخل ہو گا تو میں انٹر کونٹی نینٹل ہوٹلز کی اجازت ہی نہیں دوں گا جب ڈیٹن اٹھ کر چلا گیا تو میں نے صدر ایوب خان کو قائل کیا کہ وہ اپنا ذہن بدل دیں اور یوسف ہارون کو شراکت کرنے دیں۔ وزیر تجارت کی حیثیت سے اس پروجیکٹ کے ساتھ میرا تعلق بنتا تھا اور میں نے بڑی مضبوطی سے قانونی طور پر ہارون کے خلاف جو امتیاز برتا جارہا تھا، اسے ختم کرا دیا، دوسرے ہی دن جب مسٹر ڈیٹن کو اطلاع دی گئی کہ انٹر کونٹی نینٹل ہوٹلز کے بارے مسٹر ہارون کی شراکت پر جو اعتراض کیا گیا تھا وہ ختم کر دیا گیا ہے تو وہ بے حد حیران ہوئے۔ وزیر صنعت کی حیثیت سے یوسف ہارون نے میری منظوری سے ہی جنرل موٹرز کو خریدا ۔

جنرل حبیب اللہ اور گوہر ایوب جنرل موٹرز کی تصویر میں اسوقت داخل ہوئے جب یوسف ہارون لین دین کے ابتدائی مراحل مکمل کر چکے تھے۔ اقتدار کے اہرام کی چوٹی کے دباؤ اور منشا کے مطابق تمام وزیر اور وزارتیں یکے بعد دیگرے جنرل حبیب اللہ اور گوہر ایوب کی پیش کردہ تجاویز کی حمایت کے لئے اپنی اصلی پوزیشنوں کو تبدیل کرنے پر مجبور ہو گئے صرف میں ہی تھا جس نے اپنے اوریجنل پروپوزل کو نہیں بدلا تھا۔ جب صدر ایوب خان نے کہا کہ میں اس پر ضد نہ کروں تو میں نے اُن پر یہ واضح کیا کہ میں نے یہ فیصلہ استحقاق کے تحت کیا ہے میں نے یہ بھی واضح کیا کہ یہ اچھی بات نہ ہوگی کہ ان کا بیٹا کاروبار اور صنعتی ارب پتیوں کے شعبے میں داخل ہو ۔

میں نے "ڈان" اخبار کو اے ایم قریشی کے غارتگر ہاتھوں سے بچانے کے لئے ہارونوں کی مدد کی ۔ لیکن میرے حکومت سے نکلنے کے بعد ہارون ٹولے نے مجھے اور میری پارٹی کو نقصان پہنچانے کی ہر کوشش کی ۔ ۱۹۷۱ میں اقتدار میں آنے کے بعد میں نے کوئی بدلہ لیا نہ

جوابی کارروائی کی ، محمود ہارون اب ایک وزیر ہے اور میں موت کی کوٹھڑی میں ہوں، اسے مجھ سے اختلاف کرنے کی آزادی ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر اس میں اپنے والد کے کیریکٹر کا ایک ذرہ بھی ہے تو وہ یہ سب کچھ صاف ضمیر کے ساتھ کرنے کے قابل نہ ہوتا ۔

یہ جھوٹا الزام لگاتے ہوئے کہ ولی خان کی تقریروں کو ان کے متن سے توڑا پھوڑا اور مسخ کیا گیا ، قرطاس ابیض نے سپریم کورٹ کے فیصلے پر بہتان لگانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی، ولی خان کی تقریروں سے تعلق رکھنے والے تمام نوٹس اور حرف بحرف نوٹس جو صوبائی اور سنٹرل اینٹیلی جینس ایجینسیز نے تیار کی تھیں ، سپریم کورٹ نے انحصار کرنے سے انکار کر دیا تھا، سپریم کورٹ نے اس کی ٹیپ کی ہوئی تقریریں سنیں۔ ولی خان کی آواز اونچی، کسی مداخلت اور توڑ پھوڑ کے بغیر تھی۔ میں نے اس کی پوری تقریریں سنی تھیں۔ عدالت نے گواہوں کی شہادتیں قلم بند کیں، جن میں ڈائریکٹر جنرل انٹر سروسز اینٹیلی جینس جو موجودہ سیکرٹری دفاع ہیں بھی شامل تھے۔ سپریم کورٹ نے اس کا ایک گہرا اور جامع قانونی جائزہ لیا تھا۔ ایک جمہوری اور دستوری ملک میں سب سے بڑی عدالت ایسے امور میں سرسری طریقے سے کام نہیں کرتی۔

دوسرے عجوبہ الزاموں میں ایک الزام قرطاس ابیض نے یہ کہہ کر لگایا ہے کہ، اپوزیشن پارٹیوں اور لیڈروں کی ذلت و رسوائی حکومت کا سسٹم بنا کر مستحکم کی گئی۔ یہ وہ نظام ہے جسے مسٹر بھٹو نے اس ملک میں متعارف کروایا، اسکے ساتھ ساتھ قرطاس ابیض کہتا ہے "کسی بھی اپوزیشن پارٹی اور قابل ذکر لیڈر کو بھی نہ بخشا گیا" خاص مثالیں دیتے ہوئے قرطاس ابیض بتاتا ہے کہ کالعدم نیشنل عوامی پارٹی ۱۹۷۲ سے ۱۹۷۵ تک، متعدد مواقع پر مسلسل حملوں کا نشانہ بنی رہی ، حتیٰ کہ اس پر پابندی لگا دی گئی۔ یہ حملہ اسوقت شروع ہوا جب مسٹر ولی خان اور اس کا خاندان ، جس میں ان کے والد خان عبد الغفار خان کو جارحانہ پروپیگنڈہ کا بڑا نشانہ بنایا گیا غور طلب نقطہ یہ ہے کہ وہ کون تھے اور کیوں عبد الغفار خان کو جارحانہ پروپیگنڈہ کا بڑا نشانہ بنایا تھا قائد اعظم کے اس کے بارے میں کیا نظریات تھے؟

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم مرحوم لیاقت علی خان نے ۵ مارچ ۱۹۴۸ کو عبد الغفار خان کی واحد اور آخری تقریر کے بعد دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا؟ "ہم نے کسی کو مجبور نہیں کیا کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائے۔ ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ ایسی جس تنظیم کو پسند کرتا ہے اس میں شمولیت کرے۔ جو پاکستان کے مفادات کے منافی عزائم نہ رکھتی ہو ۔ مسلمانوں نے پاکستان طویل جدوجہد اور ان گنت جانوں کی قربانی دے کر حاصل کیا ہے ، ہم سمجھتے ہیں کہ ہر ایسی تحریک کو جو پاکستان کی تباہی کا مقصد رکھتی ہو اسے کچلنے سے دریغ کر کے ہم فرض میں ناکام ہوں گے۔ میں اپنی تقریر صرف ایک شعر پر ختم کرتا ہوں ۔

خدا کرے یہ غلط ثابت ہو

نہ وہ بدلے نہ دل بدلا نہ دلکی آرزو بدلی
میں کیسے اعتبارِ انقلابِ آسماں کر لوں

(دستور ساز اسمبلی پاکستان ۔ مباحث: جلد اول ۔ ۲۳ فروری ۱۹۴۸ تا ۲۶ مارچ ۱۹۴۸ صفحہ ۲۸۳)
مسٹر عبد الغفار خان کے خلاف "جارحانہ پروپیگنڈہ" جنہیں اب "پاکستان کا ایک عظیم محب وطن" قرار دیا جا رہا ہے ، پاکستان کے صرف آخری وزیر اعظم نے ہی شروع نہیں کیا تھا بلکہ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم نے اس کا آغاز کیا تھا ۔ آخر دسمبر ۱۹۷۱ میں میرے اقتدار سے پہلے کئی پاکستان حکومتوں نے عبد الولی خان کو طویل برسوں تک کیوں جیل میں رکھا؟

"پاکستان کے پہلے وزیر اعظم نے اس کے والد کے بارے میں جو کہا تھا اس کی وجہ سے انہیں کبھی معاف نہ کیا گیا ۔ جب وہ ۱۷ نومبر ۱۹۷۳ کو ٹونک میں اپنی تقریر میں مجھے دھمکیاں دے رہے تھے، ولی خان نے کہا تھا "میں مسٹر بھٹو سے کہتا ہوں کہ تمہارا سر بھی گوشت سے بنا ہوا ہے، گولی کی آنکھ نہیں ہوتی اگر یہ ۔۔۔۔۔ ایک کتے کہ سر کو لگتی ہے تو یہ وزیر اعظم کے سر کو بھی لگ سکتی ہے ۔ اگر صدر کینیڈی اور لیاقت علی خان قتل کئے جا سکتے ہیں تو تم کون ہو کہ زندہ چھوڑ دیئے جاؤ ۔ ہم طور خم کی زنجیر وہاں سے اتار کر ، مرگلہ اور چمن سے جیکب آباد تک لگا دیں گے"

اس تقریر کی ٹیپ ریکارڈنگ اور اس کا تحریری مسودہ ، سپریم کورٹ کے سامنے نیشنل عوامی پاٹی کے توڑنے کے ریفرنس میں آر۔ اے ڈبلیو ۱۹ مسٹر عیسی خان ڈپٹی ڈائریکٹر اینٹلی جینس بیورو نے شہادت کے صفحہ ۴۹۱ پر پیش کیا تھا۔

قرطاس ابیض کے مصنفین کو چاہئے کہ وہ ولی خان کے ایسے اشتعال انگیز، اور زہریلے بیانوں اور تقریروں کے مقابلے میں میرا ایک بیان یا ایک تقریر ہی پیش کریں یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ یہ عبد الولی خان تھا جس نے میرے خلاف رسوائی کی مہم اسوقت شروع کی جب مَیں نے نیپ کے گورنروں اور نیپ کی حکومتوں کو صوبہ سرحد اور بلوچستان میں قائم کیا تھا۔

ولی خان کی موجودہ مارشل لا حکومت کے ساتھ اعانت ، جو اگرچہ مختصر رہی کی وضاحت ان کے اس انٹرویو کے حوالے سے ہو سکتی ہے جو اُنہوں نے پیپلز فرنٹ لنڈن کو دیا۔ (جسے پاکستان ٹائمز لاہور نے ۲۸ دسمبر ۱۹۷۴ کو نقل کیا تھا) جس میں انہوں نے کہا تھا ۔ اگر میں کسی طرح بھٹو سے چھٹکارا حاصل کر سکوں اور کوئی مدد کے لئے تیار ہو اور میری مدد کرے تو خواہ وہ خود شیطان ہی کیوں نہ ہو، میں اس کے ساتھ ہاتھ ملاؤں گا (ضمیمہ ای ۔ ۷۔۴۔ تیسرا حصہ ۔ صفحہ ۲۳۰

نیپ ریفرنس۔ سپریم کورٹ)

قرطاس ابیض مزید یہ الزام لگاتا ہے کہ مسٹر بھٹو نے جعلی تقریر تیار کر کے اسے مسٹر عبد الولی خان کے نام منسوب کیا، مثال کے طور ، قرطاس ابیض میں کہا گیا ہے۔

""حتیٰ کہ جعلی رپورٹیں تیار کر کے اس کے نام سے منسوب کی گئیں۔ وہ بیان جس میں مسٹر ولی خان نے اگر پاکستان کی مزید توڑ پھوڑ ہوئی تو "ہم ہارنے اور گنوانے والوں میں نہیں ہوں گے ایسی صورت میں ہم سرحد کو طور خم سے اٹک پل تک تبدیل و منتقل کر دیں گے۔ ایک ایسا ہی جھوٹا اور بنایا ہوا بیان تھا۔ مسٹر ولی خان کے بارے میں "رپورٹ" دی گئی تھی کہ انہوں نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۳ کو چوک یاد گار پشاور کے جلسے میں اپنی تقریر میں یہ بیان دیا تھا "نیوز ایجنسیاں اے پی پی اور پی پی آئی ، جن کے بارے میں مفروضہ ہے کہ آزادانہ کام کرتی تھیں، دونوں نے اس خبر کو بے حد مشابہہ اور یکساں زبان میں جاری کیا اور قومی پریس نے اسے سرکاری ایڈوائس کے تحت اگلے دن شائع کیا۔ واحد استثنا "نوائے وقت کا ہے جو مسٹر ولی خان کا ہمدرد نہیں ہے۔ جس نے اپنے نمائندے کی رپورٹ شائع کی۔ نوائے وقت کی خبر میں سرحد کی منتقلی اور تبدیلی کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ۲۵ اکتوبر کو خود مسٹر ولی خان نے اس کی تردید یہ کہتے ہوئے کی کہ انہوں نے ایسا کوئی بیان نہیں دیا۔ لیکن اس تردید کو دبا اور قتل کر دیا گیا۔ پھر شاید نوائے وقت ہی تھا جس نے یہ تردید شائع کی تھی۔

""اسی مہینے مسٹر ولی خان کو ایک بار پھر ایک دوسرے من گھڑت جھوٹ کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ کہانی پہلی بار ۳۰ اکتوبر کے روزنامہ مشرق، پشاور میں شائع کی گئی، جس میں یہ کہا گیا کہ ولی خان نے چار سدہ میں عید کے موقع پر کہا "ایک نیا ملک جو صوبہ سرحد، بلوچستان اور افغانستان پر مشتمل ہو گا معرضِ وجود میں آئے گا۔ اور بارڈر لائن طور خم سے اٹک کے پل تک منتقل نہیں کی جائے گی بلکہ مرگلہ نزد راولپنڈی سے شروع ہوگی ۔ بعد میں اس رپورٹ پر مشتمل ایک خبر پی پی آئی کے ذریعے قومی پریس میں اشاعت کے لئے جاری کی گئی ۔""

""یہ من گھڑت جعل سازیاں دراصل مسٹر بھٹو کے اس جارحانہ پروپیگنڈے کا حصہ تھیں جو وسط ۱۹۷۳ میں مسٹر بھٹو کی ہدایت پر اس لئے شروع کیا گیا تھا کہ رائے عامہ کو مسٹر ولی خان اور ملک کے دوسرے رہنماؤں کی گرفتاری کے لئے ہموار کیا جائے ، مسٹر بھٹو نے مسٹر ولی خان کے "۱۹ اکتوبر کے "رپورٹڈ" بیان پر مشتمل ایک طویل نوٹ لکھا جس میں انہوں نے نیپ کی قیادت کو پاکستان اور ریاست دشمن، بنا کر پیش کیا اور وزارت اطلاعات کو ہدایت جاری کی کہ "مسٹر ولی خان، ارباب سکندر خان اور افضل خان کی گرفتاری

کے لئے انفارمیشن میڈیا کے ذریعے "مضبوط اور ہموار زمین تیار کریں"

"فروری ۱۹۷۵ میں مسٹر حیات محمد خان شیرپاؤ کے قتل کے بعد نیپ کی قیادت کے خلاف یہ مہم اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ مسٹر ولی خان اور نیپ کے دوسرے رہنما گرفتار کر لئے گئے اور نیشنل عوامی پارٹی کو غیر قانونی قرار دے کر اس پر پابندی لگادی گئی، اس قتل کی "پروجیکشن" افغان حکومت اور نیپ کی ملی بھگت اور سازش بنا کر کی گئی کہ اس طرح صوبہ سرحد میں سب سے اہم اور طاقتور حریف کو اپنے رائے سے ہٹا دیا جائے۔ اس پابندی پر ایک ریفرنس سپریم کورٹ میں پیش کیا گیا۔ جسے مسٹر ولی خان اور نیپ کے باقی ماندہ رہنماؤں کے خلاف میڈیا کے ذریعے ایک زبردست مہم بنایا گیا۔"

"جب سپریم کورٹ نے اس پابندی کو بحال رکھنے کا فیصلہ دیا تو پابندی کے اعلان کے ساتھ ہی وزارت اطلاعات نے خصوصی دستاویزات وسیع تر تقسیم کے لئے شائع کیں۔"

تعصب سے اندھے اور میرے خلاف کینے اور عناد کی نہ بجھنے والی پیاس رکھنے والے قرطاسِ ابیض کے مصنفوں نے ان پانچ ٹیپوں کی شہادت اور ثبوت کو دبا دیا ہے جو پشتو میں ولی خان کی تقریروں پر مبنی تھیں۔ یہ پانچوں ٹیپیں سپریم کورٹ میں چلائی اور سنی گئی تھیں۔ ان ٹیپوں کے ٹرانسکرپٹس ان گواہوں نے پیش کئے تھے ۔ جنہوں نے یہ تقریریں سنیں اور ریکارڈ کی تھیں، جن میں ولی خان نے یہ کہا تھا کہ زنجیر طورخم سے اٹک کے پل مرگلا اور چمن سے جیکب آباد منتقل کر دی جائے گی۔

اپنے اس فیصلے میں سپریم کورٹ (پی ایل ڈی ۱۹۷۶ ۔ سی ایس ۵۷) نے کہا تھا ۔

"جہاں تک مسٹر عبد الولی خان کا تعلق ہے ، فاضل اٹارنی جنرل نے ہمارے سامنے اس تقریر کا ٹرانسکرپٹ پیش کیا جو انہوں نے ۲۱ ستمبر ۱۹۷۳ کو کی تھی۔ (ایگزیبٹ آر۔ اے ۔ ڈبلیو ۱۶/۱۹) یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کیا کہ جب ولی خان سے یہ کہا گیا کہ وہ بعض افغان وزیروں نے جو بیانات پاکستان کے خلاف دئے ہیں ، اس سے اختلاف کریں تو انہوں نے یہ بات نظر انداز کر دی۔ حقیقت میں یہ کہا جاتا ہے کہ مختلف اوقات میں اُنہوں نے اپنے تحریری بیانات میں ، ڈیورنڈ لائن کے بارے میں افغان حکومت کے پاکستان کے خلاف بیانات کی حمایت کی اور افغان حکومت کے اس دعوے کی بھی حمایت کی جس میں اُنہوں نے صوبہ سرحد اور حتیٰ کہ پنجاب کے حصوں پر بھی مشتمل علاقوں کو افغانستان کا ایک لازمی جزو قرار دیا تھا"

اس کے بعد صفحہ ۱۲۲ پر اس فیصلے میں کہا گیا ہے ---

"۲۸ اکتوبر ۱۹۷۳ کو، عید کے ایک اجتماع سے چار سدہ میں خطاب کرتے ہوئے،

ٹرانسکریٹ کے مطابق (ایگزیبٹ آر ۔ ایس ڈبلیو ۱۰ / ۱) جسے متعلقہ اتھارٹی کے گواہ نمبر ۱۰ جلیل الرحمن نے تیار کیا تھا، یہ بیان کیا گیا ہے کہ خان نے کہا "ایک نیا ملک جو صوبہ سرحد، بلوچستان اور افغانستان پر مشتمل ہو گا، معرضِ وجود میں آئے گا اور اس کی بارڈر لائن طور خم سے اٹک کے پل پر منتقل نہیں کی جائے گی بلکہ یہ مرگلہ پہاڑیوں کے آس پاس، راولپنڈی کے نزدیک ہو گی۔ مزید بر آں اس نے پختون زلمہ - نیپ کے ساتھ منسلک عسکری تنظیم کو اپنی تقریر میں یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنے آپ کو اب مزید گرفتاریوں کے لئے پیش نہ کریں۔ اور اس پر اضافہ کیا "اب ہم زیادہ دیر تک محب وطن ہونے کے دلائل اور ثبوت پیش نہیں کریں گے۔ ہم گذشتہ پچیس برسوں سے زائد عرصے میں ثبوت پیش کرتے رہے ہیں"

اس سے بھی پہلے ۴ اکتوبر ۱۹۷۳ کو نوشہرہ میں تقریر، (بحوالہ ٹرانسکرپٹ ایگزیبٹ آر ۔ اے ۔ ڈبلیو ۲ / ۱۹) کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا "اگر پاکستان تباہ ہوتا ہے تو ہم تباہ نہیں ہوں گے، ہم چمن سے زنجیر ہٹا کر سندھ کی سرحدوں اور طور خم سے مار گلہ تک لے جائیں گے اس جگہ انہوں نے اپنے سامعین کو یہ بھی بتایا "اب سیاست ختم ہو چکی ہے، اور لوگوں کو بھڑکایا کہ "سیاسی امور کے تصفیے کے لئے ہتھیار اُٹھائیں" اپنی اس دھمکی کو کہ زنجیر کو چمن سے جیکب آباد اور طور خم سے مار گلہ تک لے جائیں گے، انہوں نے اپنی ۱۷ دسمبر ۱۹۷۳ کو ٹونک کی تقریر میں بھی دہرایا (بحوالہ ٹرانسکرپٹ ایگزیبٹ آر اے ڈبلیو ۱۵ / ۱۹) اور پھر چوک یادگار مورخہ ۳-۷۳-۱۰-۱۹ (ٹرانسکرپٹ ایگزیبٹ آر اے ڈبلیو ۴ / ۱۹ اور ٹیپ ریکارڈ ایگزیبٹ ۱ ۔ m / ۱۹) اور پھر چوک یادگار مورخہ ۳۔۷ ۔ ۱۰ ۔ ۱۹ (ٹرانسکرپٹ ایگزیبٹ آر اے ڈبلیو ۵ / ۱۹ اور ٹیپ ایگزیبٹ آر اے ڈبلیو ۲ m / ۳) اور مسجد غازی گل بابا چار سدہ مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۷۳ (ایگزیبٹ آر اے ڈبلیو (۵۳) ۲ / ۲۸) میں بھی ولی خان نے یہ کہا کہ اگر بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبے کے لوگوں اور عوام کو ان کے حقوق نہ دئے گئے تو وہ پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے ذمے دار نہ ہوں گے۔

یہ تقریر جو یکم نومبر ۱۹۷۳ کے نوائے وقت میں بھی شائع ہوئی ہے اس میں مسٹر ولی خان کا یہ بیان بھی شامل ہے ۔ "اب پختون اور بلوچ اپنے حقوق کا تحفظ طاقت استعمال کر کے کریں گے"

ایسے امور میں ولی خان کا دفاع کرتے ہوئے قرطاسِ ابیض اُس کے دفاع کی کوشش کر رہا ہے جس کا دفاع نہیں کیا جا سکتا۔ مزید بر آں اگر انتہائی اہمیت کا مسئلہ ہے کہ یہ پوزیشن اختیار کرتے ہوئے موجودہ فوجی حکومت سرکاری طور پر چار قومیتوں کے نظرئے کی حمایت کرنے لگی ہے ۔ میں نے جعلی اور من گھڑت بیان تیار کئے نہ ہی انہیں ولی خان سے منسوب کیا اس کا یہ

بیان کہ ایک نیا ملک معرضِ وجود میں آرہا ہے۔ (عظیم تر افغانستان جس میں پاکستان کے حصے بھی شامل ہوں گے) قانون شہادت کے مطابق سپریم کورٹ کے سامنے ثابت ہو گیا تھا۔ آکسفورڈ کے میگزین "راؤنڈ ٹیبل" جو ستمبر ۱۹۷۱ میں لکھا گیا، مطبوعہ ۱۹۷۲ میں بھی ثابت ہو گیا تھا اور ولی خان نے کبھی اس کی تردید نہیں کی۔ اس مضمون میں مسٹر ولی خان نے بنگلہ دیش کی علیحدگی کے بعد پاکستان کی بہت طریقوں سے توڑ پھوڑ، کی پیش گوئی کی تھی۔ سپریم کورٹ نے متذکرہ فیصلے کے صفحہ ۱۳۸ پر مندرجہ بالا مضمون کے حوالے سے کہا تھا۔

"اس مضمون کے مصنف، جسے سیکرٹری وزارت اطلاعات ونشریات حکومت پاکستان مسٹر نسیم احمد (آر اے ڈبلیو ۱۵) کی زبانی گواہی اور تحریری تصدیق جو اس رسالے کے ایڈیٹر نے کی، سے بلا شک وشبہ ثابت ہو گیا ہے کہ مسٹر ولی خان مصنف تھے۔ اس مضمون میں انہوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ہندوستان کو تقسیم کر کے برطانیہ نے غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ اسطرح انہوں نے وہ تمام اچھے کام تباہ وبرباد کر دیئے جو انہوں نے ایمپائر کے معماروں کی حیثیت سے دو سو سال سے بھی زیادہ عرصہ میں کئے تھے۔ مسٹر ولی خان نے یہ رائے بھی دی کہ اسے (تقسیم) ختم کر کے پٹھانوں (پختون یا پشتون) کو دوبارہ متحد کر کے ایک عظیم تر افغان حکومت وجود میں آرہی ہے" اس حوالے کی اہمیت اس نکتہ پر اصرار ہے "تقسیم ختم کر کے" اور جس کے نتیجے میں "ایک عظیم تر افغان حکومت" کا ظہور ۔۔۔۔ کیا یہی پختونستان، کا مؤقف نہیں ہے؟"

سپریم کورٹ کا فیصلہ اب بھی قائم ہے اور ابھی اس پر نظر ثانی نہیں کی گئی ۔ اسی لئے موجودہ حکومت اس کی پابند ہے، اور اسی حوالے سے قرطاسِ ابیض کے مصنفین یا کوئی اور شخص اگر محض اور اسی طرح قرطاسِ ابیض کا ہر حصہ جھوٹے حاسد اور سپریم کورٹ میں اپیل کے خلاف تعصب پیدا کرنے والے ثابت کئے جاسکتے ہیں، عصر رواں کی تاریخ میں کسی حکومت نے سرکاری ذرائع ابلاغ کو ایسی بے رحمی اور شدت سے استعمال نہیں کیا، جیسے پاکستان کی موجودہ فوجی حکومت اسے اپنے واحد سیاسی ہدف ذوالفقار علی بھٹو اور اس کی کردار کشی کے لئے استعمال کر رہی ہے ۔ اور کسی حکومت کو اس بری طرح اپنے مقصد کے حصول میں ایسی ناکامی نہیں ہوئی جیسی اس فوجی حکومت کو ہوئی ہے ۔

اس قرطاس ابیض کے مصنف اور ان کے پیچھے افراد ہیں جنہوں نے بھدی اور گندی ذہنیت کا اظہار، انتہائی فطری اور بے ضرر واقعات اور حالات کو گمراہ کن انداز میں مسخ اور توڑ مروڑ کر کے کیا ہے، اس کے مرتبین نے جو نتائج نکالے ہیں وہ انتہائی صدمہ پہنچانے والے اور بعید از قیاس ہیں، اسی کے بعض حصوں میں ان کا زہر نہ صرف میری ذات بلکہ میرے خاندان کے خلاف بھی انتہائی بدبودار اور غلیظ ہو گیا ہے، ٹھیک ہے اگر آپ اسی طرح خوش ہوتے ہیں تو جو

نام نہاد پبلسٹی میری بیوی کو دی گئی وہ اسکے لائق نہیں تھی، ٹھیک ہے اگر اس طرح آپکو مسرت ہوتی ہے تو میری بیٹی آکسفورڈ یونین کا صدر منتخب ہو کر پاکستان کے لئے اعزاز کا سبب نہ بنی تھی۔

میرے عہدیدار اور عمال بھی چاہتے تو وہ نیوز ویک، سے ایک کور سٹوری پاکستان کے لئے لکھوا سکتے تھے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتی ہے کہ پاکستان پر کور سٹوری لکھنے کی بتدریج رضامندی کے باوجود، مارچ ۱۹۷۷ کے انتخابات کے بعد نیوز ویک نے اپنا ذہن آخری لمحے تبدیل کر کے کسی بھی ظاہر داری کی وضاحت کے بغیر ۵ جولائی ۱۹۷۷ کی فوجی بغاوت کے فوراً بعد اسی میگزین نے جنرل ضیاء الحق کو اپنے سرورق پر رکھدیا۔

دوسرے قرطاس ابیض کے مطابق میں اپنے امیج کو تعمیر کرنے کے واہمے میں مبتلا تھا کہ میں ایک "غیر متنازعہ" بے مثل اور اپنے ملک کا عظیم ترین رہنما بلکہ ایشیا اور اس کے بعد لازماً تیسری دنیا کا سب سے بڑا رہنما ہوں۔ اس تہمت کا جواب دینے کا سزاوار نہیں ہوں، اس کے برعکس یہ حکومت وحشی جنگجوؤں کی طرح نہ صرف میری امیج کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور پاکستان کے عوام کے علاوہ پوری دنیا میں ایک ویلن کی حیثیت سے پیش کر رہی ہے۔ میں نے اپنا بہترین کام کیا اور اس حکومت نے اپنی بدترین کوشش کی اور ایک برس سے زیادہ میرے نام کو رسوا اور داغدار کرنے کی ناقابلِ بیان خباثت کا مظاہرہ کرنے کے بعد کیا اس فوجی حکومت یہ حوصلہ کرے گی کہ ایک ریفرنڈم میرے اور اپنے اوپر کرائے۔ سینرز یا بروٹس؟ آئیے لوگوں کو فیصلہ کرنے دیں کہ مقدس گائے کون ہے؟

تتمہ

۱۴ اگست ۱۹۴۷ کی جب آدھی رات کا گجر بجا تو برصغیر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ایک ہندوستان جو اب بھارت اور دوسرا پاکستان ۔ بھارت نے ۱۹۵۱ میں اپنے وفاق کے دائمی اتحاد اور پائیدار استقلال اور استحکام کے لئے اپنے لئے سب سے افضل و برتر قانون وضع کیا یعنی بھارت کا آئین۔ اس کے پانچ سال بعد پاکستان نے ۱۹۴۷ کے ہندوستان کی آزادی کے ایکٹ کی جگہ اپنا آئین نافذ کیا۔ اور ۱۹۳۵ کے ترمیم شدہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو پاکستان کے اتحاد و سلامتی کے محافظ کے طور پاکستان کا بنیادی قانون بنایا۔

مارشل لا نافذ کر کے ۱۹۵۶ کا آئین منسوخ کیا گیا تو اس سے پاکستان کے اتحاد کی بنیادیں ہل گئیں ۔ ۱۹۶۲ کا آئین ایک دوسرے مارشل لا کے ذریعے ۱۹۶۹ میں منسوخ ہوا تو اس کے دو سالوں کے اندر اندر پاکستان دو لخت ہو گیا۔ نہ ہی ۱۹۵۶ اور نہ ہی ۱۹۶۲ کے آئین ملک کے حقیقی

اور کامل معیار کے نمائیندہ آئین تھے۔ کیونکہ ان میں سے کسی ایک کو بھی خود مختار اور نمائیندہ اسمبلیوں نے تشکیل نہیں کیا تھا۔ اس لئے یہ بشکل ظاہر آئین تھے تاہم ان کی منسوخی نقصان دہ ہونے کے باوجود مکمل تباہی کے جراثیم سے خالی تھی ۔

صرف ۱۹۷۳ کا آئین ہی یہ نمایاں وصف رکھتا ہے کہ وہ جائز اصلی اور کامل نمونے کا تھا ۔ اسے خود مختار اور نمائیندہ اسمبلی نے متفقہ طور تشکیل دیا تھا۔ اپنی اسی بدیہی وجہ سے ، جبکہ اس سے پہلے کہ دونوں آئیں مارشل لاء نے منسوخ کر دئے تھے ۔ مارشللا۱۹۷۳ کے آئین کو منسوخ نہیں کر سکا ۔ یہ ایک دوسرا موضوع ہے کہ ایک قانونی تغیر کے مارشل لا کا نفاذ خود بخود آئین کو منسوخ کر دیتا ہے کیونکہ دونوں ایک ساتھ زندہ نہیں رہ سکتے ۔ سو فسطائیت کی اس منتھ سے یہ دھوکہ دے کر یہ دونوں باہمی طور پر زندہ رہ سکتے ہیں، تو اسے ان بار بار دہرائی جانے ولی خلاف ورزیوں نے، ان شرائط کو باطل کر دیا ہے جو بیگم نصرت بھٹو کیس میں سپریم کورٹ نے عائد کی تھیں ۔ معترض قسم کے شبہات کو اگر وہ کسی قسم کے تھے تو انہیں ۱۴ ستمبر ۱۹۷۸ کے اعلان نے ختم کر دیا ہے۔ جو تخلیق پاکستان کے ٹھیک تیس برس اور ایک ماہ بعد کیا گیا ہے ۔ اس اعلان میں بتایا گیا ہے کہ چیف آف آرمی سٹاف ۱۶ نومبر ۱۹۷۸ کو صدر پاکستان کا لبادہ پہن لے گا۔ آئین رہتا یہ نہ رہتا اُس نے یہ ثابت کرنے کا عزم کر رکھا تھا کہ چیف آف آرمی سٹاف کی کرسی پاکستان میں سب سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ شاندار بات! لیکن اب کون ایسی بے باکی سے کہہ سکے گا کہ ۱۹۷۳ کے آئین میں اب بھی کچھ سانس باقی رہنے دیے گئے ہیں۔

پاکستان کو ایک "جانورستان" (اینیمل فارم) بنا دیا گیا ہے اور اس کے بد بخت اور خدا ترس انسانوں کو گندے جانوروں کی حالت تک پہنچا دیا گیا ہے ۔ خواہ کچھ ہو جب گندے جانوروں میں بھی یہ احساس پیدا ہو جائے کہ وہ کہاں کھڑے ہیں تو اُن میں حوصلہ اور جرأت پیدا ہو جاتی ہے ۔ افغانستان کا عظیم کھیل ۲۸ اپریل ۱۹۷۸ کو ختم ہو گیا تھا تاہم یہ عجلت کی بات ہوگی کہ ابھی سے کھیل کے بارے میں کوئی تاریخی فیصلہ دیا جا سکے کہ یہ کھیل عظیم ہے یا پست، جو ۱۶ ستمبر ۱۹۷۸ کو ختم ہونے والا ہے۔ اور "آخری چوکی" کی کھینچا تانی پر یہ دن بگل بجانے کا دن ہے ۔

اس سے پیچھے مڑ کر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ ۱۹۷۷ کی جبری فوجی بغاوت ایک عظیم جارحیت تھی۔ لیکن تاریخ کی ایف آئی آر میں ۱۹۷۳ کے آئین کی تدفین کو بہت بڑی جارحیت کی حیثیت سے رجسٹر کیا جائے گا۔ ستمبر ۱۹۷۸ کا سولہواں دن، ۱۰ مئی ۱۸۵۷ اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ سے کم تر اہمیت کا نہیں ہو گا۔ بلا شبہ، اپنی بد خصالی کے ساتھ ظالم تاریخ کے کٹہرے میں کھڑا ہو گا۔ "انسانی تاریخ میں ایک چیز انتقام کی طرح ہوتی ہے۔ اور اسی تاریخی انتقام کا یہ اصول ہے کہ اسکا شکار ہمیشہ ظالم ہی ہوتے ہیں ۔ مظلوم نہیں"